قصبہ کوڑہ
تاریخ و شخصیات

مرتبہ

محمد عبد السمیع ندوی

ناشر

اردو کمپیوٹر کتابت سنٹر ندوی منزل ٹیگور مارگ ندوہ روڈ لکھنؤ

قصبہ گوڑا

تاریخ و شخصیات

مرتبہ
محمد عبدالسمیع ندوی

ناشر
کمپیوٹر اردو کتابت سنٹر
"ندوی منزل" ندوہ روڈ۔ لکھنؤ

فہرست

(۱)	انتساب	صفحہ ۳
(۲)	پیش لفظ	صفحہ ۴ تا ۸
(۳)	کوڑہ تاریخ کے آئینہ میں	صفحہ ۹ تا ۶۴
(۴)	تہذیبی اور ثقافتی ورثے	صفحہ ۶۵ تا ۸۱
(۵)	شخصیات	صفحہ ۸۲ تا ۴۴۳
(۶)	ضمیمہ	صفحہ ۴۴۴ تا ۴۵۵
(۷)	خاتمہ ٔ کلام	صفحہ ۴۵۶

☆ ☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اُس "وحدہ لاشریک لہ" کے نام، جس نے
ہم حقیر وناتواں انسانوں کو باحسن تقویم پیدا فرما کر خلافت
ارضی کے شرف سے نوازا، اور پھر ایمان و عمل اور کفر و شرک
کی بنیاد پر "خیر البریۃ" اور "شر البریۃ" میں تقسیم فرمایا------
اسی خالق "وحدہ لاشریک لہ" کے نام جس نے مجھ کمزور
وناتواں انسان کو یہ سعادت مرحمت فرمائی کہ اپنے چند بزرگوں
کے "آثار اور ان کی حیات دینی" کے چند مستور گوشے
اپنے ہی جیسے انسانوں کے سامنے پیش کروں، شاید کہ عبرت
وبصیرت کا یہ مرقع کسی "قلب سلیم" کو متاثر کردے اور
میرے لئے اجر آخرت کا سامان ہوجائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز ○

محمد عبدالسمیع ندوی

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ○

اس لئے نہیں کہ میرا وطن کوڑہ جہان آباد ہے، اور نہ اس لئے کہ میں حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈہ کی نسل میں ہوں، کیوں کہ اگر زمین یا خاندان عزت وشرافت کا معیار ہوتا تو ابوجہل وابولہب جو مکہ مکرمہ کے باسی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ سے افضل ہوتے، بلکہ پیش نظر سطور کی تحریر کا مقصد محض اپنے بزرگوں کی زندگیوں میں کتاب وسنت کے آثار کی تلاش وجستجو اور ان سے سبق حاصل کرنا ہے، الحاد ومادیت کے اس دور میں جس قدر بھی دین واہل دین کا تذکرہ کیا جائے وہ بہتر ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔

سادات جعفری عریضی کا یہ خانوادہ ۶۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ کے نواحی قصبہ "عریض" نے بعہد سلطان شمس الدین التمش، ہندوستان آیا اور سکندر شاہ لودی کے عہد میں فتحپور سے منتقل ہوکر قصبہ "کوڑہ" کے محلہ "میاں ٹولہ" میں سکونت پذیر ہوا جس کے درس وافاضہ، رشد وہدایت سے یہ سرزمین گرم ہوئی، جس کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا، مدارس ومساجد اور خانقاہوں کی تعمیر ہوئی، طالبان علوم نبوت دور دور سے آکر فیض یاب ہوتے رہے، علوم دینی کے ساتھ تصوف وسلوک میں بھی یہ خانوادہ مرجع ومرکز بنا رہا ------- ایک ہی

خاندان کے افراد میں علم وفضل، رشد وہدایت کا یہ اجتماع اور تسلسل بہت کم دیکھا اور سنا گیا، اس خاندان کی علمی و تعلیمی خدمات کو آٹھ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور:۔ حضرت سید شاہ قطب الدین سالار بڈہ رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا، جنھوں نے جونپور میں تعلیم حاصل کی، تصوف کے کئی خانوادوں کے مجاز ہوئے ۹۰۵ ہجری میں بعہد سکندر شاہ لودی کوڑہ تشریف لائے، اور درس وافاضہ کا سلسلہ شروع کیا، اور ۹۴۶ھ میں رحلت فرمائی۔

دوسرا دور:۔ حضرت شاہ بہاء الدین اور حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا، جنھوں نے جونپور میں تعلیم حاصل کی، اپنے والد گرامی حضرت شاہ قطب الدین سالار بڈہ رحمۃ اللہ سے تصوف وسلوک میں مجاز ہوئے، کوڑہ میں درس وتدریس، رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

تیسرا دور:۔ حضرت شاہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے صاحبزادگان حضرت شاہ حمیدالدین عرف مخدوم جہانیاں ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ قطب الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو تیسرے دور کے لئے تیار کیا، ان دونوں بزرگوں نے کوڑہ ہی میں تعلیم حاصل کی اور اپنے اپنے والد بزرگوار کے مجاز ہوئے۔

چوتھا دور:۔ شاہ احمدؒ شاہ جمال اولیاءؒ شاہ مبارکؒ صاحبزادگان حضرت شاہ حمید الدین عرف شاہ مخدوم جہانیاں ثانیؒ اور حضرت شاہ عبدالکریمؒ حضرت شاہ حسین ثانیؒ صاحبزادگان حضرت شاہ قطب الدین ثانی نے اپنے اپنے مدارس میں تعلیم پاکر چوتھا دور شروع کیا۔

حضرت شاہ حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا ضیاء الدین عرف قاضی جیا رحمۃ اللہ کے پاس نیوتنی ضلع اناؤ مزید تعلیم کے لئے روانہ کیا، جہاں سے انہوں نے ملاوجیہ

الدین گجراتی کے علوم حاصل کئے جو محقق دوانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے، اسطرح ایک نیا نصاب تعلیم کوڑہ کے ان مدارس میں رائج ہوا، اور حضرت شاہ جمال اولیاء سے یہ علوم حضرت شاہ ملا عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ اور ملا لطف اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کئے۔

پانچواں دور:۔ شاہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ابو المعالیؒ شاہ ابو نجیبؒ اور ملا عبدالرسول نیز شاہ جلال کا تھا، ہرسہ اول الذکر حضرت شاہ مبارک کے صاحبزادگان تھے اور ہر دو موخر الذکر علی الترتیب حضرت شاہ عبدالکریم اور شاہ حسین ثانی کے صاحبزادگان تھے جن کے تلامذہ نے چھٹا دور شروع کیا۔

چھٹا دور:۔ شاہ خرم رحمۃ اللہ علیہ، مخدوم عالم رحمۃ اللہ علیہ، غلام جمال رحمۃ اللہ علیہ شاہ محمد فیروز فرزندان شاہ محمد ہاشمؒ، شاہ ابو نجیبؒ، ملا عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ، شاہ جلالؒ نے چھٹا دور شروع کیا اور اپنے اپنے دور میں شاہ خرمؒ نے اپنے ہر دو صاحبزادگان ابو سعیدؒ، ملا محمد واصلؒ کو اور شاہ محمد فیروز رحمۃ اللہ نے اپنے فرزند مخدوم جہانیاں ثالثؒ کو تیار کیا اس طرح ساتواں دور شروع ہوا۔

ساتواں دور:۔ ساتواں دور شاہ ابو سعید عرف بھبے دانشمند، ملا محمد واصلؒ اور مخدوم جہانیاں ثالث نے پورا کیا۔

آٹھواں دور:۔ آٹھواں دور سید نور الدین حسن بن ملا ابو سعید دانشمند اور سید نور الحق بن ملا محمد واصل و محمد عادل بن محمد شاکر، سید مقصود علی صدر الصدور، سید نصرت علی ابناء ملا محمد لیسین، ملا عبدالغفور دانشمند، شاہ صبغت اللہ بن مخدوم جہانیاں ثالث، جیسے ممتاز افراد پر مشتمل تھا۔

یہ تو وہ آٹھ دور تھے جن میں ایک ہی خاندان کے کئی کئی افراد اپنے اپنے مدارس اور خانقاہوں میں سرگرم کار تھے، ان کے بعد انفرادی کاوشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، عہد عالمگیری کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال کا آغاز ہوا، اودھ کے شیعہ نوابین اور رہٹوں نے کوڑہ پر تاخت کی، لوٹ مار، قتل وغارتگری کا دور دورہ

ہوا، کوڑہ کی خانقاہوں اور مدارس کی حالت خستہ ہونے لگی، مزید یہ کہ معافیاں ضبط کی جانے لگیں، ویرانیاں بڑھنے لگیں، اور پھر پورا ہندوستان برطانوی حکومت کے شکنجہ میں آگیا، تعلیم بدلی، معاشرت بدلی، فکر ونظر میں تبدیلی پیدا ہوئی، مشرق کی ہرچیز بری نظر آنے لگی، مغرب کی ہر چیز پسندیدہ خاطر ہونے لگی، الحاد ودہریت کا زور ہوا، افلاس ونکبت کا دور دورہ ہوا، زوال وانحطاط، معافیات کی ضبطی، معاشی بدحالی کے باوجود موجودہ صدی میں کوڑہ کی تین شخصیتوں مولانا سید شاہ وارث حسنؒ، مولانا حکیم سید نصرت حسینؒ، مولانا سید محمد عبدالحیؒ نے ملک وملت پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

۱۔ مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ نے الحاد ودہریت کے بڑھتے ہوئے زور کو "رشد وہدایت" کے ذریعہ روکا، اللہ کے بندوں کو اللہ کی چوکھٹ پر سجدہ ریز کیا اور تاریخ پر اپنے نقش چھوڑ گئے۔

۲۔ مولانا حکیم سید نصرت حسین علیہ الرحمہ نے ملت کو حریت وآزادی، ایثار وقربانی، اور مقصد کے ساتھ لگن ودلچسپی کا انوکھا پیغام دیا اور وطن سے دور خاک "مالٹا" میں آسودہ خواب ہوکر ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا ایک جزء بن گئے۔

۳۔ مولانا سید محمد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشاور سے لے کر کلکتہ، اور کشمیر سے لیکر جنوبی ہند تک دین کی دعوت اور اس کا پیغام پہنچایا، اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں اپنی جدوجہد سے ایک مثال قائم کی، اور تاریخ کا ایک روشن باب بن گئے۔

زیر نظر کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں کوڑہ کے سیاسی عروج وزوال کی داستان ہے، دوسرے حصہ میں کوڑہ کے تہذیبی وثقافتی ورثہ کا تذکرہ ہے، تیسرے حصے میں مخدوم زادگان یا ان سے متعلق بعض اشخاص وافراد

کے سوانحی خاکے اور شجرے ہیں، آخر میں ایک ضمیمہ اور خاتمۂ کلام ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر میں مخدومی عم محترم مولوی سید محمد عبدالقدیر نسابہ رحمۃ اللہ علیہ اور والد گرامی مولانا الحاج سید محمد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تشکر وامتنان کے ساتھ نہ کروں، جن کی سعی مسلسل اور خصوصی مجلسوں اور تحریروں نے مجھے اس قابل کیا کہ یہ چند سطور نذر قارئین کرسکوں، اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزاء خیر سے نوازے اور بال بال مغفرت فرمائے (آمین)

عزیزان گرامی مولوی سید اقبال احمد ندوی اور مولوی سید محمد عبدالرشید ندوی نے زبانی اور اپنے خطوط کے ذریعہ مسلسل تقاضہ کرکے مجھے اس کام کی تکمیل پر آمادہ کیا، نیز محترم جلال الدین صاحب گوتم اور عزیز گرامی ضیاء حسنی صاحب کا بھی مشکور ہوں کہ انھوں نے مواد فراہم کرنے میں مدد کی۔

میں اپنی اس کاوش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس سے قطع نظر، اس تحریر سے میرا مقصد صرف بعد میں آنیوالی نسلوں کے لئے ایک یادداشت یا خام مواد چھوڑنا ہے، ان میں جو باہمت اور تلاش وجستجو کے خوگر ہوں گے وہی اس کام کو آگے بڑھائیں گے، اور گمشدہ کڑیوں کو باہم مربوط کریں گے، آخر میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو عام طور پر اور اہل خاندان کو خاص طور پر دل کی گہرائیوں سے یہ پیغام بھی دے رہا ہوں "ان اللہ لا یغیر مابقوم حتی یغیر واما بانفسھم"

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

محمد عبدالسمیع ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء
پوسٹ بکس ۹۳ ۔ لکھنؤ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
مطابق ۲۶ اگست ۱۹۹۴

کوڑہ تاریخ کے آئینہ میں

کوڑہ پر کچھ لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اس علاقے کے گوتم راجپوتوں سے واقفیت حاصل کریں۔ جو صدیوں تک دوآبہ گنگ و جمن کے اس وسیع علاقے میں سیاسی اعتبار سے چھائے رہے جہاں انھوں نے اپنا راج پاٹ چلایا، بستیاں بسائیں۔ قلعے بنوائے۔ اور دوسری عمارتیں تعمیر کیں کہ اُن کے ذکر کے بغیر کوڑہ کی تاریخی حیثیت پر کچھ لکھنا بے سود ہوگا۔ میں جو کچھ عرض کروں گا مختصر طریقے ہی سے عرض کروں گا۔ محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :-

• اس عقیدے پر تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے پانچ عناصر پیدا کئے، خاک، آگ، پانی، ہوا، اور پانچویں آکاس۔ ان کے بعد اس نے برھما نام کے ایک ذہین فطین شخص کو پیدا کیا۔ اور اس کو اس دُنیا کی پیدائش کا سبب قرار دیا برھما اللہ کے حکم سے انسان کو عدم سے وجود میں لایا اور انھیں چار گروہوں میں تقسیم کیا۔ برہمن، چھتری، ویش اور شودر، برہمنوں کو عبادت مذہبی احکام کی نگہداشت، قوانین خداوندی کی حفاظت سونپی

گئی اور اہل دنیا کا روحانی پیشوا مقرر کیا گیا، دوسرے گروہ یعنی چھتریوں کو دنیاوی انتظام سونپا گیا۔ حکومت و سیاست کی باگ اُن کے ہاتھ میں دی گئی۔ تیسرے گروہ یعنی ویشوں کے ذمہ کھیتی باڑی اور دیگر پیشوں کا کام کیا گیا۔ چوتھے گروہ یعنی شودروں کے ذمہ متذکرہ تینوں گروہوں کی خدمت گذاری کی گئی۔

برھما نے وید نامی ایک کتاب انسان کی دُنیا اور آخرت کی فلاح اور بہبود کیلئے لکھی۔ تاکہ انسان اپنے اصلی مقام پر رہیں اور اس پر عمل کریں۔ سب کے سب سیدھی راہ پر چلیں، وید کے قوانین کے پابند رہیں ملہ

گوتم راجپوت:۔ برھما ؔکی کئی اولادیں ہوئیں۔ اس کے ایک لڑکے کا نام انگرہ تھا انگرہ کی چوتھی پشت میں ایک شخص گوتم رشی تھا۔ یہ گوتم رشی ؔ مشہور گوتم بُدھ سے مختلف شخصیت تھی۔ مختصر شجرہ ذیل میں درج ہے انگرہ بن برھما کا لڑکا اتتھ۔ اُس کا لڑکا میگھا تتھ، اس کا لڑکا گوتم رشی یہ بھی گیان دھیان کا آدمی تھا، گوتم راجپوت خود کو اسی گوتم کی طرف منسوب کرتے ہیں

اس کی پانچویں پشت میں ایک شخص سر نگی رشی نام کا ہوا۔ اس کا سلسلہ

ملہ تاریخ فرشتہ ص ۴۷-۴۸

ملہ برھما کے بارہ میں گوتم راجپوتوں کا خیال ہے کہ یہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کا دوسرا نام ہے۔

ملہ ایچ آر نیول کو دھوکہ ہوا کہ اس نے گوتم رشی کو گوتم بُدھ سمجھا، گوتم رشی اور گوتم بُدھ علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔

گوتم رشی تک درج ذیل ہے۔

گوتم رشی اس کا لڑکا ستانند، اس کا لڑکا شردوان، اس کا لڑکا بھانڈک اس کا لڑکا سرنگی رشی

یہ سرنگی رشی ہی وہ شخص ہے جو انتربید کے علاقے میں ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست قنوج آیا۔ قنوج کے راجہ اُجے پال کی لڑکی سے اُسکی شادی ہوئی اور جہیز میں انتربید کے متعدد مقامات اسکو دیئے گئے، جن میں چھبر، امئو، بھالیشر، بھرگاؤں، امرگڑار، پریاگ، تلہٹی، تلو، رہرہ، پٹتون اناؤ، بٹھور وغیرہ خاص تھے ؎۲

مسٹر ایچ آر نیول نے اپنے گزیٹیئر عن دوآبہ گنگ وجمن کے اس علاقے میں سرنگی رشی ہی کی آمد تحریر کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ قنوج سے کوڑہ تک کا علاقہ اس کو دیا گیا۔

"گوتم کی چھٹی پشت میں سرنگی رشی آئے جن کی شادی قنوج کے راجہ اجے پال کی لڑکی سے ہوئی۔ ؎۳

گوتم راجپوتوں کے اس شجرہ میں راجہ اجے پال کی لڑکی کا نام "سوموتی" درج ہے گزیٹیر کی تحریر کے برعکس شجرہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ راجہ اجے پال کی لڑکی سے سرنگی رشی کے لڑکے انگی رشی کی شادی ہوئی تھی۔ قنوج کے راجہ کی

؎۱ ایچ آر نیول کو سرنگی رشی کی قنوج آمد کے زمانہ میں قنوج کے راجہ اجے پال کا عہد ہونے میں شبہ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس وقت کوئی دوسرا راجہ ہو جس کا نام گوتم راجگان محفوظ نہیں رکھ سکے۔ اسلئے کہ یہ واقعہ ماقبل مسیح کا ہے۔

؎۲ شجرہ گوتم راجگان قلمی

؎۳ گزیٹیر ص ۱۰۳

لڑکی سے سرنگی رشی کی شادی ہوئی ہو یا اس کے لڑکے انگی رشی کی ہنول کے الفاظ میں نتیجہ ایک ہی برآمد ہوا

"جس میں سرنگی رشی کو ایک بہت بڑی ریاست دستیاب ہوئی جس کے حدود قنوج سے کوڑہ تک تھے"[1]

"اسی وقت سے گوتموں نے سلطنت کا انتظام ٹھاکروں کی طرح کیا اور تاج پہنا، اپنے نام کے آگے "دیو" کا لفظ بھی لگایا اور موضع ارگل کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا"[2]

تعمیری کام:۔ گوتم راجپوتوں نے ایک ترقی پذیر ریاست حاصل کی اس کو زیادہ سے زیادہ سرسبز و شاداب بنایا، محل تعمیر کرائے قلعے بنوائے۔ تالاب اور مندروں کی تعمیر کی، داد و دہش الگ کرتے رہے۔ آبادیاں اور مقامات علیحدہ بساتے رہے، غرض اس علاقے پر گوتموں کا راج قائم ہو گیا۔ جو نسلاً بعد نسل چلتا رہا اور جب جب ضرورت پیش آتی رہی قنوج کی مرکزی ریاست کی مدد بھی کرتے رہے۔ انکی ساری وفاداریاں قنوج راج سے وابستہ رہیں اسلئے کہ انہوں نے جو کچھ پایا تھا قنوج راج ہی سے پایا تھا۔

چند گوتم راجاؤں کی تعمیری خدمات کا تذکرہ میرے خیال سے نامناسب نہ ہوگا۔

ا۔ سرنگی رشی کے پرپوتے راجہ انگدیو نے رند ندی کے کنارے کھجوہ سے کچھ فاصلہ پر ارگل نام کی ایک بستی بسائی۔ جس کو اپنی راجدھانی

---

[1] گزیٹیر ص ۱۰۳

[2] شجرہ گوتم راجگان قلمی۔

قرار دیا۔ اسی راجہ نے ارگل سے تین میل کے فاصلے پر ایک قلعہ بنوایا جس کا نام سیکری کوٹ رکھا۔

۲۔ راجہ شو تلیہ دیو نے بن کی کے قریب سلاون میں قلعہ بنوایا۔

۳۔ راجہ اندرجیت دیو نے موضع گھوڑا آباد کیا اور فوجی چھاونی بنائی۔

۴۔ راجہ وشمبھر دیو نے راجدھانی ارگل کے قریب موضع نرتچہ آباد کیا اور ایک محل موسومہ رنگ محل بنوایا۔

۵۔ راجہ پرتھ راج دیو نے موضع ڈھولی ڈانٹرہ آباد کیا۔ جس کو اب بندور کہتے ہیں۔

۶۔ راجہ بان دیو نے موضع سہمل پور آباد کیا۔

۷۔ راجہ شیومان دیو نے ارگل سے ایک میل دکھن کی طرف رند ندی کے کنارے ارگلے سُر کا مندر بنوایا۔

۸۔ راجہ دیو دت دیو نے موضع گوری آباد کیا۔

۹۔ راجہ کالنگ دیو نے کوڑہ میں قلعہ تعمیر کرایا۔[۱]

گوتم اور راج گدی:۔ اس زمانہ کا دستور تھا کہ راجہ کا بڑا بیٹا راج گدی پاتا تھا۔ اور جب راج گدی پاتا وہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو راج پاٹ کا کچھ علاقہ دیکر انکی دلجوئی کرتا۔ یا یہ چھوٹے بھائی خود ہی اپنے بڑے بھائی راجہ کا علاقہ چھوڑ کر کسی دوسرے مقام پر چلے جاتے۔ اور قسمت آزمائی کرتے، قتل و غارتگری، قید و بند، ایذا رسانی یا بغاوت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہیں تھا۔

---

[۱] شجرہ گوتم راجگان قلمی۔

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

۱۔ راجہ بھوج راج دیو نے اپنے چھوٹے بھائی ہر سنگھ کو جودہ مواضعات دیکر بھاؤپور کا رادت بنایا۔ دوسرے بھائی کو پانچ مواضعات دیئے۔ تیسرے بھائی کو تین مواضعات دیئے

۲۔ راجہ دھیرمان دیو نے اپنے بھائی کو گینہر اور لہنگی دو مواضعات دیئے

۳۔ راجہ ہنس دھر دیو کے بھائی کرپور ضلع بدایوں میں آباد ہوئے

۴۔ راجہ چتر دیو کے بھائی نگوہان ضلع لکھنؤ میں آباد ہوئے۔ [۱]

۵۔ چندر سین سنگھ بعہد جہانگیر اعظم گرٹھ آئے ان کا بیٹا بھون سنگھ مسلمان ہوا۔ بائیس پرگنے چکلہ اعظم گرٹھ کے مالک مع خطاب راجہ و خلعت فاخرہ، اور ایک لاکھ پچیس ہزار روپیے عطیہ سالانہ سے مشرف ہوئے۔ [۲]

احسان شناسی:-

گوتم راجپوت راجاؤں کی احسان شناسی کا بھی ایک واقعہ سن لیجیے۔

راجہ کالنگ دیو کے بیٹے راجہ دھر پور تیمر دیو کی بیوی اماوس کے تیوہار کے موقعہ پر گنگا اشنان کیلئے شیوراج پور گئی، یہ سلطان شمس الدین التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت تھا جس کا صوبیدار اودھ اپنی فوج کے ساتھ گنگا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس کی نظر رانی پر پڑی تو اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیکر رانی کو حاصل کرنے کے لئے گھیر ڈلوادیا۔ نربھے چند اور ابھے چند مونگی پاٹن

---

[۱] شجرہ گوتم راجگان قلمی۔

[۲] تاج التواریخ حصہ سوم بلاصفحہ نمبر ردیف الف۔

کے رہنے والے دڈ بیس نوجوان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گنگا اشنان کیلئے آئے تھے ایک راجپوت عورت کو اسطرح گھرا دیکھ کر انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صوبیدار کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ نربھے چند تو مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا، ابھے چند نے رانی کو بحفاظت ارگل پہونچا دیا جس پر خوش ہو کر راجہ نے اپنی لڑکی کی شادی ابھے چند سے کر دی اور چودہ سو چوالیس گاؤں گنگا کے اس پار جہیز میں دیئے [1]

حالانکہ ابھے چند نسلی اعتبار سے راجہ ارگل کی ٹکر کا نہیں تھا، یہ واقعہ اس علاقہ میں عرصہ تک موضوع سخن رہا۔ ناصرالدین محمود کو بھی اطلاع ہوئی جس کی وجہ سے صوبیدار اودھ مورد عتاب ہوا۔ دوست دشمن سبھی نے اس کو ملزم گردانا اور اس کے خاندان کے لوگ اس کی اس حرکت سے بہت نادم و شرمندہ ہوئے [2]

---

[1] شجرہ گوتم راجگان قلمی، صورت یہ تھی کہ گنگا پار کے علاقے پر اناؤ سے دلمئو تک بھر قوم آباد تھی جو راجہ ارگل کو خراج نہیں ادا کرتی تھی جس کی وجہ سے اس علاقہ پر راجہ ارگل کی گرفت کمزور تھی۔ ابھے چند کی ہوشیاری اور بہادری دیکھ کر راجہ ارگل نے اسکو اس علاقہ کا صوبیدار بنا دیا جس نے اس علاقہ میں جا کر جلد ہی بھر نامی قوم کو فوج کے ذریعہ قابو میں کر لیا۔ اس کی اس کارگذاری سے خوش ہو کر راجہ جدھر پونیر دیو نے یہ علاقہ اسی کو سونپ دیا جہاں ابھے چند نے بیس قوم کی ریاست قائم کی اور اس کے بیٹے نے اس کو وسعت دی، یہ علاقہ کانپور رائے بریلی روڈ پر آج بھی بیسواڑہ کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو تاریخ چھتریان اودھ ج۲ ص۱۲-۱۴ و ص ۳۵

[2] ہاڑی اسٹوریز فرام انڈین ہسٹری ص۶۰

صرف ایک ہی مثال ہندوستان میں مسلم اسٹیٹ قائم ہو جانے کے بعد ایسی ملتی ہے جس میں بجے سنگھ نے اپنے بھائی دیو پال دیو کے خلاف دہلی کی مرکزی حکومت سے مدد لے کر راج گدی چھین لی۔ ارگل نامی بستی کو تباہ کیا اور کوڑہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ لیکن یہ واقعہ بھی مجبوری کے تحت پیش آیا تھا جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔[1]

بہر حال یہ گوتم راجپوت صدیوں تک اس علاقہ پر بلا کسی مزاحمت اور بلا شرکت غیرے حکومت کرتے رہے، لیکن یہاں کی شاہی تاریخ میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اور نہ ایسے کاغذات ملتے ہیں جن سے اس علاقے میں ان کی سرگرمیوں پر روشنی پڑ سکے۔

امیر سبکتگین :- یہ لوگ مقامی طریقے سے جو لڑائیاں باہم ہوتی رہی ہیں۔ ان میں راجہ قنوج کی جانب سے برابر شریک رہے لاہور کے راجہ جے پال نے امیر سبکتگین کے عہد میں جب غزنی پر حملہ کیا تو اس لڑائی میں یہ بھی شریک تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہندوستان کے سارے ہی بڑے چھوٹے راجا، لاہور کے راجہ جے پال کے ساتھ تھے۔ فرشتہ لکھتا ہے :-

"راجہ استپال کا بیٹا راجہ جے پال جو برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی سلطنت سرہند سے لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ کوہ پیکر ہاتھیوں اور بہادر سپاہیوں کا بہت بڑا لشکر لے کر مسلمانوں کی

---

[1] شجرہ گوتم راجگان قلمی۔

سلطنت کی طرف بڑھا۔ اس کے جواب میں امیر سبکتگین
نے بھی اپنا لشکر تیار کیا اور اس کے مقابلے کیلئے غزنین
سے روانہ ہوا۔ ملتان کی سرحد پر دونوں فرمانرواؤں
میں آمنا سامنا ہوا“ [1]

اس جنگ میں راجہ جے پال امیر سبکتگین سے مصالحت پر مجبور ہوا۔ تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کر کے لاہور واپس آیا۔ لیکن یہاں پہنچ کر اپنے مشیروں کے منع کرنے کے باوجود اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا مجبوراً امیر سبکتگین کو دوسری جنگ کی تیاری کرنی پڑی۔ فرشتہ لکھتا ہے

”جب امیر سبکتگین کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو اسے
جے پال کی بدعہدی پر بہت غصہ آیا۔ اور وہ ایک
بہت بڑا لشکر لیکر جے پال کی اس حرکت کی سزا دینے
کیلئے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جے پال نے بھی
ہندوستان کے دیگر راجاؤں سے مدد لیکر ایک لشکر
جرار تیار کیا اور امیر سبکتگین کے مقابلے کیلئے بڑھا۔
مورخین کا بیان ہے کہ ہندوستان کے تمام راجاؤں
نے اس خیال سے جے پال کو مدد دی کہ اس طرح
ان کا اپنا فائدہ ہے ان کی سلطنتیں بیرونی دشمن سے
محفوظ ہو جائیں گی۔ خاص طور پر دہلی، کالنجر، قنوج
اور اجمیر کے راجاؤں نے خوب دل کھول کر بہترین لشکر

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۹۰

دولت اور دیگر اشیاء سے جے پال کی مدد کی۔ الغرض
جے پال نے ایک لاکھ سوار اور ان گنت سپاہی جمع کر لیئے
اور سبکتگین کے مقابلے پر آیا۔ [1]
اس جنگ میں بھی جے پال کو شکست ہوئی لمغان اور پشاور سے لیکر دریائے نیلاب تک اس کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جہاں اسلامی قانون رائج ہوا۔ اور سبکتگین کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہوا [2]

محمود غزنوی:۔ ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں کا بنیادی سبب وہ باطنیہ فرقہ تھا جس کے ہاتھ مسلمان علماء زعماء ارکان دولت کے خون سے رنگے ہوئے تھے اور جس کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے راجہ ان باطنیوں کو پناہ دیتے تھے وہ ان سے مسلم حکومتوں کے فوجی راز معلوم کرتے تھے۔ پھر حملے کرتے تھے۔ یہ ہندوستان کے اندرونی علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ سندھ سے لیکر سومنات تک پشاور سے لیکر بنارس تک ان کی سرگرمیاں جاری تھیں [3]

امیر سبکتگین کے انتقال کے بعد راجہ جے پال نے پھر محمود غزنوی سے جنگ کی تیاری کی۔ یہ مقابلہ پشاور میں ہوا۔ راجہ گرفتار ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد محمود نے اپنا باج گزار بنا کر رہا کر دیا۔ راجہ نے تین بار شکست کھا جانے کی وجہ سے اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے اس گناہ کا کفارہ کرنے کے لیے اپنے بیٹے انند پال کو راج گدی سونپ کر خود کو نذر آتش کر لیا [4]

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۹۲ [2] ایضاً۔
[3] آئینہ حقیقت نما مرتبہ اکبر شاہ نجیب آبادی [4] فرشتہ ص ۱۰۱

اس واقعہ کے بعد ابو الفتح[1] حاکم ملتان ۔ مُرتد ہو گیا تھا ۔ اور خراج ادا کرنا بند کر دیا تھا ۔ اسلیئے ۳۹۶ھ ۱۰۰۶ء میں محمود غزنوی نے ملتان کا ارادہ کیا تو ابو الفتح نے راجہ انند پال سے مدد طلب کی جس نے پشاور پہنچکر محمود کا ۔ راستہ روکنے کی کوشش کی ۔ جنگ ہوئی ۔ راجہ انند پال شکست کھا کر کشمیر کی پہاڑیوں میں جا چھپا[2]

ہندوستانی راجاؤں کا اتحاد اور اُن کی یکجہتی

راجہ انند پال کی اس خباثت کا انتقام لینے کیلئے محمود نے پھر ۳۹۹ھ ۱۰۰۸ء میں ہندوستان پر حملہ کا ارادہ کیا ۔ آگے مورخ کی زبان قلم سے سنیئے ۔

"یہ خبر سن کر انند پال بہت ہی پریشان ہوا ۔ اور اس نے ہندوستان کے دوسرے راجاؤں سے مدد کی درخواست کی ۔ چونکہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ۔ ہندوؤں کے مذہب اور عقیدے کے مطابق ثواب اور ترقی درجات کا باعث ہے اس لیئے اجین ، گوالیار ، کالنجر ، قنوج ، دہلی اور اجمیر وغیرہ کے راجاؤں کے علاوہ دوسرے راجاؤں نے بھی انند پال کی بہت مدد کی ۔ اور لشکر کے دستوں پر دستے پنجاب کی طرف روانہ کیئے ۔ امیر سبکتگین کے مقابلہ پر جسقدر فوج پہلے جمع ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ اس بار جمع ہوئی تھی ۔ یہ ساری فوج انند پال کی ماتحتی میں سلطان محمود کے مقابلے کیلئے روانہ ہوئی ۔ اور پشاور کے جنگل میں محمود کی فوج سے آمنا سامنا ہوا ۔"[3]

---

[1] شیخ حمید لودی کا پوتہ نصر کا بیٹا داؤد نام ابو الفتح کنیت اس نے باطنی مذہب قبول کر لیا تھا ۔

[2] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۰۷ - ۱۰۸ [3] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۰

"اس جنگ میں گجرات کا راجہ بھرم دیو نندنہ کا راجہ اندر بھیم، دہرہ دون کے راجہ رام دیو، سونی پت کے راجہ دیپال ہری، برن کے راجہ ہردت، جہابن، اور متھرا کے راجہ کلچند را، اسونی (ضلع فتح پور) کے راجہ چنڈیل بھوریا، شردا بندیل کھنڈ کے راجہ چندر رائے، سرسوا گڈھ کے راجہ بھیم پال، قنوج کے راجہ کنور رائے عرف کورہ اور کالنجر کے راجہ نندا نے زبردست اور باساز و سامان فوجیں روانہ کیں۔" [1]

اس معرکہ کی اہمیت اس طرح اور بڑھ جاتی ہے کہ کھکھر کے ہندوؤں نے بھی مدد بھونچائی۔ جنھوں نے مسلمانوں کی فوج میں بڑی تباہی مچائی۔ اسکے علاوہ عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر اپنے شوہروں کو روپیہ بھجوایا کہ اس روپے کو صرف کر کے اپنی ضروریات پوری کریں، تاکہ مسلمانوں کے مقابلے میں جان توڑ کوشش کر سکیں، جن عورتوں کے پاس زیورات نہ تھے وہ چرخہ کات کر اور محنت مزدوری کر کے اپنے عزیزوں اور شوہروں کی کچھ نہ کچھ مدد کرتی رہیں [2]

غالباً اس معرکہ کی اہمیت کا آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا۔ اسی معرکہ میں اس علاقہ کے دو راجہ قنوج کی فوج کے ساتھ مع اپنی فوج اور دیگر وسائل کے محمود کے مقابلے کیلئے نکلے تھے۔ راجہ چنڈیل بھوریا، چندر پال اور راجہ چندر رائے [3]

لیکن محمود غزنوی کو فتح حاصل ہوئی۔ اور اس جنگ سے محمود نے یہ

---

[1] آئینہ حقیقت نما ص ۲۱۱ [2] فرشتہ ص ۱۱۰

[3] آئینہ حقیقت نما ص ۲۲۲

اندازہ لگایا کہ صرف پنجاب ہی کی حکومت نہیں بلکہ قنوج کی سلطنت بھی جب تک ختم نہیں ہوگی یا قنوج کی ریاست باج گذار نہ بنے گی ہندوستان قابو میں نہیں آسکتا۔

قنوج:۔ لیکن قنوج پر ایرانی سپہ سالار گشتاسپ کے بعد کسی بھی بیرونی حکمراں[1] نے حملہ کا ارادہ نہیں کیا تھا، جکو صدیاں گذر چکی تھیں ۱۰۱۸ء/۴۰۹ھ میں محمود نے ہندوستان کی اس عظیم سلطنت کی قوت و طاقت توڑنے کیلئے قنوج پر حملہ کا قصد کیا۔ محمود کے ساتھ اس کی اپنی تربیت یافتہ ایک لاکھ فوج کے علاوہ بیس ہزار مجاہدین بھی تھے، جو شوق جہاد و شہادت میں محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملہ کا انتظار کر رہے تھے، فرشتہ کی زبانِ قلم سے سُنیئے:۔

"سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ہند کے بیٹے پورب کی بہت اولاد ہوئی۔ ان لوگوں نے ملکر اپنے ایک بھائی کِشن کو اپنا بادشاہ یا سربراہ منتخب کیا اس کا بیٹا لہراج تھا اس کے عہد حکومت میں اس کے بھتیجے کی شکایت پر فریدوں کی جانب سے گشتاسب کو قنوج پر حملہ کے لیئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہ پنجاب تک پہنچا تھا کہ لہراج نے اپنے بھتیجے کو سلطنت کا کچھ حصہ دیکر اس ایرانی حملہ کو ناکام بنا دیا، اب آپ ہی اندازہ لگائیں کہ گشتاسپ اور محمود غزنوی کے درمیان کتنی صدیاں حائل ہوں گی۔"

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۶۱

۴۰۹ھ ۱۰۱۸ء میں جبکہ موسم بہار کی آمد آمد تھی، آب و ہوا میں اعتدال تھا اور چاروں طرف سبزی و شگفتگی کا دور دورہ تھا محمود نے قنوج جانے کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے ساتھ ایک لاکھ لشکری اپنے خاصے کے اور بیس ہزار دیگر مسلمانوں میں سے لیئے جو ترکستان، ماوراء النہر، اور خراسان وغیرہ سے جہاد کی نیت سے آئے ہوئے تھے اور اس امر کے منتظر تھے کہ محمود سفر پر روانہ ہو۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ گشتاسپ سے لیکر محمود کے عہد تک کسی غیر قوم کے فرد (یعنی غیر ہندوستانی) نے قنوج پر حملہ کشی نہیں کی اس مدت کے بعد محمود پہلا شخص ہے جس نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا غزنی سے لیکر قنوج تک کا راستہ تین مہینوں میں طے ہوتا ہے، راستے میں سات بڑے بڑے دریا پڑتے ہیں جنھیں عبور کرنا پڑتا ہے۔

جب وہ کشمیر کے حدود میں پہونچا تو والی کشمیر نے سلطان کی خدمت میں بیش قیمت تحفے تحائف اور نذرانے پیش کئے۔ محمود نے بھی اُسے شاہی عنایات سے سرفراز کیا۔ والی کشمیر محمود کے لشکر کا مقدمۃ الجیش بن کر ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ سفر کی منزلیں طے کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر جب قنوج پہونچا۔ اور قلعہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ عظیم الشان قلعہ اپنی مضبوطی اور بلندی کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ قنوج کے راجہ کا نام "کورہ" تھا[1] مورخ فرشتہ کا بتایا ہوا یہ نام یاد رکھیئے گا۔ اب آگے بڑھیئے:

راجہ کورہ: باوجود اس کے کہ یہ راجہ اپنے وقت کا زبردست فرمانروا تھا مگر مسلمانوں کے لشکر کی کثرت اور سلطان

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۲۰

محمود کی حشمت و شوکت دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے محمود کا مقابلہ کرنے کی سکت اپنے آپ میں نہ پائی۔ اس نے قاصد بھیجکر محمود سے اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ بہ چونکہ اس راجہ کی قسمت ابھی بگڑی نہ تھی اس لیئے وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے بیٹوں اور درباریوں کے ساتھ قلعہ سے باہر آیا اور سلطان محمود کی خدمت میں پہنچکر اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ محمود نے راجہ کورہ سے بڑی محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا اور اُسے اپنے حلقہ بگوشوں میں شامل کر لیا"[1]

---

[1] دوسرے مورخین نے راجہ کورہ کا اصل نام راجہ کنور رائے تحریر کیا ہے۔ مورخ فرشتہ ملا عبدالقادر بدایونی نیز سبحان رائے بھنڈاری نے صرف راجہ کورہ لکھا ہے۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنی کتاب آئینہ حقیقت نما میں راجہ کنور رائے تحریر کیا ہے اور کورہ کو کنور رائے کی تصغیر بتایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ عام طور پر راجہ کورہ ہی کے نام سے مشہور تھا اسی لیئے مذکورہ تینوں مورخین نے اس کا اصل نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مورخ فرشتہ نے حبیب السیر کے حوالہ سے راجہ کورہ کے قبول اسلام کی روایت بھی اپنی کتاب میں درج کی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی اور منشی سبحان رائے بھنڈاری اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ لیکن مولوی ابوالحسن ہلگیوری نے اپنی کتاب تاریخ آئینہ اودھ میں راجہ کورہ کے قبول اسلام کو قرین قیاس تحریر کیا ہے ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے راجگان کی راجہ کورہ سے برہمی اور ناراضگی پھر اس کے قتل کی اصل وجہ اس کے قبول اسلام ہی کو قرار دیا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ آئینہ اودھ صفحات ۳۱ و ۳۲۔

قنوج سے فارغ ہو کر محمود میرٹھ اور متھرا گیا، متھرا میں اسکو خیال آیا کہ پشاور کے میدان میں راجہ نندا کے ساتھ اسونی (ضلع فتح پور)[1] کا راجہ چنڈیل بھور یا چندر پال اور شردا کا راجہ چندر رائے بھی شریک جنگ تھا۔ اس لیئے انکی قوت و شوکت بھی توڑنا ضروری ہے چنانچہ متھرا سے اِسونی پہونچا، اِسونی کا راجہ خوفزدہ ہو کر جنگلوں میں نکل گیا، سفیر بھیجکر محمود سے معافی مانگی نذرانہ پیش کیا، محمود نے معاف کر دیا، یہی صورت شردا کے راجہ چندر رائے کے ساتھ پیش آئی اس نے بھی معافی مانگی اور ایک سفید ہاتھی پیش کیا[2]

ان کاموں سے فارغ ہو کر محمود غزنی واپس ہو گیا۔ جب تک وہ ہندوستان میں رہا اس وقت تک تو ہندوستان کے دوسرے راجے مہاراجے خاموش رہے لیکن اس کے غزنی جاتے ہی راجہ کورہ پر اس کے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دینے کی وجہ سے برس پڑے۔ اس اعتبار سے ان راجوں مہاراجوں کا یہ موقف تو صحیح تھا کہ قنوج کی ہندو سلطنت ہندوستان کی سب سے بڑی اور مستحکم سلطنت تھی۔ اس کے علاوہ اس کو ایک درجہ تقدس کی اہمیت بھی حاصل تھی کہ قنوج سے روزانہ گنگا کا پانی سومنات کے مندر میں سب سے بڑے بُت کے غسل کیلئے جاتا تھا[3] اس کا اس آسانی سے سپر انداز ہو جانا ہندو قوم کیلئے "من حیث القوم" واقعی عار کی بات تھی، اور ہندوستان کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ بھی۔ ان راجوں مہاراجوں

---

[1] یہ مقام اب اسنی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

[2] آئینہ حقیقت نما ص ۲۳۲

[3] تاریخ فرشتہ ص ۱۳۲

کے اندر غیظ و غضب کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔

لیکن اس اعتبار سے راجہ کوڑہ کا موقف درست تھا۔ کہ پشاور کے میدان میں پورے ہندوستان کی طاقت و قوت کی آزمائش ہو چکی تھی۔ جب وہاں یہ سارے راجے مہاراجے کچھ نہ کر سکے تو ایسے وقت میں وہ کیا کر سکتے تھے۔ جبکہ محمود اچانک ہی سر پر آ پہونچا تھا۔ اسکی گنجائش نہیں تھی کہ ٹال مٹول کی جاتی اور اُن راجوں مہاراجوں کو اطلاع دیکر اُن سے مدد طلب کی جاتی تب تک تو قنوج کی سلطنت کی عظمت دیرینہ خاک میں مل چکی ہوتی اس لئے اس نے محمود کے سامنے سپر انداز ہو جانا ہی مناسب سمجھا لیکن ان راجوں مہاراجوں کا غصہ فرو نہیں ہوا۔ اس تمہید کے بعد مورخ کی زبان قلم سے سنئیے:-

۴۱۲ھ / ۱۰۲۱ء میں سلطان محمود کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے لوگ قنوج کے راجہ کورہ کے خلاف ہو گئے ہیں اور چاروں طرف سے اس پر لعنت و ملامت کی جا رہی ہے۔ یہ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ کالنجر کے راجہ نندا[1] نے قنوج پر اس وجہ سے حملہ کر دیا کہ کورہ نے سلطان محمود کی اطاعت کیوں قبول کی اس حملہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ کورہ قتل کر دیا گیا۔ محمود کو جب معلوم ہوا تو اس نے کثیر لشکر فراہم کیا۔ اور بہت سے ساز و سامان کے ساتھ راجہ نندا سے انتقام لینے کیلئے ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔[2]

---

[1] راجہ نندا کی سربراہی میں متھرا، دہابن، میرٹھ، برن کے راجاؤں کی بھی فوجیں تھیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آئینہ حقیقت نما ص ۲۳۵

[2] تاریخ فرشتہ ص ۱۲۵

اسی راجہ کورہ کے نام پر کوڑہ نامی بستی آباد کی گئی

قصبہ کوڑہ:۔ جس میں کم از کم دو سو سال گذر جانے کے بعد راجہ کالنگ دیو نے قلعہ تعمیر کرایا۔ گوتم راجپوتوں کے شجرہ میں کورہ کے بسائے جانے کا سال عیسوی ۱۲۱۴ء درج ہے۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کا عہد ہوتا ہے۔ اس کو تختِ سلطنت پر جلوس کئے ہوئے چوتھا سال تھا۔ لیکن شجرہ کا یہ اندراج صحیح نہیں ہے۔ نیول نے کوڑہ کی آباد کاری کو کالنگ دیو کی جانب منسوب نہیں کیا۔ جو عبارت قلعہ کی تعمیر کے سلسلے میں اس نے لکھی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوڑہ پہلے ہی آباد ہو چکا تھا۔ قلعہ بعد میں تعمیر ہوا۔ نیول راجہ رتن سین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"اسکے لڑکے کالنگ دیو نے کوڑہ میں قلعہ تعمیر کرایا" [1]

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیول نے کوڑہ آباد کرنے والے راجہ کا نام کیوں نہیں لیا۔ جبکہ اس نے دوسرے مقامات کے آباد کرنے والے راجاؤں کے نام لئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوتم راجاؤں کی اوپری پشتوں میں جو لوگ راجہ ہوئے اور انہوں نے جو کچھ کیا اس میں سے چند راجاؤں کے بارے میں تو نیول کو اطلاع ہوئی لیکن درمیانی پشتوں کے راجاؤں اور ان کے کارناموں کی اسکو اطلاع نہیں ہوئی وہ خود لکھتا ہے۔

"بیچ کے ۳۸ راجاؤں کے بارے میں تفصیل سے کچھ حالات معلوم نہیں ہوئے بجز ان چند ناموں کے [2]

---

[1] گزیٹیر ص۱۰۲

[2] گزیٹیر ص۱۰۳

تھوڑے سے فرق کے ساتھ Nothing is known کی شکل راقم الحروف کے سامنے بھی ہے، تاہم کورہ نامی بستی کی قدامت اور اس کا وجود قنوج کے راجہ کورہ کے نام پر بسائے جانے کی واضح دلیل ہے۔ خود راجہ کورہ نے اسکو اپنی زندگی میں آباد کیا یا اس کے ظلماً مقتول ہونے پر بطور یادگار اس وقت کے کسی گوتم راجہ نے آباد کیا، جسکو یہ گوتم راجگان دوسری یادداشتوں کی طرح محفوظ نہیں رکھ سکے۔

شہاب الدین غوری:- محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ محمود غزنوی باطنیوں کی سرکوبی یا سرکش راجاؤں کو سزا دہی کیلئے ہندوستان پر حملہ کرتا تھا تو اپنا کام کر کے غزنی واپس چلا جاتا تھا۔ یہاں رہ کر یا کسی کو مفتوحہ علاقوں کی نگرانی دیکر حکومت کا نظم ونسق چلانے کی فکر نہیں کرتا تھا۔ تاریخ کا غور سے مطالعہ کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ محمود غزنوی کو بعض بعض مقامات پر بار بار حملہ کرنا پڑا ہے۔ لیکن شہاب الدین غوری کا مسئلہ مختلف تھا۔ دہلی اور اجمیر کی ہندو حکومتوں کو توڑ پھوڑ لینے کے بعد اس نے ہندوستان کو بے سرا نہیں چھوڑا۔ قطب الدین ایبک کو یہاں کا صوبہ دار بنا دیا جس نے بعض دوسرے مقامات اور رجواڑے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے۔

شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۴؁ء میں جب قنوج پر حملہ کیا جس کا پھیلاؤ مشرق میں بنارس تک اور مغرب میں سرہند تک تھا تو راجہ جے چند کو جس کے ساتھ اور جس کی رفاقت میں اس کا گوتم بہنوئی

راجہ رتن سین لہ بھی شہاب الدین سے جنگ کر رہا تھا، شکست دیکر بنارس
تک بڑھتا چلا گیا۔ جہاں اس نے ایک دربار عام منعقد کیا اور بنارس کی
حکومت حسام الدین اد غلبک کے سپرد کر کے غزنی واپس ہوا ۲ہ

قطب الدین ایبک :۔ اسطرح ہندوستان میں اس نے مسلم
اسٹیٹ کی بنیاد رکھدی۔ جس کا سربراہ قطب الدین ایبک تھا۔ جو
شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد ہندوستان کا سب سے پہلا مسلمان
بادشاہ ہوا جس نے ہندوستان کے مقبوضہ علاقے میں اسلامی قوانین
رائج کیے۔ شہاب الدین کے اس حملہ کے بعد قنوج کی سلطنت کی عظمت
ختم ہو چکی تھی۔ ارگل کے راجاؤں کا مرکز اب قنوج نہیں رہا تھا جو انکی
طاقت و قوت، اطمینان و سکون کا سرچشمہ تھا جس کی سرپرستی میں وہ
آزادانہ ایک وسیع رقبہ پر راج کرتے تھے۔ اب یہ مسلم حکمراں کے ماتحت ایک
جاگیردار تھے۔ کوڑہ اور ارگل دونوں ہی صوبہ کڑہ کے ماتحت تھے جہاں کا
صوبہ دار سلطان شمس الدین التمش کا لڑکا ناصر الدین محمود تھا۔

سلطان شمس الدین التمش :۔ قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد
۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں سلطان شمس الدین التمش تخت نشین ہو جس کے
دور حکومت میں سادات کوڑہ کے مورث اعلی سالار شہاب الدین
اد لو رحمتہ اللہ علیہ اپنے دوسرے اعزاء اور رفقاء کے ساتھ ہندوستان
تشریف لائے اس واقعہ کی پوری تفصیل انشاءاللہ شخصیات کے حصہ میں
آئے گی۔

لہ گزیٹیر صـ۱۷۸

۲ہ تاریخ فرشتہ صـ۲۲۲

سلطان ناصر الدین محمود :- ۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ۲ر شعبان ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء میں اس نے مشرقی دوآبہ کا سفر کرتے ہوئے راجہ دکی ملکی کے راج بتبر تھہ پر حملہ کیا جس نے شمس الدین التمش کے بعد پچھلے جھگڑوں اور لڑائیوں میں بادشاہی تھانوں کو تباہ کر کے کڑہ اور کالنجر سے لیکر مالوہ کے تمام علاقے کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا بر تھہ کا علاقہ قنوج کے قریب ہے۔ اس سفر میں بلبن اس کا پیش رو یا مقدمتہ الجیش تھا جس نے راجہ دکی ملکی کو اچھی طرح تاراج کیا[1]

گوتموں کے شجرے میں درج ہے

"پھر ناصر الدین محمود نے راجہ ارگل پر حملہ کیا۔ مگر فوج شاہی کو شکست ہوئی"[2]

مجھے شجرہ کی اس تحریر میں شبہ ہے راجہ ڈکی ملکی جس نے سلطان شمس الدین التمش کے نالائق اخلاف کے عہد میں کڑہ سے لیکر کالنجر اور مالوہ تک قبضہ کر لیا ہو لیکن ناصر الدین محمود سے بری طرح شکست کھا گیا ہو۔ حتی کہ اس کے ملازمین اور اولاد تک گرفتار ہو کر ناصر الدین محمود کے سامنے لائی گئی ہو۔ اس کا ایک ایسے راجہ سے شکست کھا جانا بعید از قیاس ہے جس کے قبضہ میں کوڑہ اور ارگل یا پھر چند مواضعات کے سوا کچھ نہ ہو۔ ناصر الدین کی راجہ ارگل سے شکست کو خوش فہمی سمجھا جائے یا افسانہ بظاہر واقعیت کو اس میں دخل نہیں معلوم ہوتا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۲۷۹

[2] شجرہ گوتم راجگان قلمی

جلال الدین خلجی و علاء الدین خلجی:- ۶۸۸ھ/۱۲۸۹ء میں جلال الدین خلجی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس وقت کڑہ کا صوبیدار ملک چھجو تھا جس نے ۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء میں اودھ کے حاکم اعلیٰ امیر علی جامدار کی مدد اور پشت پناہی سے سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کر کے کڑہ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور ایک لشکر لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جلال الدین کے لڑکے ارکلی خاں نے ایک فوج لیکر اس کا مقابلہ کیا۔ ملک چھجو بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن ارکلی خاں نے اس کو گرفتار کر کے دہلی بھیجدیا جہاں سے اس کو ملتان روانہ کر دیا گیا اس کے بعد ہی سلطان جلال الدین خلجی نے صوبہ کڑہ کی حکومت جس میں کوڑہ بھی شامل تھا اپنے بھتیجے علاء الدین خلجی کے حوالہ کر دی جو بعد میں اپنے چچا کو کڑے ہی کے مقام پر قتل کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس المیہ کو تاریخ آج تک فراموش نہیں کر سکی جس میں کڑہ کے معروف بزرگ حضرت خواجہ گرگؒ کے اشارہ کو بھی دخل تھا۔

[1] ہر کس کہ کند با تو جنگ   سر در کشتی و تن در گنگ

علاء الدین نے جس کے مطابق ماحول بنایا اور تیاری کی یہ بات الگ ہے کہ جلال الدین کے قاتلوں کا حشر کچھ اچھا نہیں ہوا۔ خود علاء الدین کا گھرانہ جس طرح تباہ ہوا وہ بھی تاریخ کا جز اور اپنے ہی ہاتھوں مکافات عمل کا ایک نمونہ ہے۔[2]

سلطان محمد شاہ تغلق:- سلطان محمد شاہ تغلق جو ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور ۷۵۲ھ/۱۳۵۰ء میں انتقال ہوا اس کے عہد میں تین تین سال کیلئے

---

[1] تاریخ فرشتہ صـ ۳۳۴

[2] فرشتہ صـ ۲۳۲

دوبار قحط پڑا جس نے رعیت کی حالت خستہ کر دی جس میں خاصہ دخل بادشاہ کی سیاسی غلطیوں کو بھی تھا۔ اس کے جور و استبداد کی وجہ سے ملک میں کئی مقامات پر بغاوتیں ہوئیں۔ قحط کے زمانے میں اودھ کے صوبیدار عین الملک نے مرکز کی بڑی مدد کی[1] اس قحط کا تذکرہ حضرت شاہ علاء الدین نے سیر سالاری میں بھی کیا ہے ان کے الفاظ ہیں۔

"درایام سیوم کری بحکم اللہ وقضائیہ قحط افتاد و وباء
پیدا شد خلق جا بجا رفت[2]"

ترجمہ: تیسری پشت میں اللہ کے حکم اور فیصلہ سے قحط پڑا اور وباء پھیلی، لوگ مختلف جگہوں پر چلے گئے" یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب یہ خانوادہ موضع برم سلہ (سلطان پور) میں ہی آباد تھا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق:۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے انتقال کے بعد ۷۵۲ھ میں اعیان و امراء نیز حضرات علماء و اکابر کے اصرار پر تخت نشین ہوا، تخت نشینی کے وقت اس کی عمر پچاس سال تھی، یہ دین دار اور خدا ترس بادشاہ تھا[3] اسی کے عہد میں نجے سنگھ پسر راجہ مول راج دیو دلیر اسلام میں داخل ہوا۔ اس کے قبول اسلام کے وجوہ و اسباب خالص سیاسی تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے استقامت بخشی۔ اس کی نسل میں گاؤں کے گاؤں بحمداللہ کہ مسلمان ہیں نجے سنگھ کے قبول اسلام کا واقعہ جو گوتم راجپوتوں کے شجرہ میں مدرج ہے وہ بہت طویل ہے میں مختصراً تحریر کروں گا۔

---

[1] فرشتہ ص ۴۳۷-۴۳۶

[2] سیر سالاری ص ۸

[3] تاریخ فرشتہ ص ۴۲۹

راجہ مول راج دیو کی دو رانیاں تھیں بڑی رانی سے نبے سنگھ اور چھوٹی رانی سے دیو پال دیو پیدا ہوئے۔ دونوں رانیاں جب حاملہ ہوئیں تو راجہ مول راج دیو کسی ضرورت سے اپنی فوج لیکر کہیں باہر گئے اور یہاں یہ ہدایت کر گئے کہ جس رانی کے بچہ پہلے پیدا ہو اس کی اطلاع انکو کی جائے راجہ نبے سنگھ پہلے پیدا ہوئے۔ بڑی رانی نے کسی کو اطلاع دینے کیلئے تیار کیا۔ لیکن چھوٹی رانی بھی جلد ہی فارغ ہونے والی تھی اُس نے بڑی رانی کے ہرکارہ کو لالچ دیکر روک لیا اور جب اس کے بھی بچہ پیدا ہو گیا تو اس نے اپنا آدمی پہلے روانہ کر دیا تاکہ پہلے میرے بچے کی پیدائش کی اطلاع راجہ کو ملے گوتم کے گھرانے میں دستور تھا کہ بڑا بیٹا ہی راج پاٹ کا مالک بنتا تھا۔ چنانچہ چھوٹی رانی کے بچے کی پیدائش کی اطلاع راجہ کو پہلے ملی اور بڑی رانی کے بچے کی پیدائش کی اطلاع اسکو بعد میں پہنچی راجہ نے چھوٹی رانی کے بچہ کو ہی اپنا بڑا لڑکا سمجھا اپنے کام سے فارغ ہو کر جب ارگل پہونچا تو چھوٹی رانی کے لڑکے کو ولی عہد بنا دیا بڑی رانی کو اس واقعہ کی خبر نہیں تھی چنانچہ حسب قاعدہ مول راج دیو کے مرنے کے بعد دیو پال دیو کو راج پاٹ ملا۔ گھر کی کسی خادمہ یا دائی سے نبے سنگھ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ متفکر ہوا۔ اس لئے کہ حق حقدار کو نہیں پہونچا تھا۔ اس کے باپ کو دھوکہ دیا گیا تھا۔ اس پریشانی کی حالت میں اس نے شہزادہ فیروز شاہ تغلق سے دہلی جاکر فریاد کی۔ چنانچہ دربار شاہی سے اس کی مدد کی گئی۔ کچھ فوج روانہ کر کے یہ ہدایت کی گئی کہ دیو پال دیو کو گرفتار کر کے دہلی بھیجو۔

اس کی جگہ بجے سنگھ کو راجہ بناکر سارا نظام اس کے ہاتھ میں دیدو
چنانچہ یہ فوج (جہان آباد کے قریب) موضع سرہی پہونچی تو دیو پال دیو
نے قرب وجوار کے راجپوت راجاؤں سے مدد چاہی۔ یہ فوج پہلے
مرحلے میں شکست کھاکر دہلی واپس ہوگئی۔ فیروز شاہ نے دوبارہ
لشکر روانہ کیا۔ سرہی کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ دیو پال دیو ہار گیا۔
شاہی فوج نے ارگل تک پیچھا کیا۔ ارگل کے قلعہ کو مسمار کیا اور
بجے سنگھ کو راجہ بنا دیا بجے سنگھ نے اپنے اعزاء واقرباء کو لا کر
کوڑہ میں آباد کیا اور کوڑہ کو اپنا دارالسلطنت بنا کر پوری ارگل
اسٹیٹ پر حکمرانی کرنے لگا۔ کوڑہ کا قلعہ شاہان دہلی کی جانب سے
اس کو مرحمت ہوا۔ سرہی کے مقام پر اس نے خام قلعہ بنا کر ارگل
کے دوسرے اجڑے ہوئے عزیزوں کو اس میں آباد کیا۔ اب یہ پوری
اسٹیٹ راجہ بجے سنگھ عرف بجلی خاں کے عمل دخل میں آگئی ؎[1]

اسرار جہانی کے مقدمہ میں ڈپٹی خلیل الرحمٰن مرحوم نے راجہ بجے سنگھ
کے قبول اسلام کا واقعہ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمتہ کی جانب منسوب
کیا ہے۔ یہ تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے کم وبیش بجلی خاں کے قبول
اسلام اور حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمتہ کے کوڑہ آنے کے درمیان دو
صدیاں حائل ہیں زیر نظر شجرہ کے واقعات میں اگر سنین کا تعین ہوتا
تو مدت کے تعین میں آسانی ہو جاتی۔

فیروز شاہ تغلق کو تبلیغ واشاعت اسلام سے خاصی دلچسپی تھی خود اپنی
کتاب فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے۔

---

[1] شجرہ گوتم راجگان

بہ ترغیب اہل ذمہ بہ سوئے دین ہدیٰ توفیق یافتیم	اہل ذمہ کو سچے مذہب کی ترغیب دینے کی توفیق
وبہ اعلام گفتیم ہر کراز کفار کلمۂ توحید گویدو	ہم نے پائی اور اعلان کر دیا کہ کافروں میں سے
دین اسلام پذیرد چنانکہ در دین محمد مصطفیٰ	جو کوئی بھی کلمہ توحید پڑھے اور دین اسلام قبول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آمدہ است جزیہ ازو	کرے اس کو شرع محمدی کے مطابق جزیہ سے مستثنیٰ
دور کنند۔ چیت آن بگوش عام رسید فوج	کر دیا جائے۔ جب یہ اعلان لوگوں کے کانوں
فوج وجماعت جماعت ہنود آمدند وبہ شرف	تک پہونچا تو جوق در جوق ہندوؤں کی جماعتیں
اسلام مشرف شدند [1]	آنے لگیں اور اسلام قبول کرنے لگیں۔

شجرہ کے ناقص اندراجات کی وجہ سے یہ لکھنا دشوار ہے کہ نبے سنگھ عرف بجلی خاں نے فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکمرانی میں اسلام قبول کیا۔ یا اس کے زمانہ ولیعہدی میں فیروز شاہ تغلق اپنے پیش رو محمد شاہ تغلق کا چچا زاد بھائی تھا اپنی زندگی ہی میں محمد شاہ تغلق نے فیروز شاہ تغلق کو اپنا ولی عہد بنا دیا تھا۔ چونکہ محمد شاہ تغلق بھی دین کی تبلیغ سے دلچسپی رکھتا تھا اس کا امکان ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں محمد شاہ تغلق سے کہکر یہ کام کرایا ہو۔

شاہان تغلق کے عہد کا یہ آخری تاجدار تھا جو سر براہ رائے ناصر الدین محمود :- سلطنت دہلی ہوا اور جس کے عہد حکومت میں بہت سے فتنے اٹھے اسی کے عہد میں تخت دہلی کے دو دعویدار ہوئے اسی کے عہد میں ملک سرور خواجہ جہاں نے ملک الشرق کا خطاب پاکر جونپور میں اپنی سلطنت قائم کی۔ اسی کے عہد میں تیمور ہندوستان آیا اور فیروز آباد تک بڑھتا چلا گیا دہلی میں

---

[1] فتوحات فیروز شاہی صفحہ ۱۶-۱۷ بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔

۵ا یوم قیام کر کے یہاں کے عوام و خواص کو لوٹا کھسوٹا اور پھر واپس چلا گیا خود نہ سہی لیکن اپنے اخلاف کیلئے ہندوستان آنے اور حکومت کرنے کا دروازہ کھول گیا اسی کے عہد میں سادات کی حکومت کی دہلی میں بنیاد پڑی ہم کو اور تمام امور سے تو دلچسپی نہیں۔ شرقیوں کی حکومت کا دائرہ قنوج سے لیکر جونپور اور بہار تک تھا اس لیئے اس کے بارے میں عرض کرنا ہے شرقیوں کی حکومت ۷۹۶ھ / ۱۳۹۳ء سے شروع ہوئی اور ۸۸۱ھ / ۱۴۷۶ء میں ختم ہوئی اسطرح یہ لوگ ۸۵ ـ ۸۶ سال تک جونپور اور بہار کے علاوہ کوڑہ اور کڑہ پر حکمراں رہے۔

ناصرالدین محمود نے یہ دیکھ کر کہ۔

"دہلی میں مختلف ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ایک طرح کا انقلاب آ رہا ہے سلطنت کی مضبوطی اور طاقت ختم ہو رہی ہے ملک میں چاروں طرف بغاوت و سرکشی کی آگ پھیل رہی ہے۔ ہندو ہر طرف خوابیدہ فتنوں کو بیدار کرنے میں مصروف ہیں خصوصاً مشرقی ہندوؤں نے خوب فتنہ پردازی شروع کر دی ہے۔ خواجہ جہاں کو سلطان الشرق کا خطاب دیکر بیش عدد ہاتھی اور ایک لشکر عظیم کے ساتھ قنوج اودھ بہار کے ہندوؤں کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ خواجہ جہاں نے سلطنت کے مشرقی حصہ میں امن و امان قائم کر کے جونپور تک کا دورہ کیا اور بنگال کے حکمرانوں سے چند سال کا بقایا خراج اور ہاتھیوں کی مقررہ تعداد وصول کی۔ [۱] اس طرح جونپور قنوج اودھ اور کڑہ پر خواجہ جہاں کا قبضہ ہو گیا" [۲]

---

[۱] تاریخ فرشتہ ص ۴۷۹ [۲] فرشتہ ص ۴۸۹

ناصر الدین محمود کی حکومت دہلی پر ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء تک رہی اسی سال اس نے انتقال کیا۔ بیس سال ڈیڑھ ماہ اس نے حکومت کی اپنی زندگی ہی میں شرقیوں کی حکومت کی بنیاد ڈال گیا۔

سادات خاندان :۔ سلطان ناصر الدین محمود کے انتقال کے بعد تخت دہلی پر سادات خاندان کا سب سے پہلا فرد خضر خاں بیٹھا۔ ان سادات کی حکومت ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء سے ۸۵۵ھ / ۱۴۵۲ء تک رہی گویا کل اڑتیس ۳۸ سال جونپور میں شرقیوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ان کے دور حکومت میں کوئی آویزش سلطنت دہلی اور سلطنت جونپور سے نہیں ہوئی الا یہ کہ ابراہیم شرقی نے کالپی پر حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہا تو مبارک شاہ نے کالپی کے حکمراں کی مدد کی۔ ابراہیم شرقی اپنا مقصد پورا کئے بغیر واپس جونپور چلا گیا۔ سادات خاندان کے بعد لودھیوں کا خاندان دہلی پر حکمراں ہو گیا۔

لودھی خاندان :۔ لودھیوں کی دہلی پر حکومت تقریباً ستتر ۷۷ سال رہی سب سے پہلا بادشاہ بہلول لودھی تھا۔ اس کے بعد سکندر لودھی ہوا۔ جس نے سلاطین شرقی کی حکومت ختم کر کے کڑہ اور کوڑہ کو پھر مرکزی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس کے علاوہ دہلی چونکہ بڑی حد تک ویران ہو چکی تھی اسلئے اس نے آگرہ کو دار السلطنت بنایا۔ ابراہیم لودھی بابر سے پانی پت کے میدان میں شکست کھا کر مارا گیا۔ یہ واقعہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں پیش آیا۔ اور بابر آگے بڑھتا ہوا آگرہ تک پہونچ گیا۔

بابر بادشاہ :۔ بابر ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا قرب وجوار کے انتظامات درست کر کے اس نے بہار کی طرف رخ کیا۔ یہ زمانہ گوتم راجاؤں میں راجہ بشن دھر دیو کا تھا۔ اس کے شجرہ کا اندراج

تاریخ قصبہ لوتا۔

ملاحظہ کیجیے۔

"جب بابر بادشاہ نے ۱۵۲۶ء میں دہلی اور کل صوبجات پر قبضہ کر لیا تو بادشاہ بجانب ارگل بعلا راجہ صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی اور آمادۂ جنگ ہوا۔ لڑائی ہوئی اور شاہی فوج ہٹ گئی۔ تب راجہ نے خوشی منائی"۔[1]

اس خوشی میں اس نے نہ جانے کتنے ہی مواضعات اپنے ہمدردوں اور مددگاروں میں تقسیم کر دیئے جس کی تفصیل شجرہ ہی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ میں اس کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کرتا ہوں۔

لیکن گوتموں کے شجرہ کا یہ اندراج غلط ہے۔ بابر اس علاقہ میں آیا بھی اور اس علاقے سے ہو کر آگرہ کو واپس بھی ہوا۔ مگر اس نے آتے جاتے ارگل کی طرف بالکل رُخ نہیں کیا۔ بابر نے اپنے اس سفر کی روداد خود لکھی ہے۔ اس کے جستہ جستہ فقرے ـــــ نقل کر رہا ہوں۔

"جمعرات کے دن جمادی الاول کی دسویں ۹۳۵ھ ۱۵۲۹ء کو تین گھڑی دن کے بعد میں پورب کی جانب روانہ ہوا۔"

منزل بہ منزل کارگزاری لکھتا ہوا آدم پور پہونچ کر چار دن قیام کیا بابر کا یہ سفر کشتیوں کے ذریعہ جمنا کی راہ سے ہوا تھا۔ اور اس کی فوج خشکی کی راہ سے چل رہی تھی۔ آدم پور جمنا کے کنارے پر کوئی مقام تھا۔ جہاں اس نے چار دن قیام کیا اور

"پھر پیر کے دن بارہویں (جمادی الثانی) تاریخ کو یہاں سے کوچ کیا اور کوڑہ میں آ گئے میں آج تخت پر سوار ہو کر گیا۔ کوڑہ سے چلے تو بابا کوس بد کر یہ میں جو کوڑہ کڑے کا علاقہ ہے۔ اگر اُترنا چاہا کر یہ سے آٹھ کوس

---

[1] شجرہ گوتم راجگان۔

چل کر فتح پور ہسوہ میں لشکر ٹھہرا۔ فتح پور سے آٹھ کوس کی منزل
کرکے تھید سرائے میں قیام ہوا۔ یہیں عشاء کے وقت سلطان جلال الدین
نے ملازمت حاصل کی اس کا چھوٹا بھائی بھی ساتھ تھا۔"[1]

کوڑہ سے فتحپور کے ڈو ہی راستے آجکل عام ہیں (۱) کوڑہ سے فتح پور
براہ بندکی (۲) کوڑہ سے فتح پور براہ موہار پہلا راستہ مغل روڈ کا ہے
جس میں بکیور بھوا بندکی کے مقامات پڑتے ہیں۔ اور ارگل بجھولسے جانب جنوب
جمنا کی طرف رند کے سنارے ہے۔ دوسرا راستہ موہار ہوکر گرانڈ ٹرنک روڈ سے
مل جاتا ہے۔ اس میں بکیور اور موہار ہی پڑتا ہے یہ راستہ جانب شمال گنگا کے
قریب سے گذرتا ہے۔

بابر کی تحریر کے مطابق اس نے مغل روڈ کا راستہ اختیار ہی نہیں کیا
تو اس کا ارگل جانا۔ حملہ کرنا اور شکست کھانا فرضی کہانی نہیں تو اور کیا ہے؟
اب یہ اپنی فوج کے ساتھ خشکی کے راستے کڑہ پہونچا اور وہاں سے پھر اپنی کشتیوں
پر سوار ہوا۔ فوج اسی طرح خشکی کے راستے چلتی رہی یہاں تک کہ بہار پہونچا
وہاں کے معاملات درست کرکے دریائی راستے ہی سے فیض آباد اور بہرائچ
کی طرف آیا۔ اور اب پھر وہاں سے اس نے خشکی کا راستہ اختیار کیا۔ سُنیے۔

"اس دریا سے پار ہوکر دو منزلیں ہم چل کر دلمئو پہونچے۔ گنگا کے
گھاٹ سے آج اکثر اہل لشکر پار ہوئے۔ لشکر کو تو چلتا کیا اور میں گھاٹ
کے نیچے بیلے میں ٹھہر کر معجون کھائی بقیہ فوج کے اُترنے کیلئے یہیں جہاں
اترے تھے مقام کر دیا۔ باقی تاشقندی اپنے لشکر سمیت آج ہی آیا اور اس نے
ملازمت حاصل کی ہم گنگا سے ایک منزل کرکے کوڑہ کے پاس رند ندی کے

[1] بابر نامہ مترجم صـ ۳۴۶ از میرزا نصیر الدین گورگانی۔

کنارے اُترے۔ دلمئو سے کوڑہ اکیس ۲۱ کوس ہے۔ جمعرات کو اس مقام سے اندھیرے میں کوچ کیا۔ اور پرگنہ آدم پور میں ڈیرے ہوئے[۱]

یہاں سے پھر اس نے دریائی سفر اختیار کیا۔ اور فوج خشکی کی راہ سے چلتی رہی حتیٰ کہ آگرہ پہنچ گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے اس سفر کی اطلاع راجہ بشن دھر دیو کو ہو گئی تھی اور وہ خوف کھا کر قلعے میں چھپ رہا تھا۔ جب راجہ کو یہ اطلاع مل گئی کہ بابر کڑہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے تو یہ خوشی سے پھولا نہ سمایا قلعہ سے باہر آیا اور اپنے بچ جانے کی خوشی میں انعامات تقسیم کیئے۔ بابر کا یہ سفر جب ہوا تھا تو اس وقت نہ تو مغل روڈ کا وجود تھا اور نہ گرانڈ ٹرنک روڈ کا وجود تھا تیسرا راستہ یہی کڑہ ہو کر ہی تھا جس کا اب کوئی وجود نہیں۔

ہمایوں :۔ بابر کا انتقال ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء میں ہوا۔ اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا پہلی بار اس نے بارہ سال حکومت کی اس کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ دشمنوں سے مقابلہ تو اس کے لیے آسان تھا لیکن بھائیوں کی صورت میں بغلی گھونسے اس کو پریشان رکھتے تھے۔ حالانکہ اس نے ہندال مرزا، کامران مرزا، عسکری مرزا کو ملک کے اچھے اچھے علاقے دے رکھے تھے۔ لیکن اُن کی ریشہ دوانیاں جاری رہتی تھیں۔ اس کے دشمنوں سے مل جانے، میدان جنگ سے اپنی فوجیں نکال لیجانے میں انکو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ ہمایوں ۹۴۵ھ ۱۵۳۸ء میں شیر شاہ سوری سے بہار و بنگال کے علاقے میں جنگ آزما تھا کہ اسی حالت میں اس کو یہ اطلاع ملی کہ ہندال مرزا کھلم کھلا مخالفت پر اتر آیا ہے۔ ہمایوں کے پیر و مرشد

---

[۱] بابر نامہ مترجم ص ۳۶۱

شیخ بہلول کو قتل کر دیا۔ دار السلطنت آگرہ میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ادرماب دہلی کو محاصرہ میں لیے ہوئے ہے ہمایوں کو اس اطلاع سے تکلیف پہونچی۔ وہ دو مغل امیروں جہانگیر بیگ اور ابراہیم بیگ کے سپرد میدان جنگ کر کے آگرہ کیلئے چلدیا[1]

بہار و بنگال جاتے ہوئے حضرت مخدوم صاحبؒ کو ہمایوں کے شوق ملاقات کی اطلاع ہوگئی تھی لیکن وہ اس موقع پر حضرت سے نہ مل سکا جب ہندال مرزا کا واقعہ اس نے سُنا تو آگرہ جاتے ہوئے کوڑہ آیا۔ حضرت مخدوم صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ نے اس کو کچھ نصیحتیں کیں اور رخصت کر دیا۔

"چوں بازگشت آمد حضرت بار داد ند وعظ گفتہ رخصت دادند"[2]

راجہ ہری ورما دیو کے بارے میں راجگان گوتم کے شجرہ میں درج ہے کہ

"اس راجہ نے ہمایوں بادشاہ سے ٹکر لی تھی۔ راجہ کی فوج کمزور ہوئی آخرکار جنگ ملتوی ہوئی۔ اور راجہ بہیر پور کے قلعہ میں آباد ہوا"[3]

اسکی صورت یہ ہوئی کہ ہمایوں اپنے بھائیوں کا فتنہ رفع کرنے کیلئے کوڑہ ہوتے ہوئے آگرہ پہونچا تو شیر شاہ سوری کو بھی ہمایوں کی اس افتاد کی اطلاع ہوگئی۔ بھائیوں کے اس اختلاف سے اس نے فائدہ اٹھانا چاہا میدان جنگ سے چل کر قنوج کے قریب گنگا کے کنارے ڈیرہ جما دیا۔ فوج کا بڑا حصہ اپنے بیٹے قطب خاں کے حوالہ کر کے اس کو گنگا کے پار بھیجدیا جس نے وہاں کے مختلف مقامات پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں کو جب اطلاع ہوئی تو اس نے قاسم حسین کو

---

[1] تاریخ فرشتہ صہ ۲۲۴   [2] سیر سالاری صہ ۸۰

[3] شجرہ قلمی گوتم راجگان۔

یادگار ناصر مرزا اور سکندر سلطان کے ساتھ اس کے دفعیہ کیلئے روانہ کیا کالپی کے قریب سخت خونریزی کے بعد مغلوں کی فتح ہوئی اور قطب خاں مارا گیا جس کا سر قاسم حسین نے ہمایوں کے پاس آگرہ اس درخواست کے ساتھ روانہ کیا کہ شیر خاں کی فتنہ پروازی کو ختم کرنے کیلئے آپ خود تشریف لائیں۔ سے ۱

ارگل کا گوتم راجہ ہری ورن سنگھ دیو، شیر شاہ سوری کی اس فوج کے ساتھ کالپی کی اس جنگ میں شریک تھا شیر شاہ کی فوجوں کو شکست ہوئی تو راجہ ہری ورن دیو اپنی جان بچا کر ہمیر پور کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا سے ۲

لیکن جب ہمایوں اپنے امیر قاسم حسین کی درخواست پر قنوج شیر شاہ سوری سے لڑنے کیلئے پہونچا تو راجہ ہری ورن سنگھ دیو بھی گنگا پار ہو کر شیر شاہ سوری کے ساتھ ہو گیا۔ اس جنگ میں ہمایوں اپنے بھائیوں کے اختلاف نیز موسم کی ناسازگاری کی وجہ سے شکست کھا گیا۔ اور پھر اس کو ایران بھاگتے ہی بن پڑی سے ۳

شیر شاہ سوری کی امداد و رفاقت غالباً اپنے علاقہ کی حکومت حاصل کرنے کیلئے کی تھی۔ گوتم راجہ کا یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔

شیر شاہ سوری:۔ فرید خاں بن حسن خاں رہتاس کے قلعہ دار کا لڑکا تھا افغانوں کے قبیلہ سور سے تعلق رکھتا تھا۔ جونپور میں تعلیم حاصل کی باپ کے بعض علاقوں کا انتظام کرتا رہا باپ سے ناراض ہو کر ابراہیم لودھی کے پاس چلا گیا۔ کچھ دن بابر کے پاس بھی رہا کڑہ کے صوبیدار سے ۴ سے دوستی تھی۔ اس کی امداد

سے ۱ تاریخ فرشتہ ص ۶۲۴ و ص ۶۲۵ سے ۲ شجرہ گوتم راجگان قلمی۔

سے ۳ تاریخ فرشتہ ص ۶۲۵

سے ۴ مراد جنید برلاس صوبیدار کڑہ بہ عہد بابر فرشتہ ص ۶۲۴

اور اس کے تعاون سے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طاقت بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ ہمایوں جیسے ذی شوکت بادشاہ سے ٹکرایا جہاں خود کو کمزور سمجھا وہاں "اَلحَربُ خُدعَۃٌ" کی تدبیر پر عمل کرتا ہمایوں کو اس نے اسی طرح شکست دی تھی۔ ہمایوں بارہ سال ہندوستان پر حکومت کر کے ایران جانے پر مجبور رہا تھا عمر کے آخر حصہ میں قلعہ کالنجر پر حملہ کیا بارود کے ڈبوں میں آگ لگ جانے کی وجہ سے زخمی ہو گیا۔ آخری سانس جب ہی لی۔ جب اسکو اطلاع مل گئی کہ قلعہ فتح ہو گیا۔ "گرانڈ ٹرنک روڈ" کے نام سے جو سڑک مشہور ہے وہ اس کی بنوائی ہوئی ہے ۱۵۴۵ء ۹۵۲ھ میں انتقال ہوا۔

سلیم شاہ سوری :۔ اس کے بعد اس کا لڑکا جلال خاں اسلام شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ لیکن عوام نے اس کو سلیم شاہ بنا دیا امراء و اعیان نے اسکو پٹنہ سے طلب کر کے کالنجر کے قلعہ ہی میں کاروبار سلطنت حوالہ کیا۔

سلیم شاہ بتاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول سنہ ۹۵۲ھ بہ حسب طلب امراء از نواحی پٹنہ بایلغار آمدہ باتفاق عیسیٰ حجاب و دیگر اہل حل وعقد در سلطنت قائم مقام پدر نشست وبہ خطاب سلیم شاہی مخاطب شد۔[1]

سلیم شاہ ۱۵ ربیع الاول سنہ ۹۵۲ھ کو امراء کے طلب کرنے پر مضافات پٹنہ سے یلغار کرتا ہوا آیا اور میر عیسیٰ حجاب اور دیگر اہل حل وعقد کے اتفاق رائے سے باپ کا جانشین ہوا اور سلیم شاہ کے خطاب سے مخاطب ہوا۔

یہ جلوس تو میدان جنگ اور قلعہ کالنجر میں تھا اس وقت اس کا بڑا بھائی عادل خان رنتھمبور میں تھا اس کو ایک مراسلہ اس مضمون کا روانہ کر کے کہ میں :۔

۱؎ منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدایونی ص ۳۷۲

هر چند ولایت عهد تعلق به شما داشت اما
چون مسافت راه خیلے. تا آمدن شما درایں
جا فتنها متوهم بلکه تحقق بود به جهت تسکین
آشوب روزے چند بر طریق نیابت شما
محافظت لشکری تمائم و بعد ازاں کہ بیائید
بغیر از اطاعت و انقیاد چارہ ندارم [1]

ہر چند کہ حکومت کا تعلق تم ہی سے ہے چونکہ
مسافت طویل ہے تمہارے آنے تک
بہت سے فتنوں کا اندیشہ ہے اسلئے چند روز
تمہاری نیابت کے طور پر لشکر کی حفاظت
کر رہا ہوں جب تم آجاؤ گے تمہاری اطاعت
و پیروی کے سوا میرے لئے اور کوئی چارہ نہیں

کالنجر سے آگرہ کیلئے روانہ ہوتا ہے خواص خاں شیر شاہ سوری کا ایک اہم امیر اپنی جاگیر سرہند میں تھا وہ عادل خاں کی طرف زیادہ جھکا ہوا تھا۔ سلیم شاہ جب کالنجر سے کوڑہ پہونچا تو خواص خاں سرہند سے آگیا۔ کوڑہ میں اس نے بھی بیعت کی اور سلیم شاہ نے کوڑہ میں اپنی تخت نشینی کا جشن منایا۔

داز کالنجر متوجہ آگرہ شدہ در نواحی
قصبہ کوڑہ دگھاتم پور خواص خاں از
سرہند کہ جاگیر او بود رسیدہ بیعت ضروری
نمود چہ او بہ سلطنت عادل خاں بیشتر
میل داشت نسبت بہ سلیم شاہ
وجشن عالی ترتیب یافت واز سر نو
اجلاس دادند [2]

کالنجر سے آگرہ کیلئے چلا قصبہ کوڑہ
گھاتم پور کے قریب خواص خاں اپنی
جاگیر سرہند سے آگیا۔ اس نے بیعت
کی حالانکہ وہ سلیم شاہ سے زیادہ عادل خاں
سے تعلق رکھتا تھا۔ غرض ایک زبردست
جشن ترتیب دیا گیا بعد از سر نو
تخت سلطنت پر بیٹھا۔

کوڑہ میں اپنی تاج پوشی کا جشن منانے کے بعد سلیم شاہ آگرہ روانہ ہوگیا اس نے گوالیر کو دار السلطنت بنایا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح سے الحرب خدعة کا حربہ استعمال کرنے میں ماہر تھا۔ جب سلطنت اور حکومت کسی کو مل جاتی

---

[1] بدایونی ص ۳۶۳ [2] بدایونی ص ۳۷۵

ہے تو پھر جائز اور ناجائز کی پرواہ نہیں رہتی ۔ کالنجر کے قلعہ سے اپنے
بھائی عادل خاں کو جو خط لکھا تھا ۔ اُسے آپ ملاحظہ کر چکے ۔ عادل خاں آمادہ
اس پر تیار تھا کہ کوئی جاگیر اُس کو دیدی جائے ۔ سلیم شاہ نے اسکو بیانہ
کی ریاست حوالہ کی ۔ لیکن سلطنت کے معاملے میں وہ اس کی جانب سے متوہم
رہا ۔ دو تین ماہ کے بعد اپنے ایک امیر کو سونے کی بیڑیاں دیکر بیانہ
رخصت کیا کہ عادل خاں کو گرفتار کر لائے جس کی اطلاع خواص خاں
کو ہوئی ۔ جس نے اس کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور جنگ کی
گو عادل خاں اور خواص خاں کامیاب نہ ہوئے ۔ لیکن لڑائیوں کا ایک
سلسلہ چل پڑا ۔ عادل خاں تو بہار و بنگال جاکر گم نام ہو گیا ۔ اور سلیم شاہ
اپنے باپ کا خزانہ لینے کیلئے چنار کی طرف چل پڑا ۔ خزانہ تو اس نے
گوالیار روانہ کیا اور خود آگرہ کو جاتے ہوئے کوڑہ میں قیام کیا جلال خاں
جلوانی جو عادل خاں کا حامی تھا ۔ اس کی طرف سے سلیم شاہ کو اندیشہ تھا
کوڑہ پہونچکر اس نے مکروفریب سے اس کو بھی قتل کر دیا ۔

دراں اثنا سلیم شاہ بچنار رفتہ
خزائن آنجارا بگوالیار فرستاد و در
وقت مراجعت بہ قصبہ کوڑہ گھاٹم پور
رسیدہ باجلال خاں جلوانی کہ از
اُمرائے قبیلہ دار افغانان و یکے از
ہوا خواہاں عادل خاں بود و سلیم شاہ
ازو توہم بسیار داشت چوگان باختہ
بمکر و حیلہ اُو را در منزل خود آوردہ

اس درمیان میں سلیم شاہ چنار گیا وہاں
کے خزانے گوالیار روانہ کیے اور
واپس ہوتے ہوئے کوڑہ گھاٹم پور
پہونچا ۔ جلال خاں جلوانی کہ جو قبیلہ
دار افغانوں کا سردار
اور عادل خاں کے ہوا خواہوں میں سے
تھے سلیم شاہ اس سے خائف تھا چوگان
بازی میں مشغول کر کے اس کو مکر و فریب سے

بابر اور شش خداداد نام زنجیر انداختہ	اپنے ٹھکانہ پر لوٹا۔ اس کے بھائی
بہ افغانے سپرد کرد کہ دعوی خون بہ	خداداد نامی کے ساتھ ایک افغان کے سپرد
اینہا داشت و بہ بہانہ قصاص	کر دیا جو قصاص کا مدعی تھا۔ اس حیلہ
بہ قتل رسایند بہ آگرہ آمد[1]	سے دونوں کو قتل کروا کر آگرہ آگیا۔

پھر کوڑہ سے آگرہ کیلئے روانہ ہو گیا۔ سلیم شاہ سوری کا ۹۶۰ھ/۱۵۵۲ء میں انتقال ہوا۔

جلال الدین محمد اکبر:- ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے ۹۴۷ھ میں شکست کھائی تھی۔ ۹۴۹ھ میں وہ ایران کمک لینے کے خیال سے پہونچا وہاں سے پھر ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں دوبارہ ہندوستان آیا۔ ایک ہی سال حکومت کر سکا تھا۔ کہ ۹۶۳ھ/۱۵۵۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ محمد اکبر اس وقت بچہ تھا اسی کو تخت سلطنت پر بٹھایا گیا اور بیرم خاں اس کا اتالیق بنا۔ محمد اکبر جب ذرا ہوشیار ہوا تو اس نے اپنی سلطنت کی جڑیں جمانا شروع کر دیں وہ افغان اُمراء جو شیر شاہ یا سلیم شاہ سوری کے عہد سے مختلف علاقوں پہ قابض و متصرف تھے۔ ایک ایک کر کے اُن سے اُنکی ریاستیں چھین لیں صوبۂ کڑہ پر اس نے آصف خاں ہروی مجنوں خاں قاقشال راجہ بیربل اور فرحت خاں کو باری باری سے مقرر کیا۔

۹۸۹ھ/۱۵۸۰ء میں اُس نے کڑہ کا سفر کیا موجودہ الہ آباد کی جگہ کا اچھی طرح معائنہ کر کے صوبہ کڑہ کی صوبائی حیثیت ختم کی۔ نیا شہر "الہ آباس" نامی بسایا جو اب الہ آباد ہے۔ وہاں قلعہ کی بھی تعمیر کی صوبہ کڑہ کے سارے سرکاری دفاتر الہ آباد منتقل کیئے۔ عرصہ تک قیام کے بعد وہاں سے

---

[1] بدایونی صفحہ ۳۸۸

چلنے لگا تو فرحت خاں نے جو کوڑہ کا جاگیردار تھا کوڑہ میں قیام کی درخواست کی منظوری ہوئی۔

در قصبہ کوڑہ کہ در جاگیر فرحت خاں	قصبہ کوڑہ میں کہ جو فرحت خاں کی جاگیر میں تھا
بود بالتماس او جشن عالی ترتیب یافت[1]	اسکی درخواست پر قیام کرکے بڑا جشن منایا گیا

کوڑہ میں تین دن مقیم رہ کر آگرہ روانہ ہوا۔

حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے سیر سالاری میں کہیں "شہر کوڑہ" کہیں "قصبہ کوارہ" کہیں "سرکار کوارہ" لکھا جس سے اندازہ ہوتا ہے حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ کے عہد میں کوڑہ کی حیثیت ضلع کی تھی۔[2]

کوڑہ کے سلسلہ میں زیادہ معلومات عہد اکبری سے ہی ملتی ہیں اس ضلع میں تین تحصیلیں تھیں (۱) کوڑہ (۲) جاجمئو (۳) گوٹیا گنیر کوڑہ کی تحصیل میں دو پرگنے تھے۔ کوڑہ اور گھاتم پور۔ اس پرگنہ کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد تک گوتم پور تھا جو بعد میں گھاتم پور بن گیا۔ گوٹیا میں تین پرگنے تھے ۱۔ گوٹیا (۲) گنیر (۳) کیرن پور کنار۔ (حال بندکی) جاجمئو میں تین پرگنے تھے۔ (۱) جاجمئو (۲) محسن پورہ حال مسوان پور (۳) بھاون

۱۔ پورے ضلع کی مزروعہ اراضی کا رقبہ تین لاکھ اکتالیس ہزار ایک سو ترسٹھ بیگھہ دو بسوہ تھا

۲۔ حکومت کی جانب سے پورے ضلع میں چار سو پچاس سوار تیرہ ہزار پیادے اور نو ہاتھی رہا کرتے تھے۔

۳۔ پورے ضلع میں دو پختہ قلعے تھے ایک جاجمئو میں دوسرا رند ندی کے کنارے کوڑہ میں۔

---

[1] اکبر نامہ جلد دوم ص ۲۳۳

[2] سیر سالاری قلمی۔

۴۔ حکومت کی جانب سے جو رقم مدد معاش میں یا انعام کے طور پر سالانہ دی جاتی تھی اس کی مجموعی میزان چار لاکھ انہتر ہزار تین سو بیالیس دام تھی۔

۵۔ صرف کوڑہ میں جو رقم مدد معاش یا انعام کے طور پر صرف کی جاتی تھی وہ پورے ضلع پہ صرف ہونے والی رقم سے نصف سے زاید ہوتی تھی یعنی دو لاکھ ستاون ہزار تین سو تہتر دام۔

۶۔ پیداوار کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پورا ضلع سرسبز و شاداب اور زرخیز تھا۔ برہمن اس کے زمین دار تھے سلہ

ہمایوں کی فوج سے کالپی میں ارگل کے راجہ ہری ورن دیو نے شیر شاہ سوری کی فوج میں شامل ہو کر مقابلہ کیا تھا جس میں شیر شاہ کو شکست ہوئی تھی اور راجہ ہمیرپور بھاگ گیا تھا لیکن جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے جنگ کیلئے قنوج پہونچا تو راجہ ہری ورن دیو نے پھر شیر شاہ سوری کی مدد کی اور ہمایوں کو شکست ہوئی۔

اکبر اپنی تخت نشینی کے بعد ۹۶۳ھ میں کڑے جاتے ہوئے کالپی آیا۔ افغانوں کے ساتھ شریک ہو کر راجہ ہری ورن دیو نے مقابلہ کیا اور مارا گیا ملاحظہ ہو تاج التواریخ بندیل ڈکر راجہ لال شیو رام سنگھ تعلقدار ارگل:-

> وہ آپ گوتم ٹھاکروں کے سردار ہیں اور یہ خاندان ہمیشہ سے ہی با اقتدار رہا مگر بوجہ امداد ہی شیر شاہ رقیب سلطنت ہمایوں بوقعہ جنگ کالپی شہنشاہ اکبر سری ہری ورن دیو مع کثیر التعداد مردان ہمراہی کے مقتول ہوگئے اور حکومت حاصل نہ ہوئی۔ سلہ

سلہ آئین اکبری ص۹۹۲ تا ص۹۹۷

سلہ تاج التواریخ جلد سوم مولفہ ن۔ صفحہ نمبر نہیں۔

لیکن جناب شیو سنگھ چوہان ایم اے، بی۔ ایڈ نے اپنی مطبوعہ کتاب "ارگل راجیہ کا اتہاس" کے صفحہ ۱۴۱ پر بجائے راجہ ہری ورن دیو کے راجہ بھیرون شاہ دیو کا نام لیا ہے اور اس راجہ کی جنگی تیاریوں کا افسانوی طرز پر تذکرہ کیا ہے جس کا تاریخ سے کوئی تعلق نہیں۔

راجہ ہری ورن دیو کا ہو یا راجہ بھیرون شاہ دیو کا ہو۔ ال کے الفاظ میں نتیجہ ایک ہی رہا۔

"اکبر نے بھی کالپی میں ان کو مکمل طور سے شکست دیدی پھر وہ کبھی قوت حاصل نہ کر سکے" [1]

جہانگیر و شاہجہاں :۔ اکبر اعظم نے سلطنت کی چولیں مضبوطی سے جوڑ دیں۔ ملک میں پورے طور پر امن و امان تھا یہی کیفیت عہد جہانگیری و شاہجہانی میں بھی رہی۔ خصوصاً صوبہ الہ آباد و اکبر آباد سلطنت دہلی کے مطیع و منقاد تھے اسلئے ان بادشاہوں کو مشرقی دوآبہ میں سفر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

خاندانی روایات سے یہ معلوم ہوا کہ شاہجہاں نے کوڑہ کے بزرگ مخدوم زادے ملا عبدالرسول کے طرز تعلیم اور طریقۂ تربیت کی شہرت سن کر اپنے ایک ہفت ہزاری امیر عبداللہ خاں زخمی کو آپ کی خدمت میں دہلی لانے کیلئے بھیجا تاکہ شہزادوں کی تعلیم و تربیت ہو سکے۔ لیکن آپ نے یہ کہکر معذرت کردی

"من اللہ خواندہ ام للہ صرف می کنم مرا بہ پادشاہان چہ کار" [2]

تفصیل شخصیات میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] گزیٹیر ص ۱۶۲

[2] شجرۂ مخدوم زادگان۔

اس کے علاوہ راجہ بھیتے شاہ دیو کے راج میں بجلی خاں (بجے سنگھ) کی اولاد میں خان جہاں خاں نے شاہ جہاں سے فوجی امداد لے کر ارگل پر چڑھائی کی فتحیابی کے بعد شاہی فوج دہلی واپس آگئی۔ اور خان جہاں کا پورے علاقے پر قبضہ ہوگیا جس نے ہمیر پور کے راجہ ہمیر دیو کو بھی قتل کر دیا[1] تاکہ کوئی مدعی سلطنت باقی نہ رہے۔

اس جگہ ایک وضاحت کر دوں۔ راجہ بجے سنگھ عرف بجلی خاں نے فیروز شاہ تغلق کی فوجی امداد سے پوری ارگل اسٹیٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس جنگ میں اس کا بھائی راجہ دیوپال دیو مارا گیا تھا۔ بجلی خاں کے انتقال کے بعد راجہ دیوپال دیو کے لڑکے مان دیو نے جوار کے راجاؤں سے مدد لیکر پھر ارگل پر قبضہ کر کے اس کو آباد کیا اور اپنا مستقر بنا لیا۔ بجلی خاں کے لڑکوں اور راجہ مان دیو سے کئی بار مقابلہ ہوا لیکن بجلی خاں کی اولاد کا پہلو کمزور رہا ہر بار شکست کھائی یوں خاں جہاں خاں نے شاہجہاں سے فوجی امداد حاصل کر کے پھر پوری اسٹیٹ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن راجہ ہمیر دیو کا قتل خاں جہاں خاں کو پھلا نہیں۔ ہمیر دیو کے لڑکے بھگونت دیو کے دل میں اپنے باپ کا قتل کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ بالآخر قرب وجوار کے راجاؤں سے مدد حاصل کی اور خانجہاں خاں کو کوڑہ میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کی اطلاع جب شاہجہاں کو ہوئی تو اس نے پھر فوج روانہ کی ارگل پر قبضہ کر کے راجہ کو قتل کرا دیا۔ اس راجہ کی اولاد ارگل کے قریب موضع ترجپہ میں آباد ہوئی چونکہ خانجہاں خاں اور بھگونت دیو دونوں ہی مارے گئے تھے اور ان کے بچے کمسن تھے اس لیے شاہجہاں نے ازراہ ترحم خسروانہ بھگونت دیو کے لڑکے اندرجیت دیو کو ارگل کے علاقے کا نصف حصہ اور کوڑہ کا نصف حصہ

---

[1] شجرہ گوتم راجگان۔

گذارہ کیلئے دیا۔ خانجہاں خاں کے لڑکے جلال خاں کو بقیہ ارگل اور کوڑہ معہ پرگنہ کوڑہ مرحمت کیا۔ اور اس علاقہ کی چودھراہٹ عطا کی۔ جس کی تجدید عالمگیرؒ نے بھی کی عالمگیرؒ ۔ اورنگ زیب ۔ عالمگیر ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء میں اورنگ نشین ہوا۔ شاہ شجاع کا آخری کانٹا جو عالمگیرؒ نے قبائے سلطنت سے نکالا تھا وہ اسی کوڑہ جہان آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر کھجوہ کے مقام پر۔ بادشاہ لاہور سے کوچ کرتا ہوا کوڑہ پہونچا۔ وہاں اس نے آخری منزل کی جہاں سے روانہ ہوتے ہی شاہ شجاع سے جنگ ہوئی اور عالمگیر فتحیاب ہوا۔

عالمگیر کے کوڑہ پہنچنے سے پہلے ہی شہزادہ محمد سلطان کوڑہ پہنچ چکا تھا اور اس نے کھجوہ کے مقام پر شاہ شجاع کو آگے بڑھنے سے روک رکھا تھا عالمگیر کے کوڑہ پہونچنے پر شاہزادہ نے حاضری دی اور انعام کا مستحق ہوا خاندیس کا حاکم امیر معظم خاں بھی یہیں پہنچ گیا۔ اس کو بھی عالمگیرؒ نے انعامات سے سرفراز کیا[2]

کوڑہ میں عالمگیر تین دن مقیم رہا۔ خاندانی روایت یہ ہے کہ مخدوم زادگان میں جو علماء و صلحاء موجود تھے انھوں نے ایک وفد کی شکل میں عالمگیر کا استقبال کیا۔ بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پیش یا معاملہ میں کامیابی کیلئے دعا کی درخواست کی۔ ان حضرات نے دعا کی اور واپس آئے۔

چند ہندی انگریزی مقالات کا مجموعہ "انوواک" کے نام سے ڈاکٹر اوم پرکاش اوستھی صاحب کا ترتیب دیا ہوا چند سال ہوئے فتح پور سے شائع ہوا۔ اس میں ایک مقالہ نگار نے مشہور مورخ سر جادو ناتھ سرکار کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ:۔

---

[1] شجوگوتم راجگان۔

[2] عالمگیر نامہ ص ۲۳۱

"اورنگ زیب نے کوڑہ کے قلعہ میں بیٹھ کر اپنے بھائی کو کھجوہ کی لڑائی میں ہرانے کیلئے یہیں سے لڑوایا تھا۔"[1]

سر جادو ناتھ سرکار کی کتاب تو میری نظر سے گذری نہیں لیکن اگر انہوں نے یہ بات لکھی ہے تو غلط لکھی ہے اورنگ زیب عالمگیر خود کھجوہ گیا تھا اور جنگ میں ذاتی طور پر حصہ لیا تھا۔ وہ زمانہ ٹیلیفون اور وائرلیس کا نہیں تھا۔ آمنے سامنے رہ کر ہی دو دو ہاتھ ہوتے تھے فتح و شکست قسمت سے ہوتی تھی قدیم مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اورنگ زیب کھجوہ گیا اپنی فوجوں کی صف بندی کر کے میمنہ، میسرہ پر اپنے امراء کو مقرر کیا۔ آتش فشانی سے جنگ کا آغاز کیا، فتح حاصل ہونے کے بعد کھجوہ ہی میں ۳۲ یوم مقیم رہا۔ اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان کو شاہ شجاع کے تعاقب میں الہ آباد روانہ کیا الہ آباد پر اس کے قبضہ کی جب اطلاع مل گئی تب وہ کوڑہ واپس آگیا پھر وہاں سے اکبر آباد پہونچا[2] عالمگیر کے بعد :۔ اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بیٹے شاہ عالم بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ اور محمد فرخ سیر کے درمیان رسہ کشی شروع ہوئی محمد فرخ سیر اس زمانے میں عظیم آباد میں مقیم تھا۔ جہاندار شاہ نے اپنے بڑے بیٹے اعزالدین کو فرخ سیر کی روک تھام کیلئے روانہ کیا اعزالدین یلغار کرتا ہوا کوڑہ پہونچا اور وہاں سے کھجوہ آکر صف بندی شروع کر دی اس جنگ میں محمد فرخ سیر کو کامیابی نصیب ہوئی۔ وہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا لیکن اب حکومت مغلیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا، امراء، وزراء کی بے تدبیری، نا اتفاقی بڑھتی جا رہی تھی۔ مرہٹے جر

---

[1] ملوواک کا مضمون "سنسکرت اور اتہاس کے اودیسیس" مرتبہ ڈاکٹر ستیہ نرائن اگنی ہوتری ص ۴۹

[2] سیر المتاخرین جلد اول ص ۳۹۰ تا ص ۳۹۵

عہد عالمگیر سے ابھر رہے تھے زور پکڑ چکے تھے وہ مغل حکومت کو دن بدن محدود کرتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی اپنا کام کر رہی تھی۔

کوڑہ دہلی سے جدا ہوتا ہے:۔ فرخ سیر کے بعد ابوالبرکات، رفیع الشان، اور رفیع الدولہ بہ ترتیب ایک ہی سال میں سریر آرائے سلطنت ہوئے اور پھر محمد شاہ عادل اورنگ نشین ہوا۔ اسی کے عہد میں کوڑہ دہلی کی سلطنت سے جدا ہو کر طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔ یہ داستان بڑی دردناک ہے۔ لیکن بہرحال تاریخ، تاریخ ہے سنیئے۔

کوڑہ نواب وزیر اودھ کے قبضہ میں:۔ ہوا یہ کہ محمد شاہ عادل کے عہد میں جگونت سنگھ زمیندار کوڑہ کی سرکوبی کیلئے بادشاہ کے وزیر اعتماد الدولہ نے برہان الملک نواب سعادت خاں سے رجوع کیا نواب سعادت خاں کوڑہ آئے جگونت سنگھ کو قتل کر کے اس کی بغاوت رفع کی یہ واقعہ ۱۱۴۸ھ کا ہے جس کے بعد تا اختتام سلطنت مغلیہ کوڑہ میں طوائف الملوکی رہی یہ پورا صوبہ محمد شاہ عادل سے کٹ کر نواب سعادت خاں کے قبضہ میں رہا۔

کوڑہ نواب بنگش کے قبضہ میں:۔ صرف دو سال کے بعد ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں بہ عہد حکومت احمد شاہ (دہلی) ابوالمنصور صفدر جنگ اور نواب احمد خاں بنگش کے درمیان نزاع پیدا ہوا جس میں صفدر جنگ کو شکست ہوئی اور نواب احمد خاں بنگش کوڑہ ہوتا ہوا الہ آباد تک بڑھتا چلا گیا[1] یوں یہ پورا صوبہ اودھ کی حکومت سے کٹ کر بنگش حکومت کے تحت ہو گیا۔

کوڑہ مرہٹوں کے قبضہ میں:۔ ابوالمنصور صفدر جنگ نے احمد خاں بنگش سے مقابلہ کیلئے مرہٹوں سے مدد چاہی مرہٹوں نے صفدر جنگ کی مدد کی۔ اور نواب

---

[1] تاریخ اودھ نجم الغنی حصہ اول ص ۱۹۵

احمد خان بنگش شکست کھاکر فرخ آباد واپس ہو گیا۔ جس کے صلہ میں ابوالمنصور صفدر جنگ نے مرہٹوں کو ۱۱۶۴ھ میں دوسرے علاقوں کے علاوہ کوڑہ جہان آباد بھی حوالہ کر دیا۔

"ابوالمنصور صفدر جنگ نے احمد خاں بنگش کے مقابلہ میں مدد دینے کی جلدو میں مرہٹوں کو سرحد کول وجالیسر و مئو، فرخ آباد و قنوج سے کوڑہ جہان آباد تک ملک حوالہ کر دیا"۔[1]

اسطرح کوڑہ پھر مرہٹوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ جسکی تباہی و بربادی کی داستان اسی مورخ کی زبان قلم سے سُنیئے اور سر دُھنیئے۔

"مرہٹوں نے رفتہ رفتہ نواح الٰہ آباد تک جو انتر بید کا منتہی ہے اپنا ہاتھ پہونچایا اور دس برس تک ایسی سخت گیری جزرسی کے ساتھ حکومت کی جس سے مسلمانوں پر بے حد مصائب گذرے"۔[2]

معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔ فاضل مورخ نے ان مصائب کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اگر گنگا و جمنا کا پانی روشنائی بن جائے تو بھی ان مصائب کا ایک شمہ تحریر نہ ہو سکے۔ گاؤں اور ملکیتیں جو سادات و مشائخ اور علماء کو سلاطین اسلام نے وقتاً فوقتاً دی تھیں اور ان کی معاش انہی پر منحصر تھی یکلخت ضبط کر لیں۔ ان لوگوں کی نوبت بھیک مانگنے تک پہونچ گئی۔ اور برہمن فقرائے اسلام کو اس کا دنیا بھی پاپ سمجھتے تھے۔ اگر کوئی پیٹ پالنے کیلئے ان کی سرکار میں نوکری تلاش کرتا تو وہ بھی متعذر تھی کیونکہ یہ لوگ سوائے اپنے ہم جنسوں

---

[1] تاریخ اودھ، نجم الغنی جلد اول صفحہ ۳۰۰ [2] ایضاً صفحہ ۳۰۰

کے دوسروں کو جگہ کم دیتے تھے خاص کر مسلمانوں کو نوکر بہت کم رکھتے تھے" [1]

کوڑہ پھر نواب وزیر کے قبضہ میں :۔ اور یہ مرہٹہ گردی سال دو سال نہیں کامل دس سال قائم رہی ۱۱۷۴ھ میں بہ عہدہ شاہ عالم نواب وزیر شجاع الدولہ نے ختم کیا۔

"شجاع الدولہ نے بادشاہ کے ہمراہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۷۴ھ جاجمئو میں داخل ہوکر قیام کیا چونکہ ملک کوڑہ سے زبردست مرہٹوں کی شکست کی وجہ سے خراب ہو رہا تھا۔ اس پر قبض و تصرف کرنے کا ارادہ کیا اور جاجمئو میں چھاؤنی کرکے اس طرف سے مرہٹوں کے تمام افسروں اور حاکموں کو نکال دیا ان کی جگہ بادشاہی عمال مقرر ہوئے" [2]

لیکن امن وعافیت کا یہ دور زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا گو شجاع الدولہ نے میان دوآب کے نیچے کے حصے سے ان مقامات کو بالکل صاف کردیا اور بندیل کھنڈ میں جھانسی تک بڑھ گئے [3]

کوڑہ روہیلوں کے قبضہ میں :۔ "مگر شکوہ آباد، کڑہ، کوڑہ، اٹاوہ، پھپھوند اور مین پوری پر روہیلوں نے احمد شاہ درانی کے حکم سے قبضہ کر لیا تھا" [4]

اسی خلش نے شجاع الدولہ کو پھر مرہٹوں سے مدد حاصل کرنے پر راغب کیا اس جنگ میں انگریز ایک حریف کی حیثیت رکھتے تھے۔

"مئی ۱۷۶۵ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۱۷۸ھ کو کوڑہ کے قریب خفیف سی جنگ ہوئی مرہٹے انگریزی توپوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے" [5]

---

[1] تاریخ اودھ نجم الغنی حصہ اول صفحہ ۱۳۳ [2] ایضاً حصہ دوم صفحہ ۶۶
[3] ایضاً صفحہ ۶۶ [4] ایضاً صفحہ ۶۷
[5] ایضاً صفحہ ۱۳۲

اسطرح شجاع الدولہ کو شکست ہوئی لیکن اگست ۱۷۶۵ء میں اس امر پر مصالحت ہوئی کہ کوڑہ اور الہ آباد بادشاہ کی مدد معاش کے لئے دے دیئے جائیں۔

"بنائے مصالحت ان امور پر قرار پائی کہ شجاع الدولہ اپنے ملک پر کہ جو ان کے قبضہ میں پہلے تھا فرمانروائی کریں فقط الٰہ آباد اور کوڑہ کے اضلاع بادشاہ کی مدد معاش میں دیدیئے جائیں[1]

چنانچہ شاہ عالم بادشاہ کو کوڑہ اور الٰہ آباد کے اضلاع دیدیئے گئے جن کی آمدنی اٹھتالیس لاکھ روپئے سالانہ تنگروف نامہ میں بتائی ہے"[2]

اب تک بادشاہ کا قیام الٰہ آباد میں تھا اضلاع کوڑہ والہ آباد کی آمدنی حسب معاہدہ ان کے تصرف میں آنے لگی۔ ادھر مرہٹوں کی تاخت دہلی پر جاری تھی اور انھوں نے بادشاہ کو بلانے کی سعی شروع کر دی۔

"مرہٹوں نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ حضور الٰہ آباد اور کوڑہ منیر الدولہ کو تفویض کر کے ادھر آجائیں"[3]

چنانچہ شاہ عالم ۱۷۷۰ء میں الٰہ آباد سے دہلی گیا۔ مورخ لکھتا ہے کہ:۔

"جن اضلاع سے گذر کر بادشاہ دہلی چلا گیا۔ پھر اس کی حکومت کا کوئی نشان ان واشران میں نمودار نہ ہوا"[4]

کوڑہ فروخت ہوتا ہے:۔ شاہ عالم کے دہلی پہنچتے ہی مرہٹوں نے بادشاہ سے

---

[1] تاریخ اودھ نجم الغنی جلد دوم ص ۱۲۰ [2] ایضاً ص ۱۲۱ [3] ایضاً ص ۱۲۴

[4] تاریخ ہندوستان جلد نہم منشی ذکاءاللہ ص ۳۲۰

کوڑہ والہ آباد اپنے نام لکھائے لیکن مرہٹوں کی دستبرد سے بچانے کیلئے ناظم شاہی نے یہ اضلاع انگریزوں کے سپرد کر دیئے تھے۔ انگریز ان اضلاع کا انتظام کرتے تھے چونکہ یہ اضلاع ان کے مستقر سے فاصلہ پر تھے۔ اس لئے اس انتظام میں اُن کے مصارف آمدنی سے زیادہ ہوتے تھے۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ بادشاہ مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور ان اضلاع کا انتظام اس کے بھی بس کا روگ نہیں ہے تو انہوں نے قصد کر لیا کہ ان اضلاع کی ذمہ داری کسی معقول معاوضہ پر نواب وزیر اودھ کے سپرد کر دیں چنانچہ ۱۷۷۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب شجاع الدولہ کے درمیانی ملاقات میں یہ معاملہ طے پا گیا، مورخ لکھتا ہے :

"ایک بڑا معاہدہ اور اس ملاقات میں گورنر اور شجاع الدولہ کے درمیان طے ہوا کہ کوڑہ اور الہ آباد کے اضلاع جن کو زبردستی بادشاہ سے مرہٹوں نے اپنے نام لکھا لیا تھا اور ناظم شاہی نے مرہٹوں سے انھیں بچانے کیلئے انگریزوں کے سپرد کر دیا تھا وہ اضلاع فروخت کئے گئے۔ سرکار کمپنی کا مدت سے ارادہ تھا کہ ان اضلاع کو اپنی حفاظت میں نہ رکھے کیونکہ وہ اس کی حکومت سے بہت دور تھے اور گورنمنٹ کا خرچ بہت پڑتا تھا، پانچ برس میں دو کروڑ روپیہ خرچ ہو گیا تھا۔ اور آمدنی اس قدر نہ تھی اس لئے یہ امر قرین مصلحت معلوم ہوا کہ وزیر کو دینا مناسب ہے اور وزیر کے ہاتھ پچاس لاکھ روپئے میں فروخت کیا۔" [1]

[1] تاریخ ہندوستان منشی ذکاء اللہ جلد نہم ص ۲۲۰

گذشتہ صفحات کے مطالعہ کے بعد ناظرین غالباً اس نتیجہ پر پہونچیں
کہ اس درمیانی مدت میں جب جب سرکار کوڑہ نواب وزیر کے قبضہ میں
گیا ہے تب تب کوڑہ کے باشندوں کو کچھ امن وسکون میسر آیا ہے لیکن
انتظامی لحاظ سے مرہٹوں کے دس سالہ دور حکومت اور نواب وزیر کے دور حکومت
میں کوئی خاص فرق نہیں تھا سوائے اس کے کہ مرہٹے مسلمانوں کے کھلے دشمن تھے
ان کا منتہائے نظر لوٹ اور غارت گری تھی شاہان اودھ جن کی داد ودہش
اور علمی سرپرستی کے چرچے آج بھی تاریخ میں محفوظ اور زبان زد ہیں یہ جب
اودھ سے نکل کر دوآبہ گنگ وجمن تک پہونچتے ہیں تو نواب برہان الملک
سعادت خان تا بہ نواب شجاع الدولہ کسی دوسرے ہی رنگ میں نظر آتے
ہیں مورخ کا قلم ذیل کی سطور میں اسطرح جائزہ لیتا ہے نوابان اودھ کے
استیلاء سے قبل یہ علاقہ کن خصوصیات کا حامل تھا پہلے یہ سن لیجئے۔

اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد
کہ در ہیچ صوبہ نتواں یافت چہ تمام
صوبہ اودھ و صوبہ الہ آباد بہ فاصلہ
پنج کروہ دہ کروہ تخمیناً آبادی شرفاء
و نجباء است. کہ از سلاطین و حکام
وظائف زمیں مدد معاش داشتہ اند
و مساجد و مدارس و خانقاہات
بناء نہادہ و مدرسانِ عصر در ہر جا
ابواب علم بروئے دانش پژوہان
کشادہ و صلائے اطلبوا العلم

لیکن صوبہ اودھ اور الہ آباد ایک خصوصیت
رکھتے ہیں جو کسی دوسرے صوبہ میں نہیں
پائی جاتی۔ پورے صوبہ اودھ اور الہ آباد
میں ہر پانچ کوس یا زیادہ سے زیادہ دس
کوس کے فاصلے پر شرفاء اور نجباء کی آبادی
ہے جو سلاطین و حکام کی جانب سے مدد معاش
میں زمینیں اور وظائف رکھتے ہیں مسجدیں اور
مدرسے نیز خانقاہیں تعمیر کی ہیں ہر عہد کے
مدرسین ہر جگہ طلبہ علم ودانش کیلئے دروازے
کھولے ہوئے صدائے اطلبوا العلم دیتے ہیں

در دادہ و طلبۂ علم خیل خیل از شہرے
بہ شہرے می روند و ہرجا دست بہم
داد بہ تحصیل علم مشغول می شوند. و
صاحب توفیقاں ہر معمورہ طلبۂ علم
را نگاہ می دارند و خدمت ایں
جماعت را سعادت عظمیٰ می دانند
صاحب قرآنِ ثانی شاہ جہاں انار اللہ
برہانہ می گفت "پورب شیراز
مملکتِ ما است۔" و تا حدود سنہ ۱۱۳۰ھ
ہنگامۂ علم و علماء دریں گل زمیں گرمی
داشت۔

اور طلبہ کے گروہ کے گروہ ایک شہر سے دوسرے
شہر جاتے ہیں جہاں موقع ملتا ہے تحصیل علم میں
مشغول ہوتے ہیں ان مقامات کے
اصحاب توفیق طالبان علوم پر نگاہ رکھتے
ہیں اور ان کی خدمت کو سعادت عظمیٰ
سمجھتے ہیں۔ صاحبِ قرآن ثانی
شاہ جہاں انار اللہ برہانہ نے
اسی لئے کہا تھا۔ "پورب ہماری
مملکت کا شیراز ہے۔" سنہ ۱۱۳۰ھ تک تعلیم و
تعلم کے ہنگاموں سے یہ سرزمین
گرم رہی۔

لیکن جب نوابان اودھ کا عمل و دخل اس علاقہ میں شروع ہوا تو
انھوں نے یہاں کے علماء و شرفاء کے ساتھ کیا سلوک کیا ذرا اس کا بھی جائزہ
لے لیجئے۔ اس کی وجہ شاید ان کا تشیع تھا۔

تا آنکہ برہان الملک سعادت خاں
نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم
صوبۂ اودھ شد و اکثر بلاد و عمدہ صوبہ
الہ آباد و نیز مثل دار الجنود جونپور بنارس
غازی پور و کڑہ مانک پور و کوڑہ
جہان آباد وغیرہ ہا ضمیمۂ حکومت
گردید و ظائف و خانوادہ ہائے

یہاں تک کہ برہان الملک سعادت خاں
نیشاپوری محمد شاہ کے آغاز جلوس میں صوبہ
اودھ کا حاکم ہوا اور اکثر الہ آباد کے اچھے اچھے
شہروں اور دار الجنود جونپور، بنارس، غازی
پور، کڑہ مانکپور و کوڑہ جہان آباد
وغیرہ اسکی حکومت کا ضمیمہ بن گئے۔
قدیم خانوادوں کے وظائف و انعامات

قدیم و جدید یک قلم ضبط شد۔

یک قلم ضبط ہو گئے۔

اس ایک قلم کی ضبطی کا نتیجہ کیا نکلا؟ آگے سنیئے

و کار شرفاء و نجباء بہ پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آنجا از کسب علم باز داشتہ در پیشہ سپہ گری انداخت و رواج تدریس و تحصیل بہ آں درجہ نماند و مدارسے کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال بیشتر برہم خورد انا للہ وانا الیہ راجعون

شرفاء و نجباء پریشانی میں مبتلا ہو گئے معاشی اضطرار نے انکو حصول تعلیم سے روک لیا۔ انھوں نے خود کو سپاہ گری کے پیشہ میں ڈال دیا۔ تدریس و تحصیل علم کا اس درجہ رواج ختم ہو گیا۔ اور وہ مدارس جو عہد قدیم سے معدن علم و فضل تھے بالکل اُجڑ گئے۔ ارباب کمال کی انجمنیں درہم برہم ہو گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون

نواب سعادت خاں کا یہ عہد زریں ۱۱۳۳ھ سے ۱۱۶۳ھ تک تھا اس کے بعد کیا ہوا سُنیئے۔

و بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادہ او ابو المنصور خاں صفدر جنگ رسید۔ وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند در آخر عہد محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز بہ صفدر جنگ مقرر شد و تتمۂ وظائف آں صوبہ کہ تاحال از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بہ ضبط در آمد۔

برہان الملک کے انتقال کے بعد اس کے بھانجے ابو المنصور صفدر جنگ کو حکومت ملی وظائف و جائدادیں اسی طرح ضبط رہیں محمد شاہ کے آخری دور ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری بھی صفدر جنگ کو تفویض ہوئی اس صوبہ کے بچے کھچے وظائف جو ضبطی سے محفوظ تھے وہ بھی ضبط ہو گئے اور احمد شاہ کے عہد میں صفدر جنگ وزارت

در عہد احمد شاہ صفدر جنگ بہ پایۂ وزارت اعلیٰ صعود نمود نائب صوبہ کار برارباب وظائف تنگ تر گرفت"

اعلیٰ پر پہونچا تو نائب صوبہ نے وظیفہ یابوں پر اور تنگی کر دی۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

آخر میں غلام علی آزاد کس درد کے ساتھ لکھتے ہیں

"تا ایں تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است

لعل اللہ یُحدِثُ بَعدَ ذالِکَ اَمراً

باوجود اس تباہی و بربادی کے اس عہد کے شرفاء نجباء علماء و صلحاء نے کسطرح اپنی علمی دولت کی حفاظت کی ہے یہ مولوف ہی کی شہادت ہے۔

باوجود ایں خرابی ہا رواج علم خصوص معقولات بہ کیفیتے کہ آنجاست در قلمرو ہندوستان ہیچ جا نیست ہنوز علمائے فحول جلوہ طراز اند و بہ وصول اقصیٰ مراتب کمال ممتاز

ان تمام خرابیوں کے باوجود علم کا رواج خاص طور سے معقولات کا جس کیفیت کے ساتھ ان مقامات پر ہے پورے ہندوستان میں کسی اور جگہ نہیں۔ اب بھی علماء اور اصحاب کمال موجود اور ممتاز ہیں

با صد جہاں کدورت
باز ایں خرابہ جائے است"[1]

۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں انگریزوں نے نواب شجاع الدولہ کے ہاتھ کوڑہ کو ایک معاہدہ کے مطابق فروخت کیا تھا۔ اس وقت سے لیکر ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء تک نواب وزیر ہی کے زیر نگیں رہا نواب کی جانب سے ایک سربراہ کار کوڑہ میں رہتا تھا جو سالانہ محاصل کی وصولی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ سطوت شاہی اور مراحم خسروانہ کا دور ختم ہو چکا تھا

۱؎ ماثر الکرام ص

لوٹ کھسوٹ اور غارتگری کا دور دورہ تھا۔ سرکار کوڑہ والہ آباد کی فوجداری رشوت دیکر ٹھیکہ پر حاصل کی جاتی تھی۔ سلہ سنہ ۱۲۰۱ھ میں جہاندار شاہ مرزا جواں بخت بہادر ولی عہد شاہ عالم نے کوشش کی کہ یہ دونوں اضلاع بدستور تخت دہلی کے قبضہ میں دیدیئے جائیں۔ لیکن وارن ہیسٹنگز نے وزیر الممالک سے بہ بات محول کی اور آصف الدولہ نے انکار کر دیا سلہ ملک میں انگریزوں کے اثرات بڑھ رہے تھے مسلمان امراء ان کے خلاف ہر مورچہ پر شکست کھا رہے تھے انگریز بتدریج اودھ اور دوآبہ سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اودھ شاہی کو انھوں نے بلطائف الحیل اپنا دست نگر بنالیا تھا۔ بظاہر کوڑہ نواب وزیر کی ملکیت تھا۔ لیکن اس کا انتظام اور اسکی حفاظت انگریزوں ہی کے سپرد تھی۔ بنارس قلمرو سرکار بنگالہ میں شامل ہو چکا تھا۔

۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷ مئی سنہ ۱۷۹۷ء کو نیا عہد نامہ لکھا گیا۔ کہ کوڑہ اور الہ آباد کے اضلاع جو شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کیئے گئے تھے۔ آصف الدولہ کے قبضہ میں اسی ہیئت سے رہیں گے جیسے کہ ملک اودھ اُن کے پاس ہے اور سرداران انگریزی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ صوبہ اودھ اور کوڑہ والہ آباد کی حفاظت کریں گے سلہ حفاظت کا مفہوم کیا تھا فاضل مورخ کی زبان قلم سے سنیئے :-

---

سلہ ٹھیکیداری کا یہ طریقہ نواب سعادت علی خاں نے اختیار کیا تھا جس کا شکار مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو بھی تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ چھتریان اودھ صفحہ ۲۸

سلہ تاریخ اودھ نجم الغنی حصہ سوم صفحہ ۱۶۶

سلہ تاریخ اودھ نجم الغنی حصہ سوم صفحہ ۲۵

"معاملات ملکی و مالی صوبہ اودھ و الہ آباد، بتھر گڑھ، کوڑہ، اٹاوہ، اور رو ہیلکھنڈ میں بدون اطلاع جان برسٹو صاحب کے کچھ نہ ہوتا تھا"[1]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نواب کی جانب سے جو سربراہ کار ان اضلاع میں مقرر ہوتے تھے۔ وہ آخر کیا کرتے تھے؟ سنیئے:۔

"اور مختار الدولہ بغیر ان کی صلاح کے دم نہیں مار سکتے تھے"[2]

اعیان و امراء کی انہی کمزوریوں نے بالآخر سلطنت کو معرض زوال میں ڈالا۔ ان کا رونا کیا رویا جائے۔ یہ صفحات اُنکا مناسب محل بھی نہیں مورخین کے قلم اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہاں کیا ہوا؟ کس طرح ہوا؟ جب دہلی اور لکھنؤ کی پُر عظمت سلطنتیں چلی گئیں تو ایک سرکار کوڑہ کا ماتم کیا۔ ایک طرف دربار اودھ کی بے فکریاں تھیں دوسری طرف انگریزوں کی حکمت عملی اُن سے عہدہ برآ ہونا نواب وزیر کے بس کی بات نہ تھی بالآخر مجبور ہو کر آصف الدولہ نے مسٹر جان برسٹو کو اپنی سلطنت کے تمام امور کا مختار بنا دیا۔[3]

کوڑہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ:۔ اور پھر جس سال آصف الدولہ کا انتقال ہوا ہے اسی سال نواب سعادت علی خاں نے "۱۰ر نومبر ۱۸۰۱ء مطابق ۲ر رجب ۱۲۰۶ھ کے عہد نامہ پر دستخط کر دیئے اس عہد نامہ کی رو سے کمپنی کو علاقہ مابین دوآبہ گنگ و جمن حاصل ہوا۔ جس کی آمدنی ایک کروڑ ۱ پینتیس ۳۵ لاکھ بارہ ۱۲ ہزار آٹھ ۸ سو اٹھہتر ۷۸ روپے بارہ آنے تین پائی معہ خرچہ تحصیل کے تھی"[4]

---

[1] تاریخ اودھ نجم الغنی حصہ سوم صـ۵۲ [2] ایضاً صـ۵۲

[3] تاریخ اودھ حصہ سوم نجم الغنی۔ صـ۱۱۶، [4] ایضاً صـ۴۵

اسی مورخ نے مابین دوآبہ گنگ و جمن کے ضلع کڑہ، کوڑہ، اٹاوہ، کی خالص آمدنی یکجائی اعداد و شمار میں بھی دی ہے۔

چکلہ۔ کڑہ۔ کوڑہ۔ اٹاوہ۔ 9/11/5548577

غرض کوڑہ کا یہ تاریخی نشیب و فراز کوڑہ کے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد ختم ہوگیا۔ اس کی ضلعی حیثیت بھی ختم ہو کر صرف تحصیل کی حیثیت رہ گئی کچھ ہی عرصے کے بعد تحصیل کی حیثیت بھی ختم کردی گئی اور اب وہ ایک پرگنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اعیان و اُمراء کی بھی فہرست دیدی جائے جن کی ماتحتی میں بالواسطہ یا بلاواسطہ سرکار کوڑہ کا انتظام رہا ہے تاکہ تاریخی اعتبار سے کوڑہ کی سرکاری حیثیت مکمل ہو جائے۔

دوآبہ گنگ و جمن میں مسلمان بادشاہوں کا استقلال شمس الدین التمش کے عہد سے ہوا۔ اسوقت کوڑہ کی کیا حیثیت تھی۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن صوبہ کا صدر مقام شہر کڑا تھا۔ اس لئے صوبہ دارانِ کڑا کی فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

۱۔ شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ کے عہد میں۔ ناصر الدین محمود

۲۔ ناصر الدین محمود ۶۶۳ھ " غیاث الدین بلبن

۳۔ جلال الدین فیروز خلجی ۶۹۵ھ " ملک چھجو و ملک علاء الدین

۴۔ علاء الدین خلجی ۷۱۵ھ " علاء الدین اُنغو خاں

۵۔ غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ " الغ خاں

سلاطین شرقی عین الملک کا نام ملتا ہے

۶۔ سلطان بہلول لودی، ابراہیم لودی		شیر خاں۔ برادر شہزادۂ عالم خاں، مبارک خاں لوہانی، اعظم ہمایوں، اسلام خاں
۷۔ سلطان سکندر لودی		
۸۔ نصیر الدین ہمایوں	متوفی ۹۶۰ھ	سلطان جہند برلاس۔ کمال خاں۔
۹۔ جلال الدین محمد اکبر	۱۰۱۴ھ "	مجنوں خاں قاقشال، آصف خاں ہروی فرحت خاں، راجہ بیربل۔

نوابین اودھ

۱۔ شجاع الدولہ	متوفی ۱۱۸۹ھ	محبوب علی خاں، حیدر بیگ خاں
۲۔ آصف الدولہ	" ۱۲۱۲ھ	میر سلیمان، الماس علی خاں، میر زین العابدین خاں۔
۳۔ سعادت علی خاں	"	الماس علی خاں، میر زین العابدین خاں

تہذیبی اور ثقافتی ورثے

مسجد محلہ میاں ٹولہ :-

۱۔ ہم کو مسلمانوں کی یادگاروں کا نشان حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے پہلے نہیں ملتا۔ حالانکہ انکی آمد سے پہلے بھی کچھ مسلمان یہاں موجود تھے محلہ میاں ٹولہ کی مسجد ہی ایک ایسا تاریخی نشان ہے جس کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ مسجد لودھی طرز تعمیر کا نمونہ ہے گو اس کی تعمیر شہنشاہ اکبر کے عہد میں ۹۶۸ھ میں ہوئی ـــــــــــ وسط میں عالیشان گنبد ہے تین بڑے بڑے در ہیں وسطی در نسبتاً بڑا اور عریض ہے اس کے دونوں پہلوؤں میں بالائی سطح پر جانے کیلئے دو زینے ہیں اندر محراب کے داہنے پہلو میں ایک چھوٹی سی حجرہ نما صحنچی ہے جسمیں مسجد کی ضرورت کا سامان رکھا جاتا ہے۔ بائیں پہلو میں تہہ خانے کے اندر جانے کیلئے زینہ ہے تہ خانے کا فرش پختہ ہے۔ عرصہ دراز پہلے موسم گرما میں قیلولہ وغیرہ کے لئے مستعمل تھا۔ اب یہ تہ خانہ بر بنائے مصالح بند کرادیا گیا ہے۔ محراب کی پیشانی پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من بنی مسجداً للّٰہ بنی اللّٰہ لہ بیتاً فی الجنۃ"

بانی این مسجد ساقی محمد سلطان اطال اللہ بقاءہٗ وزاد قدرہٗ وکار فرمائے
شیخ جلال الدین ساکن کوڑہ واستاد کار جمال الدین سنہ ۹۶۸ ہجری

یہ مسجد حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ کی وفات کے ۲۲ سال بعد تعمیر ہوئی۔ اس کے بانی ساقی محمد سلطان اور استاد کار جمال الدین کے متعلق کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کون تھے؟ اور کیا تھے؟

۲۔ **درگاہ حضرت مخدوم صاحبؒ:-** اس درگاہ پر کوئی کتبہ نہیں جس سے اس کا سال تعمیر معلوم ہو سکتا۔ اس درگاہ میں لاتعداد قبریں ہیں اس درگاہ میں شمالاً جنوباً دو دروازے تھے۔ لیکن اب استعمال میں صرف شمالی دروازہ ہے۔ جنوبی دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ شمالی دروازہ سطح زمین سے بلند ایک زینہ اور چبوترہ عبور کرنے کے بعد ملتا ہے۔ اندر

داخل ہوتے ہی داہنی جانب حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ بہاء الدینؒ کی قبریں ہیں یہ قبریں سطح زمین سے صرف ایک بالشت بلند ہیں ۲۹ ربیع الاوّل کو یہاں مخدوم زادگان اور کچھ اہل محلہ شب میں بعد نماز مغرب جمع ہو کر قرآن خوانی اور ایصال ثواب کرتے ہیں۔ عرصے سے یہ درگاہ قابل مرمت ہو گئی ہے کچھ قبریں شکستہ ہو گئی ہیں۔

۳۔ **درگاہ حضرت شاہ علاء الدین،** حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین و شاہ قطب الدین، عرف شاہ حسین حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے کی خانقاہ و درگاہ مرور ایام اور تغیرات نے اس کے آثار و نشان ختم کر دیئے ہیں اس جگہ اب ایک کنواں اور دو مکان ہیں اور ایک درگاہ۔ یہ کنواں پوری بستی
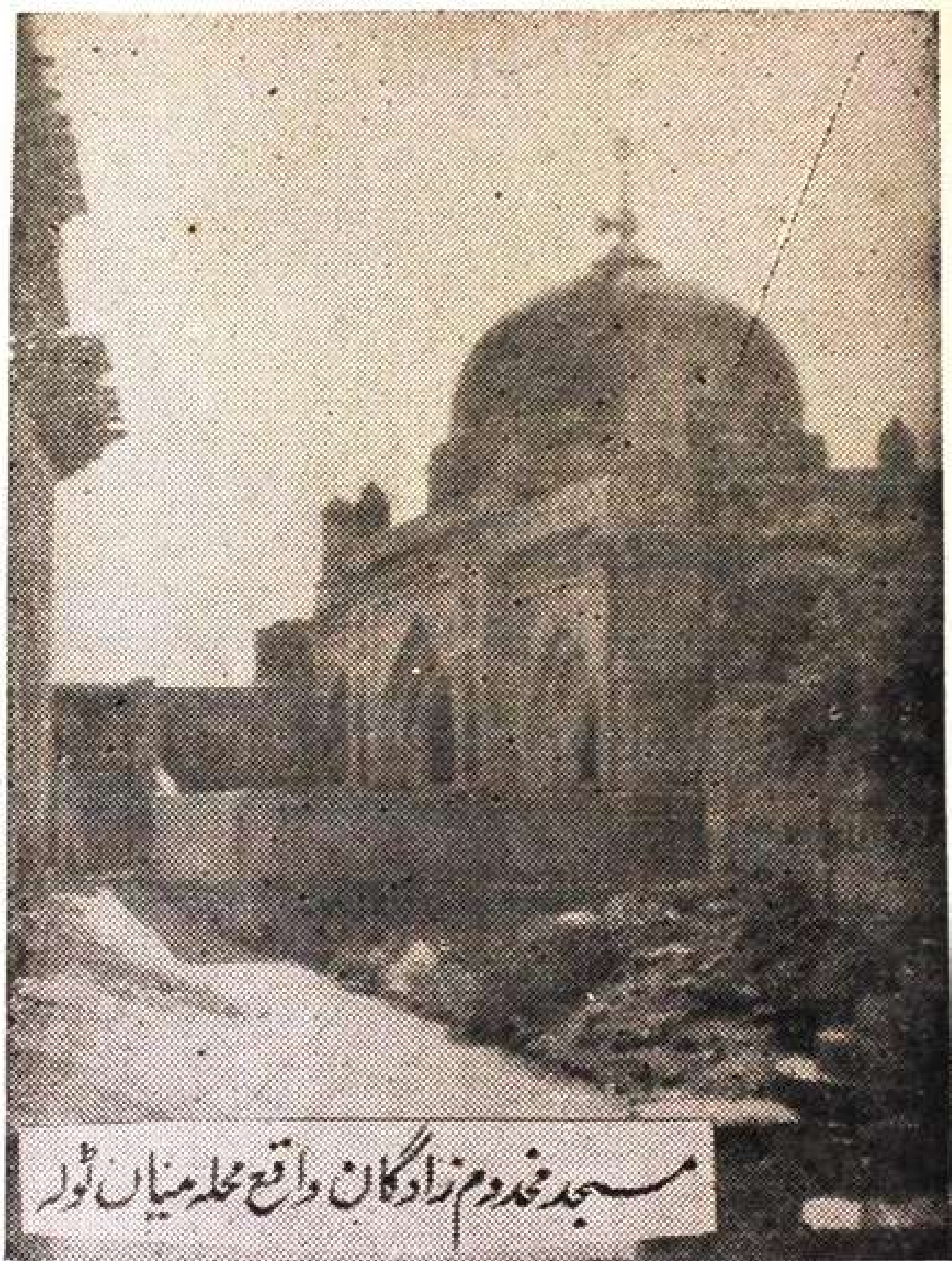
مسجد مخدوم زادگان واقع محلہ میاں ٹولہ

درگاہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مع صاحبزادگان و رفقاء قصبہ کوڑا

درگاہ سید شاہ قطب الدین ثانیؒ
محلہ میاں ٹولہ
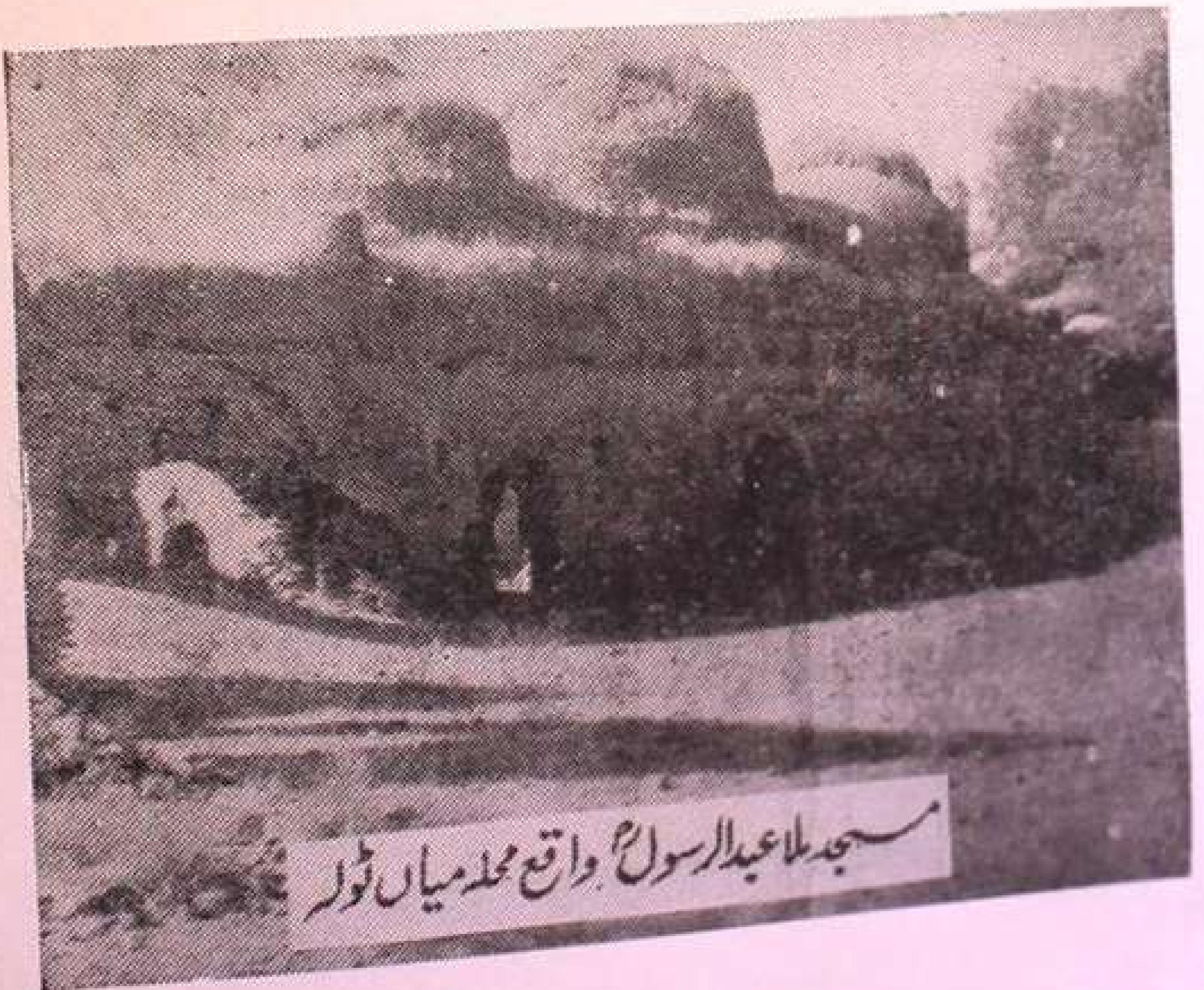
مسجد ملا عبدالرسولؒ واقع محلہ میاں ٹولہ

میں بڑے کنوئیں کے نام سے مشہور رہے۔ حضرت شاہ سلیم میاں نے اس کی تعمیر کرائی تھی۔ اس کنوئیں سے متصل مولانا سید محمد عبدالحئی اور مولوی سید محمد عبدالقادر صاحب کا مشرق رویہ مشترکہ مکان اسی سے ملا ہوا مغرب رویہ مولوی حاجی سید اخلاق احمد رحمۃ اللہ کا مکان ہے۔ جو "بڑے گھر" کے نام سے مشہور تھا۔ اسی سے متصل حضرت شاہ قطب الدین ثانی کی درگاہ ہے جو ایک چہار دیواری سے محصور ہے جس میں آسودۂ خواب ہونے والوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

۴۔ مسجد و مدرسہ و خانقاہ،

حضرت ملا عبدالرسول:- مغرب کی سمت اور چلئے پچاس ساٹھ قدم چلنے کے بعد داہنے ہاتھ پر حضرت ملا عبدالرسول رحمۃ اللہ کی درگاہ اور مسجد و خانقاہ ہے۔ یہ مسجد آجکل ویران ہے اس کے در مولوی عاشق علی نے بند کرا دیئے مدرسہ و خانقاہ کا وجود نہیں ملا عبدالرسول۔ حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین کی نسل میں ایک نامور بزرگ گذرے ہیں۔ جن کے تلامذہ میں ایک واسطہ سے ملا غلام نقشبند تھے [1]۔ جو ملا نظام الدین سہالوی کے استاذ تھے ملا نظام الدین سہالوی کا مرتب کیا ہوا "درس نظامیہ" آج بھی ہندوستان کے مختلف مدارس میں رائج و مقبول ہے۔

۵۔ مدرسہ و خانقاہ و مسجد،

حضرت شاہ ابو نجیب:- اب آئیے ذرا آگے بڑھیئے بائیں ہاتھ پر حضرت شاہ ابو نجیب رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ، خانقاہ اور ان کی مسجد ہے۔ اللہ کے نام کی یہ مسجد ہی رہ

---

[1] شجرہ مرتبہ محب علی مرحوم

رہ گئی ہے اور کوئی عمارت باقی نہیں رہی۔ کھنڈرات ہیں جن سے مدرسہ
وخانقاہ کا پتہ لگتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اس مسجد کی چونہ گردانی عزیزی مولوی اقبال احمد صاحب ندوی نے
کرائی تھی۔ کچھ لوگ نماز کیلئے آجاتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سلسلہ پھر ختم
ہوگیا۔ یہ مسجد مکانات مسکونہ سے کچھ دور پڑجاتی ہے۔ اس لیے لوگ
حضرت مخدوم صاحب ہی کی مسجد میں نماز کیلئے آجاتے ہیں۔
۶۔ مدرسہ سید اطہر حسین :۔ مسجد شاہ ابونجیب رحمۃ اللہ علیہ سے چند
قدم سڑک ہی سڑک جانب مغرب چلئے آپ کو سید اطہر حسین کا تعمیر کردہ
مدرسہ ملے گا۔ اب اس کی ہیئت بدل گئی عرصہ دراز تک ویران رہا۔
جمعیتہ تبلیغ الاسلام صوبہ جات متحدہ کے عروج کے زمانہ میں کچھ عرصہ
کیلئے یہاں مکتب قائم رہا تھا۔ سید اطہر حسین مرحوم کا مدرسہ
اسی عہد کی یادگار ہے۔ جس عہد میں سید احمد نے علی گڑھ میں "محمڈن"
اسکول قائم کیا تھا۔ سید اطہر حسین مرحوم کا مقصد بھی اسی مدرسہ
کو اسی انداز پر چلانے کا تھا۔ شاید حالات کی ناسازگاری اور مسلمانوں
کی بے توجہی کا شکار ہوا بحمداللہ کہ اب اسی عمارت میں کچھ تغیرات
کرکے عزیزی سید قاسم حسن سلمہ (سابق ایم۔ ایل۔ اے) نے سید شبیر حسن
میموریل اسکول قائم کردیا ہے جو فی الحال مسلمان بچوں کی تعلیم
کا ایک حد تک کفیل ہے
۷۔ کوٹھی سید ابوالحسن :۔ اب آیئے پھر میاں ٹولہ کیطرف چلیں۔
واپس ہوتے ہوئے داہنے ہاتھ پر آپ کو حضرت ملا عبدالرسول کی درگاہ
کے بالکل سامنے ایک عالیشان کوٹھی کے کھنڈر نظر آئیں گے۔ یہ عمارت

مزارات شاہ ابونجیب دانشمندؒ
وملا عبدالغفور دانشمندؒ

عمارت شہید مالٹا سید نصرت حسین
ہائر سکنڈری اسکول،
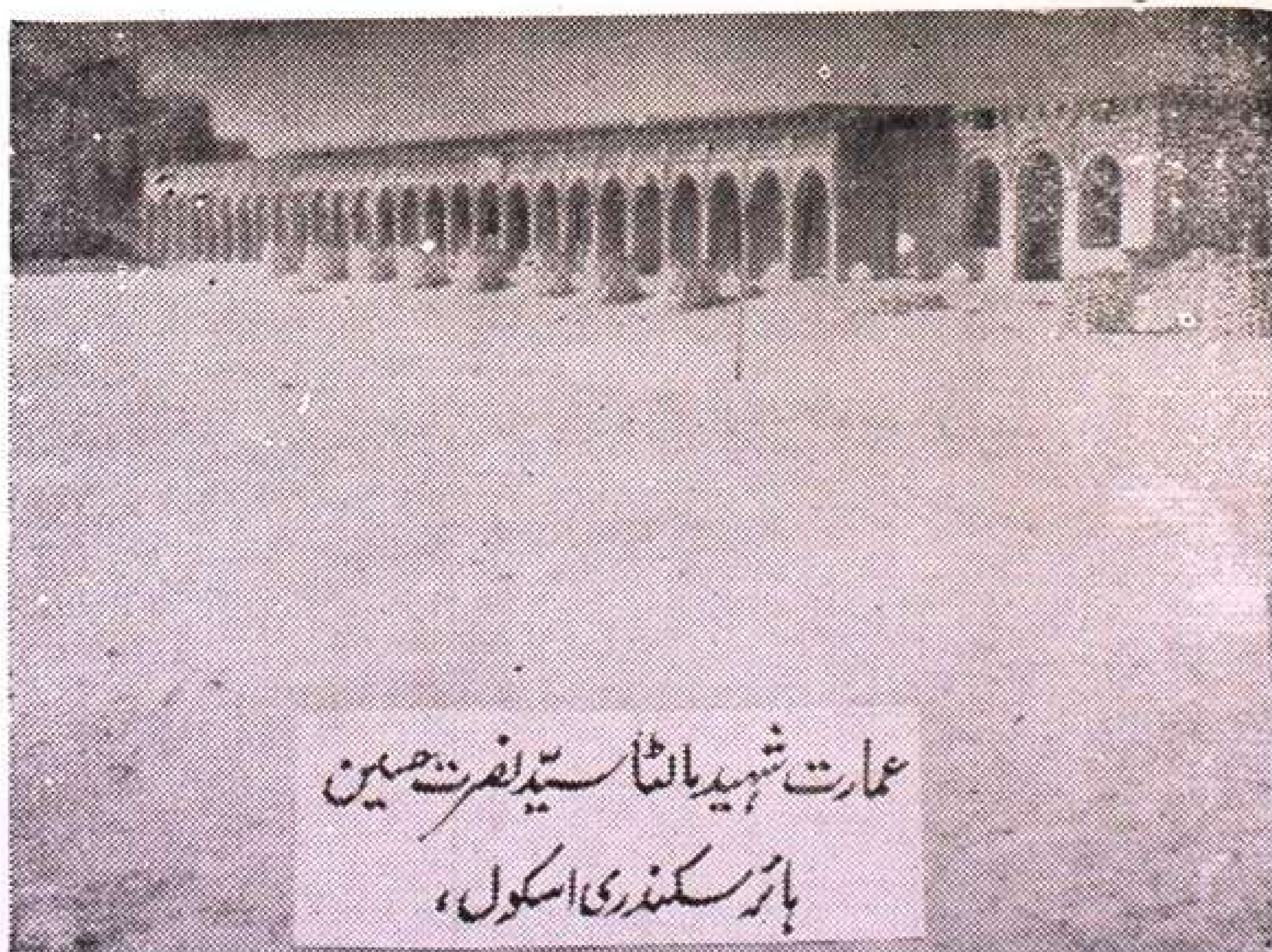
سید ابوالحسن مدار المہام ریاست مرشد آباد کی تعمیر کردہ ہے جواب ویران ہے اور کھنڈر کی شکل اختیار کرلی ہے۔

۸۔ امام باڑہ:۔ انہی سید ابوالحسن کا تعمیر کردہ بڑے کنوئیں سے ذرا سا آگے چل کر حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے متصل آصفی طرز تعمیر پر ایک چھوٹا سا امام باڑہ بھی ہے جس کے سامنے ایک حوض بھی بنا ہوا ہے۔ یہ بھی اب ویران ہے اس عمارت میں کبھی حافظ امجد حسین عباسی اور مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ بھی رہا ہے یہ دونوں حضرات اسی عمارت میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

۹۔ قلعہ اور مسجد قلعہ:۔ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ کی درگاہ سے ذرا آگے بڑھیئے۔ شمال مشرق کی طرف نظر ڈالیئے سیکڑوں میدانی نشیب و فراز کے بعد ایک بلند مربع ٹیلہ سا نظر آئے گا جس کے وسط میں ایک خوبصورت سی مسجد اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی شہادت دیتی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ راجہ کالنگ دیو کا بنوایا ہوا قلعہ تھا جو اب ٹیکرہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے اس کے چاروں گوشے آج بھی چار برجوں کی غمازی کر رہے ہیں۔ راقم الحروف کے بچپن میں یہاں بہت گھنا جنگل تھا اور جھاڑ جھنکاڑ کے درمیان بعض شکستہ عمارتیں تھیں واقف کاروں نے یہاں ایک "رنگ محل" کی بھی نشاندہی کی تھی مگر اب یہ میدان ہے عمارتوں کے بیشتر آثار ختم ہو گئے ہیں۔ اس جنگل میں "گھونگچی" اور "اصل السوس" کے درخت بھی دیکھے تھے ذرا تاریخ پر نظر ڈالیئے۔ اس قلعہ کی تعمیر سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں راجہ کالنگ دیو پسر راجہ رتن سین

نے کی تھی؎ اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں راجہ نکے سنگھ عرف بجلی خاں کو یہ قلعہ از روئے دستاویز دیا گیا تھا۔ جس پر انگریزوں کے عمل دخل سے پہلے تک بجلی خاں کی اولاد قابض و متصرف رہی بجلی خاں نے اس قلعہ میں مسجد تعمیر کرائی تھی۔ جس میں سلطان سکندر لودھی کے عہد میں حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتحپور سے تشریف لاکر قیام فرمایا تھا؎۲ اور ۱۱۹۳ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی محراب پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

یُذکَرَ فِیہَا اسمُ اللہ

یہ عہد شاہ عالم مغل تاجدار کا ہے مسجد کا دروازہ شمال رویہ ہے اندر داخل ہوتے ہی سامنے حوض ہے جنوبی سمت میں دو کمرے ہیں شمالی کونہ پر ایک کنواں ہے جس کے متعلق یہ روایت مشہور رہی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں قلعہ کے محافظوں نے تحصیلدار کو قتل کرکے خزانہ لوٹ لیا تھا اور انگریزوں سے اپنا جرم چھپانے کیلئے سارے اسلحہ اس کنویں میں ڈال دیئے تھے۔ یہ میواتی مسلمان تھے۔ جن کو بعد میں مُلّا لطف اللہ کی مسجد کے سامنے۔ املی کے درختوں پر پھانسی دی گئی۔ اب صحن سے گذر کر مسجد کی طرف آئیے لکھوری اینٹ کے فرش پر مصلے بنے نظر آئیں گے جن کا سلسلہ صحن سے لیکر اندرون مسجد تک ہے۔

یہ قلعہ ہمیشہ سرکاری استعمال میں رہا۔ اس میں تحصیل بھی رہی اور بعد میں سلاٹر ہاؤس بھی رہا۔ یہ قلعہ تقریباً بچاس بیگھہ آراضی پر مشتمل ہے۔

؎ شجرہ گوتم راجپوت

؎۲ بحر زخار بحوالہ بیاض الاولیاء

اور اب عدالت کے فیصلے کے مطابق بجلی خاں کی نسل میں جلال الدین صاحب کے تصرف میں ہے۔ اس کے شمالی سمت میں چلئے جھیروں کے نیچے دیکھئے ایک پل کے نشانات نظر آئیں گے۔ جس کے دراب بند ہو گئے ہیں اور جس کے دونوں طرف اب کاشت ہونے لگی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ دریائے رند پہلے اسی طرف رواں تھا اس نے اپنا رخ بدل دیا تو یہ پل بیکار ہو گیا۔

۱۰۔ خانقاہ حضرت جُنید:۔ یہ حضرت شاہ جُنید کی خانقاہ مسجد اور مزار ہے ان کی شخصیت تاریخ کی تہ بہ تہ پردوں میں مستور رہی ہے۔ محراب پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جو اس قدر خستہ ہو چکا ہے کہ صاف پڑھا بھی نہیں جاتا۔ تاہم حضرت شاہ جُنید کے عہد کی نشاندہی تو کر ہی دیتا ہے۔ جو الفاظ پڑھے گئے ہیں وہ ذیل میں درج ہیں اور جو عبارت نہیں پڑھی جا سکی اس پر نقطے لگا دیئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

...... ست شد ریز سر پرستی

....

.... بہ قرب سنہ ۱۱۹۱ ھجری

۱۱۔ مسجد مدرسہ خانقاہ: اب آئیے میاں ٹولہ سے جنوب کی طرف چلیں حضرت شاہ جمال اولیاءؒ:۔ یہ قطعہ زمین آج بھی انوار و برکات کا محیط ہے۔ یہاں پہونچکر روح کو سرور اور قلب کو انبساط حاصل ہوتا ہے۔ اس جگہ حضرت شاہ جمال اولیاءؒ کی چند یادگاریں ہیں مسجد

حجرہ، مکان تو مادی یادگار ہیں اور مدرسہ روحانی یادگار ہے۔ مسجد، مدرسہ اور مکان عہد جہانگیری کی تعمیر ہیں۔ مکان بار بار منہدم ہوا۔ اور بار بار کچھ تغیرات کے ساتھ تعمیر ہوا۔ اپنی اصل ہیئت پر نہیں۔ مسجد اپنی اصل ہیئت پر ہے۔ لیکن اس میں کچھ ضروری اضافے ہوتے رہے ہیں۔ مدرسہ بھی اپنی اصلی ہیئت پر ہے حجرہ کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا تھا۔ اب تعمیر ہو گیا حجرہ کا دروازہ برآمدہ میں کھلتا ہے اس حجرہ سے متصل مدرسہ کی عمارت ہے۔ جس پر صدیاں گذر چکی ہیں۔ گو اب نہ وہ نظام ہے نہ وہ تعلیم پھر بھی مخدوم زادگان نے اس کو کسی نہ کسی طرح قائم رکھا۔ یہی وہ مدرسہ ہے جہاں سے علم و فضل اور رشد و ہدایت کے چشمے جاری ہوئے تھے اُسی کے فرش خاکی سے سید محمد کالپوی، محمد جُنید پھلواروی، رشید ابن مصطفیٰ جونپوری (صاحب رشیدیہ) مُلّا عبدالرسول کوڑوی، مُلّا لطف اللہ کوڑوی جیسے سرآمد روزگار علماء اُٹھے کسی نے کالپی میں شمع علم فروزاں کی کسی نے پھلواری میں کسی نے جونپور میں بساط علم بچھائی۔ کسی نے کوڑہ ہی میں اپنا دائرہ عمل محدود رکھا۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے جب حضرت شاہ جمال اولیاءؒ بقید حیات تھے۔ اس مدرسہ کا فیضان بعد میں بھی جاری رہا۔ سارے ہی مخدوم زادوں نے اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی دور حاضر میں مولانا سید شاہ وارث حسنؒ، مولانا حکیم سید نصرت حسینؒ شہید بالاٹا، مولانا سید محمد عبدالحیؒ۔ حضرت شاہ جمال اولیاءؒ کے انتقال کے صدیوں بعد اسی مدرسہ کی ٹاٹ پٹی سے اُٹھے اور اپنے دینی و ملی خدمات سے ملک میں ایک مقام حاصل کیا۔

بیئ الاسلام کے دورعروج میں کوشش کی گئی کہ عربی تعلیم کا نظام
پھر بنایا جائے، لیکن حالات کی نامساعدت کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی
مکتب ہی کی شکل میں سہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا علمی فیضان صدیاں گذر جانے
کے بعد آج بھی جاری ہے ہندوستان کے قدیم سے قدیم مدارس کی تاریخ
اٹھا کر دیکھی جائے اس مدرسہ سے زیادہ قدیم مدرسہ شاید نہ مل سکے۔
ہر جمعہ اور نماز عید سے جب آپ فارغ ہوں گے تو آپ دیکھیں گے کہ
نمازیوں کے گروہ کے گروہ مسجد کے شمال مشرق میں ایک عمارت کی طرف بڑھ
رہے ہیں یہ عمارت حضرت شاہ جمال اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ ہے ۔
جس میں وہ خود بھی آسودۂ خواب ہیں۔ اور کچھ خدام و اعزا بھی محو
استراحت ہیں۔ نمازیوں کے ہلتے ہوئے لب اور اٹھے ہوئے ہاتھ ایصال
ثواب اور فاتحہ کی شکل میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و روحانی کارناموں
کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

۱۲۔ مسجد و مدرسہ مُلّا لطف اللہ :۔ اب یہاں سے چل کر مغل روڈ
پر آجائیے۔ جانب مغرب سڑک ہی سڑک پہ چلئے۔ نہر کراس
کر کے۔ املی کے چند درخت نظر آ رہے ہیں۔ بائیں طرف ایک
چھوٹی سی مسجد اور اس کے بائیں ایک مقبرہ نظر آئے گا۔ یہ مسجد
مُلّا لطف اللہ کوڑوی کے مدرسے کی مسجد ہے مدرسہ تو مٹ گیا، مسجد کی
شکل میں اللہ کا نام باقی ہے۔ یہاں وہ مدرسہ تھا جس کے فرش خاکی
سے مُلّا جیون صاحب نورالانوار و تفسیرات احمدیہ، مُلّا علی اصغر
قنوجی قاضی علیم اللہ کچندوی جیسے اصحاب ظاہر و باطن اُٹھے جن کے
تذکروں سے سیر و سوانح کی کتابیں مزین ہیں جن کے علم و ذہانت

کے چرچے عام ہیں اس مسجد کی تعمیر عہد شاہ جہانی میں ہوئی۔ کتبہ پوری طرح نہیں پڑھا جا سکا۔ جیسا کچھ پڑھا گیا وہ ہدیۂ ناظرین ہے

ھو حق مبین

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

من بنی مسجد اللہ بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنہ

در عہد شاہجہاں صاحب قرآن ثانی۔ بانی مسجد نور محمد

فضل رحمانی ۱۰۶۵ھ در مدرسہ لطف اللہ ....

مسجد کے پاس ایک چو دروازہ مسقف مقبرہ نظر آئے گا۔ اندر خام قبر نظر آئے گی۔ یہ قبر ہے حضرت ملا لطف اللہ کوڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی آیئے ان کی روح کو ایصال ثواب کریں اور آگے بڑھیں

۱۳۔ مسجد جوہر خاں :- جوہر خاں کون تھے؟ کیا تھے؟ ان کی شخصیت زمانے کے دبیز پردوں میں مستور ہے۔ البتہ نام کی بنائی ہوئی مسجد قائم ہے اس کا کتبہ تعمیر کرانے والے کا نام کا غماز گو صاف طور پر پڑھا نہیں جا سکا۔ جو کچھ پڑھا جا سکا وہ حاضر ہے

اللہ اکبر

قطعہ :-

کرد مسجد بنا جوہر خاں | بربست رفیع عالی شاں
روز شنبہ و چہار دھم | ماہ اول ربیع سعد زماں
سال اول دراعہد دیں پرور | شاہ عالم خسبار رحماں

۱۲۱۹ھ

۱۴۔ بارہ دری میاں الماس :- مدرسہ ملا لطف اللہ سے

ذرا سا آگے بڑھیے آپ کو ایک عالیشان عمارت نظر آئے گی سڑک سے ملحق قد آدم چہار دیواری تھی جس کے اندر امرود کا باغ تھا۔ باغ تو موجود ہے۔ لیکن چہار دیواری ختم ہوگئی۔ سامنے ہی ایک عالیشان خوبصورت پھاٹک نظر آئے گا۔ یہ پھاٹک دو منزلہ ہے اس کے دونوں پہلوؤں میں کمرے اور زینے بنے ہوئے ہیں۔ یہ پھاٹک بارہ دری کی اصل عمارت کا دروازہ ہے اس پھاٹک کے دونوں پہلوؤں سے قد آدم سے زائد اونچی دیوار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو مربع زاویہ بناتا ہوا جنوب کی جانب مڑ کر بارہ دری کی اصل عمارت سے متصل ہو جاتا ہے۔ پھاٹک کے اندر داخل ہوئیے سامنے خاصے فاصلے پر بارہ دری نظر آئے گی اندرونی دونوں پہلوؤں سے اوپر جانے کے لئے زینے بنے ہوئے ہیں نچلی منزل کھلے دروں کے کمروں پر مشتمل ہے اوپر چڑھیئے یہ پہلی منزل ہے جو ایک بڑے صحن، دالان اور صحنچیوں پر مشتمل ہے مغرب و مشرق کی سمت دوسری منزل پر جانے کے لئے زینے ہیں یہ منزل بھی ایک بہت بڑے ہال اور صحنچیوں پر مشتمل ہے اسی طرح اوپر جانے کے لئے زینے ہیں۔ یہ بارہ دری کی کھلی چھت ہے۔ یہ لکھنؤ کا اودھ شاہی طرز تعمیر ہے یہ بارہ دری نواب وزیر اودھ کے ایک نمک خوار میاں الماس کی بنوائی ہوئی ہے۔ لکھنؤ میں انہی کا بنوایا ہوا ٹھاکر گنج کے آگے ایک باغ بھی تھا جو اب اینٹوں کے بھٹے کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔

الماس علی خان نواب آصف الدولہ کے محل نواب سعادت علی

خاں کے دور تک سرکار (چکلہ) کوڑہ کے صوبہ دار رہے۔ ان کو نواب وزیر اودھ کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔

جہان آباد

اب تک آپ کوڑہ کی سرزمین پر تھے اب جہان آباد کی طرف چلئے جہاں مخدوم زادگان کی بعض یادگاریں شکستہ حالت میں ابھی اب بھی موجود ہیں۔ پہلے جہان آباد کی وجہ تسمیہ اور اس کی تاریخی حیثیت سمجھ لیجئے۔

کوڑہ جہان آباد کے پڑھے لکھے لوگوں میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اس بستی کا اصل نام "شاہجہان آباد خالصہ" تھا "خالصہ" کا اصطلاحی لفظ لگ جانے کی وجہ سے بہت لوگ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس کو شاہجہاں بادشاہ نے خود آباد کرایا تھا۔

شاہ عبدالہادیؒ (سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ جمال اولیاءؒ) کا ایک مضمون ماہنامہ "عرفان"[1] میں شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے جہان آباد کا اصل نام "شاہجہان آباد خالصہ" تحریر کیا۔ نیز یہ کہ سرکاری کاغذات میں اس بستی کا نام "شاہجہان آباد خالصہ" اب بھی لکھا جاتا ہے۔[2]

---

[1] جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے دور عروج میں مولانا سید محمد عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ ناظم جمعیۃ ہٰذا نے جد وجہد کر کے حضرت شاہ جمال اولیاءؒ کے مدرسہ میں عربی سکشن زمانہ دراز کے بعد قائم کیا تھا جس کے پہلے مدرس مولانا محمد یونس بارہ بنکوی تھے جنھوں نے اپنے کوڑہ کے دوران قیام ایک رسالہ ماہنامہ "عرفان" نامی ۱۹۳۲ء میں جاری کیا تھا سید شاہ واعظ حسنؒ جس کے معاون مدیر تھے۔ [2] ماہنامہ "عرفان" مجریہ از قصبہ کوڑہ ۱۹۳۲ء

لیکن وہ یہ نہیں لکھ سکے کہ یہ بستی کس نے آباد کی؟ اس کا نام شاہجہان آباد کیوں رکھا گیا اور اس کو "خالصہ" کیوں لکھا جاتا ہے؟

جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ اس بستی کو شاہجہاں نے بسایا، تاریخی اعتبار سے غلط ہے، سلاطین دہلی نے جب جب کوئی بستی آباد کی یا بسائی تو اس کا تذکرہ تاریخ کے اوراق میں ضرور آیا اور اس بستی کے بسائے جانے کے وجوہ و اسباب بھی لکھے گئے لیکن "جہان آباد" کے بسائے جانے کا کوئی تذکرہ شاہجہاں کی جانب منسوب تاریخی کتابوں میں موجود نہیں اور "شاہجہاں" اپنے دور حکومت میں مشرقی دوآبہ گنگ وجمن کی جانب آیا ہی نہیں کہ جسکی آمد کو اس بستی کے بسائے جانے کی وجہ قرار دیا جاسکتا۔

اصل واقعہ

شجرہ گوتم راجگان کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بجے سنگھ عرف بجلی خاں نے اپنے بھائی دیوپال دیو کے خلاف فیروز شاہ تغلق کی فوجی امداد سے جنگ کر کے ارگل اسٹیٹ پر قبضہ کر لیا تھا، بجلی خاں نے موجودہ جہان آباد کے قریب موضع مڑہی میں خام قلعہ بنا کر اپنے بعض اعزا کو ارگل سے لاکر آباد کر دیا تھا اور خود مع اہل وعیال کوڑہ کے قلعہ میں مقیم ہو گیا تھا اس طرح پوری ارگل اسٹیٹ اس کے قبضہ میں آگئی تھی۔

لیکن مقتول راجہ دیوپال دیو کے لڑکے مان دیو نے جوار کے دوسرے راجاؤں سے مدد لیکر پھر ارگل پر قبضہ کر کے اس کو اپنا مستقر بنالیا، دیوپال دیو اور بجلی خاں کے لڑکوں میں کئی بار مقابلے ہوئے لیکن بجلی خاں کی اولاد ہر بار شکست کھاتی رہی مجبوراً عہد شاہجہانی میں خان جہاں

خان نے شاہجہاں سے فوجی مدد حاصل کر کے پھر پوری اسٹیٹ پر قبضہ کرلیا۔[1]

افغان جہاں خان کی احسان شناسی اور احسان پذیری کا تقاضہ تھا کہ اس نے موضع شرہی کے قریب اپنے محسن شہنشاہ ہند شاہجہاں کے نام پر "شاہجہان آباد" نامی بستی بسائی۔ جسمیں شاہجہاں کے سب سے بڑے بیٹے دارا شکوہ اور سب سے چھوٹے بیٹے اورنگ زیب کے نام پر دو محلے دارا گنج اور اورنگ آباد آباد ہوئے ہیں۔

خالصہ خالصہ اُس جائیداد، مقام، آراضی وغیرہ کو کہتے ہیں جس کے مداخل و مخارج صرف بادشاہ کے قبض و تصرف میں رہتے ہوں اس کی آمدنی ملکی خزانہ سے تعلق نہ رکھتی ہو بلکہ بادشاہ کی جیب میں جاتی ہو۔ ظاہر ہے کہ "شاہجہان آباد" کے مداخل و مخارج شاہجہاں کے قبض و تصرف میں نہیں تھے اس کے محاصل ملکی خزانہ میں جاتے تھے۔ اس لئے اس خالصہ کو شاہجہاں کا خالصہ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر یہ مقام کس کا خالصہ تھا اس کو تاریخ میں تلاش کرنا پڑیگا۔

میں آپ کی توجہ اس معاہدہ کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب شجاع الدولہ کے درمیان ۱۷۶۵ء میں ہوا تھا مورخ کی عبارت پڑھئے!۔

"بنائے مصالحت ان امور پر قرار پائی کہ شجاع الدولہ اپنے ملک پر کہ جو ان کے قبضہ میں پہلے تھا فرمانروائی کریں فقط الہ آباد اور کوڑہ کے

---

[1] شجرہ راجگان گوتم

مقبرہ حضرت ملا لطف اللہ کوڑوی رح
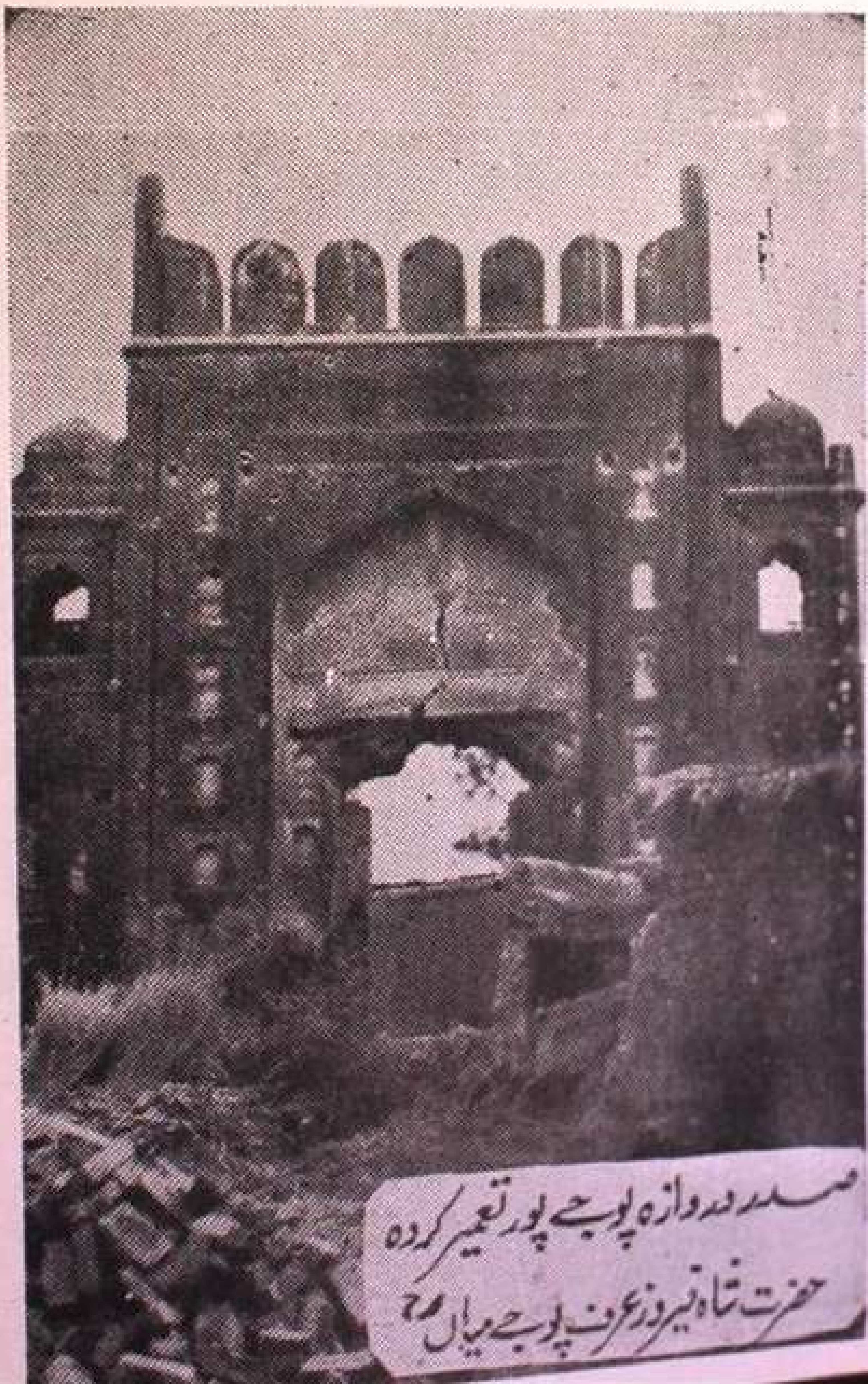
صدر دروازہ پوچے پور تعمیر کردہ
حضرت شاہ فیروز عرف پوچے میاں رح

اضلاع بادشاہ کی مدد معاش میں دے دیئے جائیں، چنانچہ شاہ عالم بادشاہ کو کوڑہ اور الہ آباد کے اضلاع دے دیئے گئے جن کی آمدنی اڑتالیس لاکھ روپے سالانہ شنگرف نامہ میں بتائی ہے۔ [1]

یوں "شاہجہان آباد" شاہ عالم بادشاہ کا خالصہ قرار پایا اور سرکاری کاغذات میں "شاہجہان آباد خالصہ" لکھا جانے لگا۔ عام استعمال میں تکلف و دقت کی وجہ سے "شاہ" کا لفظ حذف ہو گیا، صرف "جہان آباد" رہ گیا۔

سرزمین "جہان آباد" پر مخدوم زادوں کی تعمیرات کا سرسری جائزہ پیش ہے:-

خانقاہ و مدرسہ ملا محمد واصل رح

ملا محمد واصل حضرت شاہ خرم رح کے صاحبزادے شاہ محمد ہاشم کے پوتے جہان آباد کے آباد ہو جانے کے بعد کوڑہ سے جہان آباد منتقل ہو گئے۔ محلہ ملک پور میں ایک مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرائی۔ بلاغت و تفسیر میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ دور دراز سے آنے والے طالبین نے استفادہ کیا۔ غرباء و مساکین کے لیے لنگر بھی چلتا تھا جس میں شیر مال تقسیم ہوتی تھی۔

مدرسہ و خانقاہ کی عمارتیں انتہائی پر شوکت اور مخدوم زادگان کے تعمیری ذوق کا پتہ دیتی ہیں۔ افسوس کہ دستبرد زمانہ نے ان کی اصل

---

[1] تاریخ اودھ نجم الغنی جلد دوم ص ۱۲۱

ہیئت ختم کر دی۔ ان ہی عمارتوں کے وسط میں ملا محمد واصلؒ آسودہ خواب ہیں۔ رحمہ اللہ

مدرسہ و عیدگاہ ملا ابو سعید دانشمندؒ

شاہ بہار الدین کی نسل میں شاہ خرمؒ کے صاحبزادے اور ملا محمد واصلؒ کے بھائی تھے یہ بھی نو آباد جہان آباد منتقل ہوئے مدرسہ و خانقاہ تعمیر کرائی۔ یہ بھی اپنے دور کے بہت بڑے فاضل اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ان کے لنگر خانہ میں خمیری روٹی تقسیم ہوتی تھی۔

یہ ساری عمارتیں تو منہدم ہو کر زمین دوز ہو گئیں۔ اللہ نام کی تعمیر کی ہوئی عیدگاہ آج بھی قائم و برقرار ہے جسمیں صدیوں سے جہان آباد کے مسلمان عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں۔

راقم سطور کے بچپن میں عیدین کی نماز پڑھانے کے لیئے مخدوم زادے ہی جایا کرتے تھے اب جہان آباد کے مسلمان خود ہی امام و امامت کا نظم کرتے ہیں۔

پوجے پور

حضرت شاہ علاء الدینؒ مصنف "سیر سالاری" کی نسل میں حضرت شاہ جلالؒ کے صاحبزادے شاہ فیروزؒ باکمال اور صاحب نسبت بزرگ تھے بڑے ان کو پوجے میاں اور چھوٹے پوجے بابا کہتے تھے۔

جہان آباد نامی بستی آباد ہونے کے بعد مخدوم زادوں میں سب سے پہلے شاہ فیروزؒ ہی منتقل ہوئے لیکن ایسی جگہ منتقل ہوئے جو جہان آباد سے متصل بھی تھی اور الگ بھی جس کی وجہ سے اس مقام کا نام پوجے پور

امام باڑہ حیدر بخش جہان آباد

قلعہ سُرہی جہان آباد

ہو گیا۔ انھوں نے یہاں کئی عمارتیں تعمیر کرائیں جو کھنڈر بن گئیں پوجے پور
کا اصل گیٹ اب بھی موجود اور سرد و گرم زمانہ کے اثرات کا غماز ہے
بائی پاس روڈ سے بس اسٹیشن آتے جاتے یہ گیٹ دیکھا جا سکتا ہے
اس ضمن میں ایک نو مسلم شیعہ منا لال عرف حیدر بخش کی تعمیر
کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا جس کا جائے وقوع جہان آباد ہی ہے اور
اودھ شاہی دور میں جس کی شخصیت بہت با اثر تھی ۔

۱۵۔ امام باڑہ حیدر بخش :۔ جہان آباد کے محلہ ملا کا پور میں حیدر
بخش کا بنوایا ہوا ایک امام باڑہ اصفی امام باڑہ کے طرز پر ہے اس سے
ملحق ایک مسجد بھی۔ یہ دونوں عمارتیں شیعہ حضرات کے قبضہ
میں ہیں۔ جہاں محرم کے مراسم ادا ہوتے ہیں۔ ان عمارتوں پر کوئی کتبہ
نہیں جس سے تاریخ تعمیر معلوم ہو سکتی ۔

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چار صاحبزادے

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چار صاحبزادے اور دو بیٹیاں تھیں صاحبزادگان میں سیدنا علی اکبرؓ، سیدنا علی اصغر، سیدنا جعفرؓ اور سیدنا عبداللہ تھے صاحبزادیوں میں سیدہ سکینہؓ اور سیدہ فاطمہؓ تھیں۔

سیدنا علی اکبرؓ تو اپنے والدگرامی سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہو گئے، سیدنا علی اصغر اپنی علالت کی وجہ سے اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکے، اس لئے بچ گئے اور مدینہ منورہ میں انھوں نے اقامت اختیار کی، سیدنا علی اصغر ہی کو زین العابدین بھی کہا جاتا ہے، حسینی خانوادوں کا سلسلۂ نسب زیادہ تر سیدنا زین العابدین ہی سے ملتا ہے،

ولیس علی وجہ الارض	روئے زمین پر کوئی حسینی ایسا نہیں
من حسینی الا وینتھی عقبہ	جس کا سلسلہ نسب امام زین العابدین
للامام زین العابدین[1]	تک نہ پہونچتا ہو۔

سیدنا حضرت زین العابدین

سیدنا زین العابدین کے چھ صاحبزادے محمد باقر، عبداللہ الباہر زید شہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر، علی الاکبر تھے، اس تحریر کا تعلق سیدنا زین العابدین کے دو صاحبزادگان سیدنا محمد باقر اور سیدنا زید شہید سے ہے رحمہم اللہ

سیدنا حضرت زید شہید

سیدنا زید شہید ہشام بن الملک کے عہد خلافت میں بمقام کوفہ ۱۲۲ھ میں شہید ہوئے آپ کے چار صاحبزادے تھے، یحیی حسین ذوالدمعہ، عیسی موتم الاشبال

[1] صحاح الاخبار ص۱۳

محمد، سادات کے جس دوسرے خانوادہ کا اس تحریر میں ذکر ہے اس کا تعلق سیدنا حسین ذوالدمعہ سے ہے[۱]۔

قریہ عُریض سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ۶۱ھ میں شہادت ہوئی، اور اگلی ۶۲ھ میں عثمان بن محمد عامل مدینہ نے دس افراد کا انتخاب کر کے دمشق بھیجا، اس وفد میں جو لوگ شریک تھے انھوں نے واپس آکر بنو امیہ کی مخالفت شروع کر دی اور باہم رائے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ سیدنا علی زین العابدین سے خلافت کی بیعت کرلی جائے۔ لیکن سب مل کر جب سیدنا زین العابدین کے پاس پہونچے اور صورت حال بتا کر بیعت کی درخواست کی تو سیدنا زین العابدین نے انکار کر دیا، فتنہ کی بو محسوس کر کے مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلہ پر قریہ عُریض میں منتقل ہو گئے[۲]۔

اسی قریہ عریض میں سیدنا زین العابدینؓ کے پوتے سیدنا جعفر صادقؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے سیدنا ابوالحسن علی نے سکونت اختیار کرلی اسی نسبت سے ان کو اور ان کے اعقاب کو عریضی کہا جاتا ہے۔

سیدنا ابوالحسن علی عریضی سیدنا ابوالحسن علی عریضی بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے انھوں نے حدیث کی روایت سیدنا موسیٰ کاظم اور سیدنا حسین ذوالدمعہ سے کی[۳]۔

سیدنا علی عریضی کی اولاد شاخ در شاخ پھیلی جن کی ایک بڑی جماعت عراق، شام، یمن، حجاز، کے علاوہ شیراز، دینور، اہواز اور واسط میں تھی، ان کے قبیلہ میں بہت اچھے اچھے افراد پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ

---

[۱] صحاح الاخبار ص۲۷ [۲] تاریخ اسلام حصہ دوم ص۸۴ و ۸۵ [۳] صحاح الاخبار ص۲۸

نے جن کو توفیقات خاص سے نوازا :-

وقد انجبت قبیلتھم بالکثیر	ان کے قبیلہ نے بہت اچھے
الطیب واید اللہ عصابتھم	لوگ پیدا کئے اور اللہ نے انکی جماعت
بالتوفیق	کو توفیقات خاص سے نوازا

سید ابوالفرج عُریضی سیدنا حسین ذوالدمعہ بن سیدنا زید شہید رضؓ کی ساتویں پشت میں سید ابوالفرج ابی قریہ عریض میں آکر آباد ہو گئے جس کی وجہ سے یہ بھی عریضی کہلائے، یہ دونوں خانوادے سادات کرام کی نقابت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے

سیدنا علی عُریضی کے اعقاب سیدنا علی عریضی کے چار صاحبزادے تھے، محمد، احمد الشعرانی، حسن جعفر اصغر، سب کا تذکرہ مقصود نہیں بڑے صاحبزادے محمد کا تذکرہ مقصود ہے، ان کے پانچ صاحبزادے تھے (۱) عیسیٰ نقیب رومی (۲) یحییٰ، (۳) حسن (۴) جعفر (۵) حسین

سیدنا عیسیٰ نقیب رومی عیسیٰ نقیب کو ان کی سرخ و سفید رنگت آنکھوں کے کرنجی ہونے کی بنا پر رومی کہا جاتا تھا :-

ویقال لہ الرومی لحمرۃ	انکو انکے سرخ و سفید رنگ اور آنکھوں کے
لونہ وزرقۃ عینیہ	کرنجے پن کی وجہ سے رومی کہا جاتا تھا

سیدنا عیسیٰ نقیب رومی کے فرزندوں کی تعداد تیس ۳۰ تھی لیکن گیارہ بیٹوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی صرف انیس ۱۹ بیٹے صاحب اولاد ہوئے، انہی انیس ۱۹

ش صحاح الاخبار ص ۴۸ سے سید ابوالفرج کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا ش صحاح الاخبار ص ۲۴

بیٹوں میں ایک صاحبزادے حسن نامی تھے، قصبہ کوڑہ کے مخدوم زادگان جعفری عریضی انہی کی نسل میں ہیں، حسن کے بارے میں شیخ سراج الدین رفاعی مخزومی تحریر کرتے ہیں :-

واما الحسن فله عقب منتشر ببغداد والشام ومنهم بالكوفة واصفهان	اور حسن کی اولاد بغداد اور شام میں پھیلی انہی میں سے کچھ لوگ کوفہ اور اصفہان میں ہیں۔

شجرہ اوپر جو کچھ میں نے تحریر کیا اس کو شجرہ کی روشنی میں بھی سمجھ لیجئے :-

حسن - بن - عیسیٰ نقیب رومی - بن - محمد - بن ابوالحسن علی عریضی بن - جعفر صادق - بن - سیدنا محمد باقر - بن - سیدنا زین العابدین - بن - سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

انہی حسن بن عیسیٰ نقیب رومی کی نسل میں ایک بزرگ سید شہاب الدینؒ تھے، حسن بن عیسیٰ نقیب رومی تک ان کا شجرہ درج ذیل ہے :-

سید شہاب الدین — بن — سید عماد الدین — بن - رضی الدین - بن - عبدالکریم — بن — جعفر — بن — حمزہ — بن — کاظم —— بن — تقی — بن — حسن — بن عیسیٰ نقیب رومی[۵]۔

سید شہاب الدین پہلے تو روم منتقل ہوئے پھر ۶۲۱ھ میں ہندوستان آئے۔

سید حمزہ اوپر میں لکھ آیا ہوں کہ سیدنا زین العابدین کے کچھ صاحبزادے تھے لیکن میری تحریر کا تعلق صرف دو صاحبزادگان سیدنا

---

۵ شہ صحارج الاخبار ص ۵۲، ص ۹۵ شجرہ قلمی خانوادہ جعفری عریضی

محمد باقرؒ اور سیدنا زید شہید سے ہے، سیدنا محمد باقرؒ کی نسل میں تو سید
شہاب الدین ہوئے اور سیدنا زید شہید کی نسل میں سید حمزہ ہوئے
سید حمزہ کا شجرہ درج ذیل ہے :-

سید حمزہ — بن — سید حامد — بن — سید ابوبکر — بن —
سید جعفر — بن — سید زید — بن — زیاد — بن — سید ابوالفرج
بن — سید حسن زاہد — بن یحییٰ وحید — بن — یحییٰ —
بن — سیدنا حسین ذوالدمعہ — بن — سیدنا زید شہید — بن —
سیدنا علی زین العابدین — بن سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ[1]

اس طرح سید شہاب الدینؒ اور سید حمزہؒ ایک دوسرے کے
چچازاد بھائی یا پھر چچا بھتیجے ہوئے۔

خلافت عباسیہ

خاندان بنو امیہ کے خلفاء جب تک حکمران رہے دمشق تمام عالم اسلام کا ایک ہی مرکز اور دارالخلافہ تھا، بنو امیہ کے بعد ۱۳۲ھ میں بنو عباس کی جب خلافت قائم ہوئی تو ان کی گرفت تمام صوبوں پر کمزور پڑ گئی حتیٰ کہ بنو عباس کے سب سے پہلے خلیفہ عبداللہ سفاح کے عہد سے لے کر مامون الرشید کے عہد تک نئی حکومتیں وجود میں آگئیں مؤرخ کے الفاظ میں سنئے!

"غرض ۱۳۸ھ سے ۲۱۳ھ تک صرف پچھتر سال کے عرصہ میں دولت اموریہ اندلس، دولت ادریسیہ مراقش،

---

[1] تاریخ آئینہ اودھ صـ ۶۹ مجھے شبہ ہے کہ اس شجرہ میں ایک یا دو پشتیں چھوٹ گئی ہیں زبانی اور خطوط کے ذریعہ جستجو کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

دولت اغلبیہ افریقہ، دولت طاہریہ، خراسان، دولت زیادیہ یمن، یعنی پانچ آزاد سلطنتوں کی مامون الرشید عباسی کے زمانہ تک کہ اس وقت تک بنو عباس کی دولت وحکومت ترقی پذیر سمجھی جاتی ہے قائم ہوئی[1]

سلطنت عباسیہ اسی نشیب وفراز اور مدوجزر کا شکار رہی صوبے علیحدہ ہوتے گئے مختلف قبائل وافراد کو دولت وحکومت ملتی گئی اور وہ اپنی اپنی سلطنتیں علیحدہ قائم کرتے گئے۔

خود خلافت کے اندرونی اور داخلی معاملات پر زیادہ تر عجمیوں، غلاموں، ترکوں پھر سلجوقیوں کا غلبہ رہا خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ ان غلبہ حاصل کرنے والوں کے نام بھی خطبہ میں لئے جاتے رہے[2] اور یہ کیفیت اس وقت تک رہی جب تک کہ خلافت عباسیہ کے آخری خلیفہ، مستعصم باللہ کو ۶۵۶ھ میں وزیر سلطنت مؤیدالدین علقمی اور نصیرالدین طوسی جیسے غالی شیعوں نے سازش کرکے چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کے ہاتھوں قتل نہ کرادیا اس طرح بغداد کی عباسی خلافت ختم ہوگئی۔[3]

سلاجقہ خلافت عباسیہ کے بعض خلفاء پر حاوی ہونے والے سلاجقہ بھی تھے ان کی طاقت وقوت اس قدر بڑھی کہ ملک کے اکثر صوبوں پر قابض ہوگئے، سلجوقیوں کی حکومت ۴۲۳ھ سے ۷۰۰ھ تک کم وبیش ڈھائی سو سال قائم رہی ابتدائی زمانہ ان کا

---

[1] تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۴۴۴-۴۴۵ [2] تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۵۷۵

[3] تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۲۱۶

شاندار تھا آخر میں ان کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے ان کا سب سے بڑا سلسلہ وہ تھا جس میں الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی جیسے شہرہ آفاق سلاطین ہوئے جن کو سلاجقہ ایران کہتے ہیں، ان کے علاوہ سلاجقہ کرمان، سلاجقہ عراق، سلاجقہ شام سلاجقہ روم وغیرہ بھی مشہور رہیں [علہ]

سلاجقہ کا مختصر تعارف دقاق عرف تیمور تالیغ ترکستان یعنی دشت قبچاق کے بادشاہ بیغو کے متوسلین میں تھا دقاق کے بیٹے کا نام سلجوق تھا جیند کے مسلمان عامل کی ترغیب سے سلجوق نے دین اسلام قبول کیا، اس کے پانچ لڑکے تھے:

سلجوق

میکائل — اسرائیل — یونس — نیال — موسیٰ

میکائل ایلک خاں کے مقابلہ میں مارا گیا، اسرائیل کو محمود غزنوی نے کالنجر کے قلعہ میں نظر بند کرا دیا تھا، عرصہ کے بعد جس کو رہا کیا گیا۔

میکائل کے دو بیٹے طغرل بیگ، جعفر بیگ، طغرل بیگ نے رے پر حکومت شروع کی اور جعفر بیگ مرو پر قابض ہوا،

طغرل بیگ خلیفہ عباسی بغداد کا مدار المہام تھا ۴۴۷ھ میں بغداد کے اندر خطبہ میں اس کا نام لیا گیا، ۴۵۵ھ میں اس کا انتقال ہوا اس کے بعد اس کا بھتیجہ سلطان الپ ارسلان اس کا جانشین ہوا جس کے بیٹے ملک شاہ سلجوقی نے شام اور مصر کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا، اس طرح خلافت عباسیہ کا یہ مدار المہام رے، مرو، شام، اور مصر کا حکمران ہوا۔

علہ تاریخ اسلام جلد سوم صـ ۴۲۰ تا ۴۲۴

روم

سلطان الپ ارسلان نے سلیمان بن قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق کو ایشیاء کوچک (روم) کا عامل بنا کر بھیجا تھا جس نے وہاں ۴۶۲ھ[۱۲۵] میں جداگانہ حکومت قائم کی اس کی اولاد میں چودہ بادشاہ ہوئے جو سلاجقہ روم کے نام سے مشہور ہیں، ان کا دارالسلطنت قونیہ تھا، یہ لوگ ساتویں ہجری تک حکمراں رہے[۱۲۶]۔

قونیہ، قیصریہ، اقصرا، ملطیہ، جیسے صوبے ان کے قبضے میں تھے بعد میں انطاکیہ پر بھی قبضہ کرلیا تھا[۱۲۷]۔

سلاجقہ روم کی خصوصیات

روم کی یہ سلجوقی حکومت بالعموم روم کی عیسائی سلطنت سے برسر جہاد رہتی تھی سلجوقی کبھی عیسائیوں کو پیچھے ہٹا کر ان کے بعض علاقوں پر قابض ہوجاتے اور کبھی عیسائی سلجوقیوں کو ڈھکیل دیتے تھے۔

سلجوقی نومسلم تھے مگر ان میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ علوی سازشوں سبائی ریشہ دوانیوں سے بالکل پاک تھے انھوں نے دین اسلام کی خدمت کے مواقع خوب پائے سیدھے، سادھے، پکے اور سچے مسلمان تھے، انھوں نے خوب عیسائیوں سے مقابلے کیے اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی شمشیر خاراشگاف کی دہشت و ہیبت پھر قائم کردی اور عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو ایسا دھکا دیا کہ وہ دور تک پیچھے ہٹ گیا[۱۲۸]۔

سلاجقہ روم کی یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی بناء پر روم علما ء و

---

۱۲۵ تاریخ ابن خلدون جلد نہم ص۲۸ و تاریخ اسلام جلد سوم ص۲۴۲ ۱۲۶ تاریخ اسلام ص۲۳۹ تا ص۲۴۲

۱۲۷ تاریخ ابن خلدون جلد نہم ص۹۰ ۱۲۸ تاریخ اسلام جلد دوم ص۵۲۴

فضلاء وسادات ومشائخ نیز مجاہدین فی سبیل اللہ کا مرکز بن گیا۔
صاحب منبع الانساب سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اعقاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ونسل علی وعبد اللہ در روم رند [19]	علی اور عبد اللہ کی نسل کے لوگ روم میں ہیں۔

شیخ سراج الدین مخزومی سید عیسیٰ نقیب رومی کے ایک صاحبزادے سید ہارون کے متعلق لکھتے ہیں :۔

وھرون کان مقیما بمصر ثم دخل بلاد الروم وغاب خبرہ [20]	اور ہارون مصر میں مقیم تھے پھر روم چلے گئے۔ اور مفقود الخبر ہو گئے۔

سید شہاب الدین اور سید حمزہ روم میں سلاجقہ روم ہی کے دور میں سید شہاب الدین اور سید حمزہ روم پہونچے (الف) کب اور کس سال پہونچے؟ (ب) کس بادشاہ کے عہد حکومت میں پہونچے؟ (ج) ہر دو بزرگ خود روم پہونچے یا ان کے اب وجد میں کوئی صاحب پہلے پہونچے اور یہ ان کے ساتھ تھے سید شہاب الدین کے والد سید عماد الدین کے نام کے ساتھ بھی سالار کا خطاب شجرہ میں موجود ہے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ سید عماد الدین کے ہمراہ یہ لوگ بھی روم پہونچے (د) کتنے عرصہ تک روم میں مقیم رہے؟ اس بارہ میں کچھ لکھنا دشوار ہے، بیشتر تذکرہ نگاروں نے بھی اس طرف التفات نہیں کیا۔

[19] منبع الانساب قلمی ص ۱۳ کتب خانہ ندوۃ العلماء [20] صحاح الاخبار ص ۵۳

حضرت شاہ علاء الدینؒ کی تحریر سے صرف اسی قدر سمجھا جاسکتا ہے کہ سید شہاب الدین روم میں کسی فوجی دستہ کے "سالار" تھے، وہ لکھتے ہیں:

سالار شہاب الدین از روم آمدند دانشمند و درویش بودند انعام معاش قبول نہ کردند نان خدمت می خوردند[۲۱]	سالار شہاب الدین روم سے آئے دانشمند درویش تھے انعام معاش قبول نہیں کیا خدمت کرکے گذر بسر کرتے تھے۔

سید حمزہ کے بارے میں صاحب نزہتہ الخواطر تحریر فرماتے ہیں:

کان من عیم الطالبین بارض الروم فان فیها وقدم الهند فی ایام الایلتمش[۲۲]	روم میں آل ابوطالب کے سردار تھے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں روم سے ہندوستان آئے

صاحب منبع الانساب نے سید حمزہ کے متعلق تحریر کیا کہ وہ روم میں میر بخشی تھے :۔

وایشاں در روم نقیب بودند و نقیب در محاورہ روم میر بخشی را می گویند[۲۳]	وہ روم میں نقیب تھے اور روم کی بول چال میں "نقیب" "میر بخشی" کو کہتے ہیں۔

غرض دونوں بزرگ روم کی سلجوقی حکومت کے اہم عہدوں سے منسلک تھے۔

فتنۂ چنگیز اوپر کی سطور کے مطالعہ سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ عباسی سلطنت سیاسی نشیب و فراز کا شکار تھی، صوبے خود مختار ہو گئے تھے، اور باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے، سلطان محمد

---

[۲۱] سیر سالاری قلمی ص۸ [۲۲] نزہتہ الخواطر جلد اول ص۱۴۹ [۲۳] منبع الانساب قلمی ص۴۸

خوارزم شاہ ایران وخراساں، کابل وترکستان وغیرہ ممالک پر قابض ومستولی ہوکر خلافت بغداد کے انہدام وبربادی کے ارادے کر رہا تھا اور براعظم ایشیا میں سب سے زیادہ طاقتور اور زبردست بادشاہ سمجھا جاتا تھا[24]

ادھر چنگیز خاں ایک بڑی طاقت بن کر ابھر رہا تھا، ابتدا میں تو اس نے سلطان محمد خوارزم شاہ سے معاہدہ کر لیا تھا، لیکن چنگیز خاں کو جب اس کی بدعہدی کے مسلسل تجربے ہوئے تو ۶۱۵ھ میں اپنی فوج لے کر ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوا، بخارا، سمرقند، وغیرہ مقامات کو فتح کرکے خراساں میں ہر مقام پر خون کے دریا بہائے، بلخ، ہرات، نیشاپور، ماژندران اکل، رے، قم، ہمدان، قزوین، دبیل، تبریز، طفلیس، مراغہ وغیرہ میں اس طرح قتل عام کیا کہ بچوں اور بوڑھوں کو بھی اماں نہیں دی[25]

روم کی سلجوقی سلطنت

جو خلافت عباسیہ کے امرار کی باہمی کشمکش اور خانہ جنگی سے علٰحدہ رہ کر عیسائیوں سے برسرِ جہاد رہتی تھی چنگیز خاں کی فتنہ جوئی کی وجہ سے اس کی سرحدیں مخدوش ہوگئیں۔ شمالی مغربی سرحد تو عیسائیوں کی وجہ سے پہلے ہی غیر محفوظ تھی، جنوبی مشرقی سرحد سے کسی وقت بھی مغلوں کا حملہ ہو سکتا تھا اس سلطنت کی موجودہ کیفیت کا حال مورخ کی زبان قلم سے سنئے!

"قونیہ کی سلطنت پہلے بہت وسیع تھی اب صورت یہ پیدا ہوگئی تھی کہ ایشیار کوچک کے شمالی مغربی علاقے پر رومیوں نے چیرہ دست ہوکر قبضہ کر لیا تھا اور وہ بتدریج اس سلجوقی سلطنت کے حدود کو محدود

---

[24] تاریخ اسلام جلد سوم صفحہ ۳۶۱   [25] تاریخ اسلام جلد سوم صفحہ ۳۶۶

کرتے اور آگے بڑھتے آتے تھے، دوسری طرف جنوبی و مشرقی علاقے مغلوں کی دست برد نے جدا کر لئے تھے اور وہ دم بدم آگے بڑھ رہے تھے اس طرح سلطنت قونیہ دو پاٹوں کے درمیان پسی جارہی تھی اور محدود ہوتے ہوتے ایک ریاست کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی جس کے بہت جلد فنا ہو جانے کی توقع تھی[۲۶]

چنگیز خاں نے روم کی اس مسلم سلطنت پر حملہ کرنا چاہا تو عیسائیوں نے بھی تیاری شروع کر دی لیکن ان کے تیار ہونے سے پہلے ہی چنگیز خاں کی فوجوں نے اوائل ۶۲۱ھ میں روم پر حملہ کر دیا[۲۷]

غیبی مدد سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے بانی عثمان خاں کا دادا سلیمان خاں آرمینیا کی پہاڑی وادیوں میں اپنی فوج لئے بیٹھا صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا یہ دیکھ کر کہ عیسائی اور مغل سلطنتیں دونوں کا فرہیں اور قونیہ کی اس مسلم سلطنت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس نے اپنے بیٹے ارطغرل کو ۴۴۴ فوجیوں کے ساتھ مقدمہ الجیش بنا کر روانہ کیا خود بعد میں بقیہ فوج لے کر چلا، ارطغرل ٹھیک اس وقت میدان جنگ میں پہونچا جبکہ مسلمانوں کو مغلوں کے مقابلہ پر شکست ہونے والی تھی ارطغرل نے اس بے جگری کے ساتھ مغلوں پر حملہ کیا کہ وہ شکست کھا کر اپنی لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے سلجوقی سلطنت کے بادشاہ سلطان علاء الدین کیقباد نے جو بذات خود اس جنگ میں شریک تھا سلیمان خاں اور ارطغرل کو انعام و اکرام نیز جاگیر سے نوازا[۲۸] اللہ تعالیٰ کی اس امداد و نصرت سے اس موقعہ پر روم کی یہ مسلم سلطنت

۲۶ه تاریخ اسلام جلد سوم صفحہ ۴۴۶ ۲۷ه تاریخ اسلام جلد سوم صفحہ ۴۴۴

۲۸ه تاریخ اسلام حصہ سوم صفحہ ۴۴۴ و صفحہ ۴۴۵

دشمنوں کے ہاتھ لگنے سے بچ گئی لیکن اس کا موجودہ جغرافیائی جائے وقوع اب بھی دو
دشمنوں کے بیچ میں تھا،

مندرجہ بالا واقعات ہی سید شہاب الدین اور سید حمزہ کے روم چھوڑنے کا
سبب بنے۔

ہندوستان

اس دور میں ہندوستان ترقی پذیر مسلم اسٹیٹ کی حیثیت رکھتا
تھا جہاں قطب الدین ایبک (م ۶۰۶ھ / ۱۲۱۰ء) کے بعد سلطان
شمس الدین التمش کی حکومت تھی جس نے ہندوستان کے منتشر اور ضعیف البنیاد اسلامی
مقبوضات کو یکجا کر کے ایک مستقل اور مستحکم سلطنت کے قالب میں ڈھال دیا تھا مشائخ
علماء، زہاد، کی تعظیم میں وہ بادشاہان وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔

جس وقت التمش دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا اس زمانہ میں صدہا علماء و مشائخ
وسط ایشیاء کے حالات سے بددل ہو کر ہندوستان آرہے تھے سلطان جن کا پرجوش
خیر مقدم کرتا اور شاہی مہمان رکھتا تھا۔ اس کی مہمان نوازی مقناطیس کا کام کرتی تھی
بہت سے مشاہیر فن اور بزرگ یہاں آکر بس گئے تھے [۲۵]

شہاب الدین سالار روم اور سید حمزہ نقیب سادات روم کے حالات کے پیش نظر
اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ہندوستان کا رخ کرتے۔ جہاں ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے
بروئے کار آنے کے بھی مواقع تھے۔

"منبع الانساب" کی تحریر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روم سے ہر دو بزرگوں کی روانگی
کی اطلاع سلطان شمس الدین التمش کو ہو گئی تھی، وہ لکھتے ہیں:-

دفتیکہ در سرہند رسید بادشاہ	جب یہ بزرگ سرہند پہونچے ہندوستان
ہندوستان برائے استقبال ایشاں	کا بادشاہ ان کے استقبال کے لئے

[۲۵] ملخص از سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۱۳

پیشتر رفتہ در سرہند ملاقات کردند[۲۹]

پہلے پہونچ گیا اور سرہند میں ملاقات کی۔

منبع الانساب کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں:۔

بعد ازاں بادشاہ ہندوستان از سید سطور گفت کہ ایں سلطنت ہندوستان من نذر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کردیم و ایں تخت حاضر است بنشینید[۳۰]

اس کے بعد بادشاہ نے سید حمزہ سے کہا کہ یہ سلطنت میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کی ہے یہ تخت حاضر ہے آپ اس پر تشریف رکھیں

ان بزرگوں نے جواب دیا:۔

فرمودند کہ ما را سلطنت در کار نیست من برائے جہاد کفاراں آمدہ ام لیکن از شما ایں میخواہیم کہ جائے محفوظ ما را بدہ کہ قبائل و فرزنداں خود را گذاشتہ بطرف سنگلدیپ بر کفاراں خواہیم رفت[۳۱]

فرمایا کہ ہم کو سلطنت نہیں چاہیئے ہم کافروں سے جہاد کیلئے آتے ہیں۔ ہاں تم سے اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ ہم کو کوئی محفوظ مقام دے دو جہاں ساتھی قبیلوں اور بچوں کو چھوڑ کر سنگلدیپ چلے جائیں۔

دوسرے قبائل

یہاں پر ایک بات واضح کردوں یہ تو آپ پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ سید شہاب الدین اور سید حمزہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت کرتے رہے یہ تو معلوم نہیں کہ عریق کے علاوہ اور کہاں کہاں ساتھ رہے اب ہندوستان آئے تو ان حضرات کی سلطان شمس الدین التمش سے جو گفتگو ہوئی اس سے اندازہ ہوا کہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ بعض دوسرے قبائل بھی تھے یہ کون تھے؟

---

[۳۰] منبع الانساب قلمی صہ ۳۸ ۔ [۳۱] منبع الانساب قلمی صہ ۳۸

سید حمزہ نے اپنی گفتگو میں اسکی وضاحت نہیں کی نہ صاحب منبع الانساب نے اس کی جستجو کی شاہ علاء الدین نے سیر سالاری میں یہ تو لکھا کہ :-

چند خلیفہا ئے اکابر کہ ہمراہ بودندو	بڑوں کے چند گھرانے بھی ساتھ تھے
میان خود خویشی و تعلق محبت	اور باہم رشتہ و تعلق و محبت
داشتند نیز ماندند[۳۱]	رکھتے تھے وہ بھی رہ پڑے

لیکن نام انھوں نے بھی نہ بتائے کہ اور کون کون قبیلے تھے، شیخ محمد بن عبدالرحمن فاروقی نے اپنی تحریر میں یہ وضاحت تو کردی کہ زبیری جہاجری نیز فاروقی قبیلے بھی ان دونوں بزرگوں کے ساتھ ساتھ آیا تھا لیکن فاروقی اور زبیری خانوادوں کے سربراہوں کے نام یہ بھی نہ بتا سکے[۳۲]

بہرحال یہ چاروں قبیلے ایک ساتھ ہندوستان پہنچے ایک ساتھ دہلی آئے پھر ایک ساتھ موضع برم سلہ (سلطان پور) میں کئی پشتوں تک رہے پھر فتح پور کی آبادکاری کے موقع پر ایک ساتھ فتح پور منتقل ہوئے، اس وضاحت کے بعد اب آگے پڑھئے۔

سید شہاب الدین سالار رومؒ اور سلطان

سرہند میں چند یوم قیام کے بعد یہ دونوں بزرگ مع اپنے رفقاء اور قبائل کے دہلی پہنچ گئے۔

ان دنوں سلطان شمس الدین التمش بہار و بنگال کو اپنے مقبوضات میں میں شامل کرنا چاہتا تھا جہاں غیاث الدین خلجی حکمراں تھا اس نے اپنے درشورہ میں سید شہاب الدین سالار روم کو بھی شریک کرتا تھا سیادت و بزرگی کے علاوہ انکی حیثیت روم کے ایک تجربہ کار فوجی سربراہ کی تھی جو چنگیز خاں جیسے ظالم و سفاک سے روم میں مقابلہ کر چکے تھے، شاہ علاء الدین تحریر فرماتے ہیں :-

---

[۳۱] سیر سالاری قلمی صہ [۳۲] تحریر شیخ محمد بن عبدالرحمن فاروقی محررہ ۱۱۰۰ھ

پیش سلطان السلاطین محسن خلائق صاحب العدل والتقویٰ سلطان الاعظم سلطان شمس الدین التمش محل خصوصیت داشتند مشورہ خاص ایشاں راہمی پرسیدند[34]	صاحب عدل و تقویٰ سلطان اعظم سلطان شمس الدین التمش کی نظر میں خصوصی مقام رکھتے تھے خاص مشوروں میں وہ بمشورہ ان کو شریک کرتا تھا۔

دہلی سے روانگی بہار و بنگال کا یہ سفر بادشاہ نے ۶۲۲ھ میں شروع کیا[35] سید شہاب الدین سالار رودم اور سید حمزہ مع دوسرے قبائل رفقاء بادشاہ کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے منزل بہ منزل کرتے ٹھہرتے ٹھہراتے جب موجودہ شہر فتحپور سے چار کوس کے فاصلہ پر گنگا کے کنارے موضع " برم سلہ " میں منزل ہوئی تو سید شہاب الدین اور سید حمزہ مع اپنے رفقاء و قبائل کے وہاں رک گئے اور بادشاہ آگے بڑھ گیا۔ شاہ علاء الدین لکھتے ہیں :۔

سلطان را قصد ولایت بنگالہ افتاد در راہ شہر کڑہ می رفت چوں کنارہ لب گنگ در قریہ " برم سلہ " فرود آمد بزرگاں سالار شہاب الدین در سر ایشاں خواندند کہ شہاب الدین تو اینجا باش چند کرسی تو اینجا خواہد بود ، بنا بریں ماندند و سلطان رواں شد[36]	سلطان کا ارادہ بنگالہ جانے کا ہوا شہر کڑہ کے راستہ جارہا تھا جب دریائے گنگا کے کنارے موضع " برم سلہ " میں ٹھہرا تو سالار شہاب الدین کے بزرگوں نے انکے دل میں ڈالا کہ شہاب الدین تم یہیں رہو تمہاری چند پشتیں یہاں ہوں گی اس بنا پر وہ ٹھہر گئے اور سلطان آگے روانہ ہو گیا۔

لیکن سید شہاب الدین کے بزرگوں کی اس ہدایت اور برم سلہ میں ان کے رک جانے کی کوئی اطلاع سلطان کو نہیں تھی جب بادشاہ کڑے پہونچا اور مشورہ کے لئے اسکو سید شہاب الدین کی ضرورت پیش آئی تب اس کو معلوم ہوا کہ وہ " برم سلہ " ہی میں رک گئے

---

[34] سیر سالاری قلمی ص ۵ و [35] تاریخ فرشتہ ص ۲۵۲ [36] سیر سالاری قلمی ص ۶

بادشاہ نے قاصد بھیج کر وجہ دریافت کی تب اس کو واقعہ معلوم ہوا حضرت شاہ علاء الدین لکھتے ہیں:-

چوں در شہر کڑہ رسید فرمود، سالار شہاب الدین را طلبید مشورتے است خبر دادند کہ ایشاں از موضع "برم سلہ" ہمراہ نیستند، فرمان آمد کہ چرا ماندید البتہ بیایند، ایشاں نبشتند کہ از بزرگان چنیں فرمان است نخواہم آمد ترک کردیم۔[۲۹]

جب شہر کڑہ پہونچا تو کہا کہ سالار شہاب الدین کو بلاؤ مشورہ کرنا ہے لوگوں نے بتایا کہ وہ موضع برم سلہ سے ہمراہ نہیں ہیں دریافت کرایا کیوں رک گئے ضرور آؤ سالار شہاب الدین نے معذرت کی اور لکھا کہ بزرگوں کا حکم ہے اب حاضر نہ ہو سکوں گا۔

سید شہاب الدین کی تحریری معذرت کے بعد سلطان تو اپنے سفر پر روانہ ہو گیا، غیاث الدین خلجی کو شکست دے کر بہار و بنگال میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا، اپنے بڑے بیٹے کو ناصر الدین کا خطاب دے کر وہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود دہلی کے لئے واپس ہوا۔[۳۰]

سلطان شمس الدین التمش نے دہلی واپس ہوتے ہوئے پھر موضع برم سلہ میں منزل کی اور کوشش کی کہ سید شہاب الدین کو اپنے ساتھ دہلی لے جائے لیکن انہوں نے معذرت کی، سلطان نے جوار کے چند مواضعات مدد معاش میں دیئے اور سید شہاب الدین نے بادشاہ سے اقامت جمعہ کی اجازت حاصل کی نیز قاضی محتسب کا تقرر کر دیا، اور موضع "برم سلہ" کا نام سلطان پور رکھا۔

اوپر میں نے جو کچھ عرض کیا اس کو سیر سالاری کے مصنف سے بھی سن لیجئے!

---

[۲۹] سیر سالاری قلمی صـ۲۶ [۳۰] تاریخ فرشتہ صـ۲۵۲

الغرض بعد گفتگوئے سلطان در بنگالہ رفت چوں باز گشت ہم بریں راہ گذشت در موضع "برم سلہ" فرود آمد بندگی سالار شہاب الدین را بسیار کوشش کرد کہ ہمراہ بر د اختیار نہ کردند۔[۹۵]

الغرض گفتگو کے بعد سلطان بنگال روانہ ہو گیا۔ واپسی پر اسی راستہ سے گذرا موضع برم سلہ" میں قیام کیا سالار شہاب الدین کو بہت چاہا کہ اپنے ساتھ دہلی لے جائے لیکن انھوں نے قبول نہ کیا

یہ تو پہلی بات ہوئی اب آگے بڑھیے:۔

از حضرت سلطان اذن اقامت جمعہ جستند و سلطان پور نام کردند قاضی و محتسب[۹۶] و خطیب[۹۷] و سائر ارباب برائے اجرار احکام شرع تعین کنانیدند[۹۸]

سلطان سے اقامت جمعہ کی اجازت چاہی "برم سلہ" کا نام سلطان پور رکھا۔ قاضی، محتسب، خطیب، اور دوسرے حکام اجرار احکام شرعیہ کے لئے متعین کرائے۔

سلطان شمس الدین التمش سے یہ ضروری اور اہم کام کرا لینے کے بعد سلطان پور علمار و مشائخ طلبہ و اساتذہ کا ایک مرکز بن گیا۔ شاہ علار الدین سلطان پور کے متعلق لکھتے ہیں:۔

(مجمع) علمار و مشائخ شد![۹۹]

(سلطان پور) علمار و مشائخ کا عظیم مرکز بن گیا

سلطان جب دہلی روانہ ہو گیا تو سید شہاب الدین نے اطراف کے جنگل کٹوا کر زمینوں کو قابل کاشت بنایا اور وہ مواضعات جو فرمان شاہی پر ملے تھے ہمراہی قبائل میں تقسیم کر دیئے، چند مواضعات اپنے حصہ میں بھی رکھے:۔

---

۹۵ سیر سالاری قلمی صفحہ ۱۲۔ ۹۶ سیر سالاری قلمی صفحہ ۔ ۹۷ سیر سالار قلمی صفحہ ۔

گرد و نواحے جنگل بود، میان خویش قسمت کردند، احیا و ساختند، بروره ڈیگہ، کیسا، اسوار و سوبا گرفتند۔

اطراف میں جنگل تھا اس کو آپس میں تقسیم کر دیا زمینوں کو قابل کاشت بنایا، بروره، ڈیگہ، کیسا، اسوار اور سوبا نامی مواضعات اپنے پاس رکھے۔

مالک رقبہ زمین گشتند، بیع و شرار بروجہ جائز جاری شد [۴۲]

بڑے رقبہ زمین کے مالک ہو گئے خرید و فروخت جائز طریقہ سے جاری ہو گئی۔

سید حمزہ

اور سلطان شمس الدین التمش اور سید حمزہ کی گفتگو منبع الانساب کے حوالہ سے آپ پڑھ آئے ہیں اس کے معاً بعد ہی صاحب منبع الانساب تحریر فرماتے ہیں:۔

آخرش بادشاہ شمس الدین کہ شاہ ہندوستان بود او چند دیہہ سلطان پور وغیرہ نذر ایشاں کرد ایشاں در موضع مذکور قلعہ ساختہ شہر آباد کردند [۴۳]

بالآخر بادشاہ شمس الدین نے کہ ہندوستان کا بادشاہ تھا چند مواضعات سلطانپور وغیرہ ان کے نذر کیے انھوں نے اس موضع میں قلعہ بنا کر شہر آباد کر دیا۔

قلعہ کا تو کوئی نشان موضع "برم سلہ" میں موجود نہیں ممکن ہے کوئی خام گو ہی تعمیر کی ہو جو مرور ایام سے زمین دوز ہو گئی ہو۔

سید شہاب الدین کے ہاتھوں سید حمزہ کا مقصد پورا ہو چکا تھا ان کے اہل و عیال و اطفال خورد سال کو جائے محفوظ مل گئی تھی اس لئے وہ اپنے دوسرے ہمراہیوں کے ساتھ سنگدیب روانہ ہو گئے جہاں انھوں نے جہاد کیا اور وہیں وہ بڑے

---

[۴۲] سپہ سالار قلمی ص ۶۵ [۴۳] منبع الانساب ص ۳

بقول صاحب منبع الانساب ان کی اولاد ہندوستان اور سنگلدیپ دونوں جگہ ہے :۔

چنانچہ اولاد ایشاں در ہندوستان و در سنگلدیپ ہم است[۱۱۶]

چنانچہ ان کی اولاد ہندوستان اور سنگلدیپ میں بھی ہے ۔

قحط محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کے عہد حکومت میں تین تین سال کے لئے دو بار قحط پڑا، پہلی بار کے قحط میں مشرقی دوآبہ گنگ وجمن بری طرح متاثر ہوا، بقول فرشتہ "میاں دوآبہ کا زرخیز خطہ بالکل ویران اور غیر آباد ہو گیا، لوگ جنگلوں میں نکل گئے اس پر مستزاد یہ کہ رعایا کی اس مصیبت کو بادشاہ نے بغاوت پر محمول کیا، قنوج ہوتے ہوئے محاصل وصول نہ ہونے کی بنا پر دار و گیر کی اور قتل کی سزائیں دیں"[۱۱۷]

دوسری بار کے قحط میں بادشاہ خود بھی قدرت کی ستم ظریفی سے عاجز آگیا اور قحط کو بلائے آسمانی تصور کرتے ہوئے اس کا سد باب کرنے کے بجائے خود دہلی سے باہر نکل آیا قنوج کے قریب گنگا کے کنارے ایک مقام پر اقامت اختیار کی جس کا نام "سرگدواری" رکھا گیا اور جونپور کے صوبیدار عین الملک نے غلہ، کپڑے، روپے پیسے سے بادشاہ کی مدد کی۔[۱۱۸] پہلی بار کے قحط کے موقع پر سلطان پور بھی متاثر ہوا، وہاں مقیم خانوادوں کے کچھ افراد دوسرے مقامات پر منتقل ہو گئے، حضرت شاہ علاء الدین تحریر فرماتے ہیں :۔

در ایام سیوم کری بحکم اللہ وقضائہ قحط افتاد دو بادشاہ تغلق جا بجا رفت بعضے خلیفہا با چنیں ہول ماندند[۱۱۹]

تیسری پشت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے قحط پڑا اور بادشاہی مخلوق جا بجا بھاگ گئی بعض خانوادے اس خوفناک وقت میں بھی مقیم رہے ۔

---

[۱۱۶] منبع الانساب ص۳۸ [۱۱۷] تاریخ فرشتہ ص۲۳۵ ج۱ ص۲۳۹ ج۱ [۱۱۸] تاریخ فرشتہ ص۲۴۲ ج۱ [۱۱۹] سیر سالاری قلمی ص۷

قحط کی ابتدا سلطان پور میں ان بزرگوں کے آباد ہونے کے تقریباً اکیسویں
سال کے بعد پیش آئی، آئینہ سالاری کی مذکورہ عبارت میں دو جملوں کی طرف توجہ دلانا
چاہتا ہوں "خلق جا بجا رفت" منبع الانساب نے کئی مقامات کے نام لیے ہیں، بہیرہ
اوگاسی، سموتی، نزدرکوٹ اسی قحط کے موقعہ پر سید حمزہ اور دوسرے قبیلوں کے کچھ لوگ
ان مقامات پر جاکر آباد ہو گئے۔

لیکن اس افراتفری اور منتقلی کے باوجود چاروں خانوادوں کے اہم افراد
سلطان پور ہی میں مقیم رہے "بعضے خلق تنہا باچنیں ہول ماند ند" کا مطلب یہی ہے
دلمئو، اوگاسی، سموتی، نزدرکوٹ اور بہیرہ میں سید حمزہ کے اعقاب

ملفوظ قطبی

کی موجودگی کا سبب ملفوظ قطبی کے مرتب، سید لعل محمد قطبی سمجھ
نہ سکے انھوں نے ایک قصہ تصنیف کرکے سلطان پور کی تباہی و بربادی کا سرا سید حمزہ
کے اعقاب کی سلطان پور سے ان مقامات پر منتقلی سے جوڑ دیا، اسی قصہ کو "تذکرۃ السادات"
کے مرتب نے ملفوظ قطبی کے حوالہ سے اپنی کتاب میں شامل کر لیا، دور حاضر کے مقالہ
نگاروں اور دانشوروں نے اپنے اپنے مقالوں اور کتابوں میں تحریر کیا اور اب تک
یہ سلسلہ جاری ہے [۹۸]

تذکرۃ السادات

تذکرۃ السادات کے مصنف شیخ احمد بن محمود محمدی الاکبرآبادی
نے بعہد شاہ عالم بہادر ملفوظ قطبی کے حوالہ سے اٹھایہ
گڑھ کے بارہ میں تحریر کیا۔

---

[۹۸] ملاحظہ ہو جناب ڈاکٹر اوم پرکاش اوکھی کے ایڈٹ کئے ہوئے ہندی رسالہ میں شائع شدہ
مضمون فتح پور کی آبادکاری اور اسکی وجہ تسمیہ، مرقومہ جناب جیندر پال سنگھ دکھاگا ضلع فتحپور)
صفحہ تا صفحہ ۱۰ اور ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب آزاد نیز مولوی نجیب اصغر صاحب کی مشترکہ
تصنیف مولانا حکیم سید ظہور الاسلام فتحپوری ص ۵۸ و ۵۹

"بعد از مدتہائے بسیار سلطان علاء الدین شرقی کہ بادشاہ بنگالہ بود برائے بندوبست کڑہ و کوڑہ آمدہ دراں روزہا زمینداراں ایٹھا کہ ہشت قلعجہا بودند سر بفساد نہادہ جنگ و حرب آغاز کردند بادشاہ مذکور در عرصہ چند روز آں قلعجہا با خاک برابر ساختہ بسیارے را بہ تیغ بیدریغ آوردہ فتح پور شہرے آباد ساخت۔"

بہت زمانہ کے بعد سلطان علاء الدین شرقی جو بنگال کا بادشاہ تھا کڑہ اور کوڑہ کے بندوبست کے لئے آیا اسی دن ایٹھا کے زمیندار جن کی آٹھ گڑھیاں تھیں آمادہ بفساد ہوئے اور لڑائی شروع کردی بادشاہ مذکور نے چند دن میں ان گڑھیوں کو زمین دوز کردیا بہتوں کو قتل کیا اور فتحپور نام کا ایک شہر آباد کیا۔

سلطان علاء الدین شرقی بادشاہ بنگالہ کا ایٹھا پر حملہ تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے تفصیل انشاء اللہ آئندہ اوراق میں نظر سے گذرے گی فی الوقت، تو ملفوظ قطبی نے اور جو کچھ لکھا ہے جس کو "تذکرۃ السادات" کے مرتب نے نقل کیا ہے۔ اس کا تجزیہ ہوجانا ضروری ہے وہ "فتح پور شہرے آباد ساخت" کے آگے لکھتے ہیں

بعضے زمینداراں ایٹھا گریختہ پناہ بسادات سلطان پور بردند۔

ایٹھا کے بعض زمیندار بھاگے اور سادات سلطان پور کی پناہ حاصل کی۔

بادشاہ کو جب خبر ہوئی تو وہ غضبناک ہوا اس نے سادات سلطان پور کے پاس فرمان بھیجا کہ ان زمینداروں کو ہمارے حوالہ کردو۔

ورنہ در حق خود نتیجہ نیک نخواہید دید

ورنہ اپنے حق میں اچھا نتیجہ نہ دیکھو گے

اس زمانہ میں سید نور الدین رئیس قوم تھے انھوں نے فرمان کی پرواہ نہ کی اس کو جلانے کا حکم دے دیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے پچاس ہزار سواروں کے ساتھ سلطان پور پر حملہ کردیا سادات نے مقابلہ کیا:۔

سادات سلطان پور کہ زیادہ از چہل و یک تن نہ بودند استقبال کردہ بحرب

سادات سلطان پور کہ اکتالیس نفر سے زیادہ نہ تھے بادشاہ کا استقبال کیا

بو ستند۔ اور جنگ شروع کردی۔

نتیجہ جو نکلنا چاہئے تھا وہ نکلا صاحب ملفوظ قطبی کی زبان قلم سے سنئے۔

وجملہ سادات ہمہ شہید شدند یکے ہم باقی نماند وموضع سلطان پور در قتل وغارت آمدہ باقی ماندہ گریختہ جابجا مخفی شدند

سارے ہی سادات شہید ہو گئے ایک بھی نہ بچا موضع سلطان پور قتل وغارت ہوا باقی لوگ بھاگ کر جابجا روپوش ہو گئے۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد "ملفوظ قطبی" کے مصنف نے یہ نتیجہ نکالا :۔

چنانچہ سید بڈا کہ قبرش در بہیرہ متصل کڑہ است از اولاد سید حمزہ بن حامد است سادات موضع بستی پرگنہ ہسوہ سادات فتحپور وسادات ادگاسی و دھموئی سرکار گھوڑا د کالنجر وسادات نروز کوٹ وسادات کوٹلہ در بندیل کھنڈ وسید بدرالدین عرف سید بدن قبر او در قریہ دلمئو من مضاف الہ آباد از اولاد امجاد سید حمزہ بن حامد اند بعد از ویرانی سلطانپور جا بجا آباد شدند [1]

چنانچہ سید بڈا کہ ان کی قبر کڑہ کے قریب بہیرہ میں ہے سید حمزہ بن حامد کی نسل میں ہیں اور سادات بستی پرگنہ ہسوہ سادات فتحپور سادات ادگاسی دھموئی ضلع کوڑہ و کالنجر اور سادات نروز کوٹ اور سادات کوٹلہ در بندیل کھنڈ اور سید بدرالدین عرف سید بڈن جن کی قبر قصبہ دلمئو مضاف الہ آباد میں ہے، وہ سید حمزہ بن حامد کی اولاد امجاد میں ہیں جو سلطان پور کی ویرانی کے بعد جابجا آباد ہو گئے۔

اس اقتباس سے پیشتر جو عبارت میں نے نقل کی اس کو ذرا پھر دہرا لیجئے ارشاد ہو رہا ہے" وجملہ سادات ہمہ شہید شدند یکے ہم باقی نماند وموضع سلطانپور در قتل و غارت آمدہ" جب جملہ سادات شہید ہو گئے ایک بھی نہ بچا تو" باقیماندہ ہا گریختہ جابجا

---

[1] تذکرۃ السادات بحوالہ ملفوظ قطبی صـ ۱۵

مخفی شدند" کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ یہ تضاد بیانی ہی واقعہ کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

اسکے علاوہ سلطانپور میں صرف سید حمزہ ہی کے اعقاب نہیں تھے سادات جعفری عریضی اور شیوخ زبیری و شیوخ فاروقی بھی تھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملفوظ قطبی کے مصنف کو سلطانپور میں چاروں قبائل کی موجودگی کی اطلاع نہیں ہوئی، سید حمزہ کے اعقاب کو مختلف مقامات پر دیکھ کر انھوں نے یہ سمجھا کہ سلطانپور میں صرف یہی آباد تھے، سلطانپور سے ان کی منتقلی کا کوئی نہ کوئی سبب ہونا چاہیے، کسی سے سن کر انھوں نے یہ واقعہ لکھ دیا۔

"سیر سالاری" جو شیر شاہ سوری کے عہد میں لکھی گئی اسمیں اس واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں اسیطرح شیخ محمد بن عبدالرحمٰن نے جو تحریر ۱۱۰۰ھ میں لکھی اسمیں بھی یہ واقعہ موجود نہیں حتیٰ کہ "منبع الانساب" میں بھی اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں جبکہ "ملفوظ قطبی" کے مصنف نے اپنی کتاب کیلئے زیادہ تر مواد "منبع الانساب" ہی سے حاصل کیا ہے۔

غرض "ملفوظ قطبی" کے فاضل مصنف اپنی اس روایت میں منفرد ہیں ان سے پہلے کی کسی تصنیف و تحریر سے ان کی اس روایت کی تائید نہیں ہوتی۔

علاء الدین بادشاہ بنگالہ تاریخ کے آئینہ میں

سلاطین شرقی کے عہد میں بنگال مغربی اور مشرقی دو حصوں میں تقسیم تھا دونوں حصوں کے حکمراں بادشاہ کہلاتے تھے دونوں شرقی سلطنت کے باجگذار اور تابع تھے۔

۸۸۱ھ میں حسین شاہ شرقی جب سکندر شاہ لودھی سے شکست کھاکر بہار سے روانہ ہوا تو وہ پہلے مغربی بنگال پہونچا جہاں اس کا سمدھی علاء الدین حکمراں تھا جس کا لڑکا حسین شاہ شرقی کی لڑکی سے منسوب تھا علاء الدین نے حسین شاہ کی خاطر تواضع کی کچھ دن اپنے پاس رکھا پھر اس کو سمجھا بجھا کر حکومت و سیاست سے علیحدگی کی ترغیب دی اور اسکے بیٹے جلال خاں کے پاس مشرقی بنگال

بیج دیا جہاں وہ سنہ ۹۰۱ھ میں فوت ہوا اس زمانہ میں مغربی بنگال کا دارالسلطنت کھڑگاؤں تھا[50]
مشرقی بنگال میں جلال خان پسر حسین شاہ شرقی نصیب شاہ (پسر علاء الدین کی لڑکی سے منسوب تھا یہ علاء الدین پدر نصیب شاہ مشرقی بنگال کے حاکم مظفر شاہ کا وزیر تھا، مظفر شاہ کے قتل ہونے کے بعد سنہ ۹۰۷ھ میں یہ علاء الدین مشرقی بنگال کا بادشاہ ہوا بیس سال حکمرانی کرکے سنہ ۹۲۷ھ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا لڑکا نصیب شاہ مشرقی بنگال کا بادشاہ ہوا سنہ ۹۴۳ھ میں وفات پائی، اس زمانے میں مشرقی بنگال کا دارالسلطنت گور تھا[51]

تجزیہ

مغربی بنگال کے بادشاہ علاء الدین نے چونکہ حسین شاہ شرقی کو سکندر شاہ لودھی کے مقابلہ پر پناہ دی تھی اور اس کی خاطر مدارات کی تھی اس لئے سکندر شاہ لودھی نے سنہ ۹۰۰ھ میں مغربی بنگال پر حملہ کردیا چونکہ دونوں بادشاہوں کی طاقت کا توازن مساوی تھا اسی لئے اپنے اپنے مقبوضات پر قابض و متصرف رہنے کی بنیاد پر دونوں میں صلح ہوگئی اس طرح سلطان سکندر شاہ لودھی کا بہار پر قبضہ مستحکم ہوگیا۔[52]

مغربی بنگال کے بادشاہ علاء الدین کو کڑہ اور کوڑہ کے بندوبست کیلئے ایٹھا آنے راجگان ایٹھا سے جنگ کرنے فتحپور بسانے کیلئے سکندر شاہ کے مقبوضہ علاقہ بہار سے گذرنا پڑتا اس بدعہدی کی وجہ سے علاء الدین اور سکندر شاہ لودھی کے درمیان دوسری جنگ ہوتی تاریخ جس کی شہادت نہیں دیتی۔

مشرقی بنگال کا علاء الدین پدر نصیب شاہ مشرقی بنگال کے بادشاہ مظفر شاہ کے قتل کے بعد سنہ ۹۰۷ھ میں برسر سلطنت آیا یہ عہد بھی سلطان سکندر لودھی کا تھا اس کو

---

[50] شیراز ہند جونپور صفحہ ۱۷۹ [51] شیراز ہند جونپور صفحہ ۱۷۷ و تاریخ فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۷۷ تا ۶۹ [52] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۵۰

ایٹھا آنے راجا ایٹھا سے جنگ کرنے فتح پور آباد کرنے کیلئے مغربی بنگال اور بہار دو سلطنتوں سے گذرنا پڑتا اور دو بادشاہوں سے جنگ کرنا پڑتی تاریخ ایسے کسی واقعہ کی نشاندہی نہیں کرتی اسلئے "ملفوظ قطبی" کا جو بیان "تذکرۃ السادات" کے مصنف نے نقل کیا ہے وہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔

اسکے علاوہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم مملکت کا ہر بادشاہ اپنی مملکت کے گوشہ گوشہ کے حالات سے باخبر رہتا تھا، ڈاک کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا۔ ہانک پیدل لیکر چلتے تھے اور ضروری ڈاک گھوڑوں کے ذریعہ روانہ کیجاتی تھی، ہر بستی اور آبادی میں پرچہ نویس ہوتے تھے جو روزمرہ کے ملکی، مالی اور سیاسی حالات کی اطلاع کے ساتھ ساتھ علماء شرفاء مشائخ و مدرسین کے حالات اور ان کی سرگرمیوں کی بھی خبر کرتے رہتے تھے مختلف مثالیں پیش کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں صرف ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں خبر رسانی کا جو نظام تھا اس کو تذکرہ نگار کے الفاظ میں سنئے:-

ابراہیم شاہ نے اپنے حدود سلطنت میں خبر رسانی کا بہت مضبوط انتظام کیا تھا قنوج سے اڑیسہ تک ہر مقام سے دوسرے مقام تک جانے والی سڑکوں پر جگہ جگہ خبر رساں چوکیاں تعمیر کرائی تھیں، ان چوکیوں میں شاہی ملازم تعینات کئے جاتے تھے جن کا کام تھا کہ وہ اپنے پاس آئے ہوئے سربمہر خطوط کو برق رفتار گھوڑوں کے سواروں کے حوالہ کر دیا جاتا تھا اور آن کی آن میں وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے تھے[1]

ایسی صورت میں سلطانپور کے علماء نیز شرفاء و مدرسین کے حالات سے

---

[1] شیراز ہند جونپور ص ۱۲۶

ابراہیم شاہ شرقی یا دیگر شرقی حکمرانوں کا بے خبر رہنا قطعی ناممکن تھا،
ہر عہد میں شرفاء، علماء و مشائخ، مدارس و خانقاہوں کے وظائف مقرر کیے جاتے
تھے جاگیریں دی جاتی تھیں جن کا مقصد علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت کے ساتھ
ساتھ حکومتوں کا استحکام بھی ہوتا تھا،

سلطانپور کے ان چاروں قبائل کو سید شہاب الدین سالار روم کی معرفت
سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں مدد معاش کے طور پر جاگیریں مل چکی تھیں جس کا
تذکرہ میں ابتدائی صفحات میں کر آیا ہوں ممکن ہے کہ دوسرے بادشاہوں کے زمانہ میں بھی
مدد معاش کے سلسلے میں کچھ ملا ہو، ان حالات میں شرفاء سلطانپور کا حکومت کے مقابلہ
پر دشمنوں کو پناہ دینا اور حاکم وقت سے آمادہ بجنگ ہونا ناممکن ہے۔

خود علاء الدین کے لئے بھی شرفاء سلطانپور پر حملہ کرنا آسان نہ تھا اس لئے
کہ جسطرح سلطانپور کے سادات میں ایک قبیلہ سید نا زید شہید کے نسل سے تعلق رکھتا
تھا اسی طرح سلاطین شرقی باستثناء ملک سرور خواجہ جہاں سب کے سب سیدنا
حضرت زید شہید کے کسی صاحبزادہ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے [۵۴]

ایسی صورت میں پچاس ہزار کی گراں فوج اور تفری کیسا کہ جہاں افہام و تفہیم سے
بھی کام چل سکتا تھا قلیل تعداد میں مقیم باشندوں پر علاء الدین کے حملہ کو عقل باور نہیں کرتی

واقعاتی تجزیہ

ملفوظ قطبی کے مصنف نے سلطانپور کی تباہی و بربادی کا
جو واقعہ بیان کیا ہے وہ علاء الدین (سید نفیس شاہ)
بادشاہ بنگالہ کی ۹۰۰ھ میں تخت نشینی کے بعد کا ہے حالانکہ اس کی تخت نشینی سے
تقریباً ۸۰ سال پہلے ہی سلطانپوری سادات و مشائخ کی جونپور منتقلی کی وجہ سے
سلطانپور ویران ہو کر دیہات بن چکا تھا، ایسا کہ کوئی وجود نہیں رہ گیا تھا۔ مزید براں

---

[۵۴] شیراز ہند جونپور ص ۸۹ بحوالہ سلاطین شرقی جونپور قلمی ص ۳۸

سلطان حسین شرقی نے سنہ ۸۶۴ھ میں فتحپور کے راجگان و زمینداران کی طاقت و قوت بھی ختم کر دی تھی نیز سادات و شیوخ کے جو چار قبیلے سلطانپور سے منتقل ہو کر فتحپور آئے تھے ان میں سے جعفری عریضی قبیلہ فتح پور سے سنہ ۹۰۵ھ میں کوڑہ منتقل ہو چکا تھا جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

ایسی صورت میں علاء الدین بادشاہ بنگالہ کا ایتھا پر حملہ اور زمینداران ایتھا کا فرار ہو کر سادات سلطانپور کی پناہ لینا تاریخی اور واقعاتی حیثیت سے محض ایک افسانہ قرار پاتا ہے جس کو لوگ فتحپور کے آباد ہونے کے ضمن میں برابر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ یہ واقعہ تاریخی اور واقعاتی دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

تاریخ آئینہ اودھ

فتحپور کی آبادکاری کے سلسلہ میں اسی قسم کی ایک روایت مولوی ابوالحسن مانک پوری نے اپنی تصنیف "تاریخ آئینہ اودھ" میں تحریر کی ہے ملاحظہ ہو:-

"اول کڑہ میں نظام بلبن نے فتنہ کھڑا کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نظام بلبن ایک مرد بیہودہ، یاوہ گو، کم استعداد، نشہ باز تھا، با تواتر، واتفاق ہمشیر زادہ بادشاہ اسباب بغاوت کا مہیا کر کے علم مخالفت کا بلند کیا اور نام اپنا سلطان علاء الدین رکھ کر تخت سلطنت کڑہ پر جلوس کیا اور چتر و تاج شاہی کہ لازم بادشاہی ہے سر پر رکھا اور زمینداران و تعلقداران اقطاع کڑہ مانکپور کو مطیع و منقاد اپنا کر کے باجگذار کیا۔"

نظام بلبن یا نظام مائین کی مرکزی حکومت سے بغاوت تاریخی اعتبار سے صحیح لیکن اس کے آگے وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کی تائید تاریخ سے نہیں ہوتی ملاحظہ ہو

"الا تعلقداران ایتھا ہو مالک اٹھارہ قلعجہ کے تھے جن کا نام اب

ضلع فتحپور ہے اس کی اطاعت واداے خراج سے منحرف ہوئے اسی وقت علاء الدین بادشاہ بہت سی فوج بلوائی لے کر بمقام تعلقہ داران جاکر محاصرہ قلعجہائے ایتھا کا کیا بعد زد و کشت بسیار بادشاہ جدیدان پر غالب آیا اور اون قلعجوں کو مسمار کر کے بعضوں کو قتل اور بعضوں کو اسیر کر کے تمام مال و اسباب ان کا لوٹ لیا اور اس مقام کو فتح کر کے نام اس کا فتحپور رکھا۔" [۵۵]

فاضل مصنف نے واقعہ تو بیان کیا لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا فرشتہ کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نظام مائیں (یا نظام ملبن) کی یہ بغاوت ہاتھ پیر بھی نہیں نکال سکی جونپور کے صوبہ دار عین الملک نے اس کا سر قلم کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا، شیخ زادہ نظامی کو مقرر کیا جس نے اسکی رازداروں اور رفیقوں کو سخت سزائیں دیں. فرشتہ کے الفاظ ہیں کہ۔ اس ہنگامہ کو بہت کم وقت میں ختم کر دیا گیا۔ [۵۶]

نظام مائیں (یا نظام ملبن) کی بغاوت کا یہ ہنگامہ بعہد سلطنت محمد شاہ تغلق ۷۴۵ھ میں پیش آیا۔

" آئینہ اودھ " کے فاضل مصنف نے محمد شاہ تغلق کے عہد میں ایتھا کا نام فتحپور رکھے جانے کی اطلاع تو دی لیکن اس کی آبادکاری کا عہد سلطان ابراہیم شرقی ہی کا عہد بتایا۔

" آبادی فتح پور کی جو اب ضلع ہے یہی دو حضرات باعث ہیں۔ ایک حضرت شاہ سید و صاحب ولایت دوسرے شیخ نظام الدین" [۵۷]

---

[۵۵] تاریخ آئینہ اودھ صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹ [۵۶] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۷ [۵۷] تاریخ آئینہ اودھ صفحہ ۱۷۷ بذیل ذکر ابراہیم شاہ شرقی

یہ بات کہ کسی مقام کا نام پہلے رکھ دیا جائے، اور وہ آباد ہو ستر، اسّی سال کے بعد سمجھ میں نہیں آتی۔

اصل واقعہ

ان سطور کی تحریر کے وقت جو بھی قلمی یا مطبوعہ مواد پیش نظر ہے اس کی بہ نسبت قدیم العہد اور فتحپور کی آبادکاری سے قریب العہد "سیر سالاری" کے سوا اور کوئی قدیم و معتبر ماخذ نہیں۔ اس کتاب کے مصنف حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سلطانپور کے جعفری عریضی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پردادا سید شاہ رضی الدینؒ عرف راجن کو اپنے قبیلے اور دوسرے قبائل کے ساتھ سلطانپور سے لاکر فتحپور میں آباد کیا گیا تھا۔ حضرت شاہ علاء الدینؒ نے اپنے والد گرامی مخدوم سید قطب الدین سالار بڈھ رحمۃ اللہ علیہ متوفی (سنہ ۹۴۶ھ) کے بعد ہی ان کے حالات و معمولات میں "سیر سالاری" تصنیف فرمائی۔ اس لئے یہ کتاب "منبع الانساب" "ملفوظ قطبی" "تذکرۃ السادات" "آئینہ اودھ" سے بہت مقدم اور فتحپور کی آبادکاری سے قریب العہد ہے حضرت شاہ علاء الدین تحریر فرماتے ہیں:-

دریں ایام عہد خاتم السلاطین واعظم و نادر العصر سلطان ابراہیم متعہد ملک الوزراء ملک سلطان شہر کڑہ تعین شد ایتھا را تاخت راجہ دوکن دیو را کشت جنگل را ببرید و حصار بر آورد [58]

خاتم سلاطین، انصاف پرور نادر عصر سلطان ابراہیم کے عہد میں ملک الوزراء ملک سلطان شہر کڑہ میں متعین ہوا اس نے ایتھا پر حملہ کرکے راجہ دومن دیو کو قتل کیا جنگل صاف کرایا اور قلعہ تعمیر کرایا

مندرجہ بالا اقتباس شہادت دے رہا ہے کہ فتحپور سلطان ابراہیم شرقی کے عہد میں آباد ہوا۔ اس دور میں ایتھا کے یا اٹھ گڑھیا راجاؤں کا سربراہ راجہ

---

۵۸ سیر سالاری ص ۷

دو من دیو تھا جس کو ملک الوزراء نے شکست دیکر اور جنگل صاف کرا کر ایک قلعہ تعمیر کرایا، یہ قلعہ شکستہ حالت میں آج بھی فتحپور میں موجود اور دست برد زمانہ کی داستان سنا رہا ہے۔

عماد الملک بختیار خاں

سلطان ابراہیم شرقی ۸۰۴ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا، اپنے ابتدائی عہد حکومت میں ۸۱۶ھ تک دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے فوج کشی کرتا رہا اچانک ۸۱۶ھ میں ملکی و مالی نظم و نسق کیطرف متوجہ ہوا یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اس نے صوبہ کوڑا کی طرف توجہ کی اور اسکے بندوبست کے لیے عماد الملک بختیار خاں کو متعین کیا۔

تذکرہ نویس نے ان کے بارہ میں جو کچھ لکھا اختصار کیساتھ پیش ہے:۔
آپ کا سلسلہ نسب شیوخ اودھی سے ملتا ہے آپ کے والد ماجد شیخ حاجی خاں اعظم سلطان الشرق اتابک اعظم ملک سرور خواجہ جہاں کے ہمراہ سردار لشکر ہو کر دہلی سے جونپور آئے تھے۔ ان ہی کے ہمراہ عماد الملک بختیار خاں بھی وارد جونپور ہوئے نیک طینت، ذہین و طباع ہونے کے باوجود بید شجاع تھے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے آپ کی قسمت مرتبہ کی بلندی میں یاوری کر رہی تھی اس لیے جلد ہی تقرب سلطانی حاصل کر لیا اور چند ہی دنوں میں معتمد علیہ ہو گئے سلطان الشرق اتابک اعظم ملک سرور خواجہ جہاں نے اپنے تمام مصاحبین میں آپ کو منتخب کر کے وزیر بنایا اور عماد الملک کے خطاب سے سرفراز فرمایا آپ سلطان الشرق سے لیکر عہد ابراہیم شاہ شرقی تک عہدہ وزارت پر

فائز رہے"۔

آپ کے حالات کا یہ جزو تو ملک سرور خواجہ جہاں کے عہد سے تعلق رکھتا تھا سلطان ابراہیم شاہ شرقی کا آپ کے ساتھ کیا رویہ تھا وہ بھی سن لیجئے :۔

"سلطان ابراہیم شاہ آپ کے علم وفضل اور قابلیت پر اتنا بھروسہ رکھتا تھا کہ بڑے بڑے مہمات علمی و جنگی جو درپیش ہوتے تھے آپ ہی پر چھوڑ دیتا تھا"[59]

ملک سلطان جسکو شاہ علاء الدین رح نے ملک الوزراء تحریر کیا ہے عماد الملک نے ملک سلطان کو صوبہ کڑا کے بندوبست پر مقرر کیا جس نے ایٹھا پر حملہ کر کے راجہ دومن دیو کو شکست دی جنگل صاف کرایا ایٹھا ہی میں قلعہ تعمیر کرایا اور سلطان پوری سادات و مشائخ کو سلطان پور سے بصد ادب و احترام لاکر اپنے تعمیر کردہ حصار میں آباد کیا اور اس نئی آبادی و بستی کا نام فتح پور رکھا حضرت شاہ علاء الدین تحریر فرماتے ہیں :۔

"و ہمہ اشراف سلطان پور را آوردہ آبادان ساختہ و فتح پور نام وداشت اسلام شد و سلطان پور ویرہ گشت"[60]

اور سلطان پور کے سارے شرفاء کو لاکر یہاں آباد کیا اور فتح پور نام رکھا اسلام کا بول بالا ہوا اور سلطان پور پھر دیہات بن گیا۔

اس قدیم ترموثق روایت کے بعد ملفوظ قطبی "تذکرۃ السادات" انگریز اور بعہد برطانیہ کے دانشوروں کی تحریروں، رپورٹوں، اور گزیٹر کی روایات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی ؛

سربراہان قبائل جو سلطان پور سے فتح پور منتقل ہوئے

میں نے اوپر عرض کیا تھا کہ سلطان پور میں چار قبیلے

---

[59] شیراز ہند جونپور ص ۲۴۸ بحوالہ تاریخ سلاطین جونپور [60] سیر سالاری قلمی ص ۸

آبادیتھے (۱) جعفری عریضی (۲) زیدی عریضی (۳) زبیری مہاجری (۴) فاروقی

(۱) فاروقی قبیلہ کے سربراہ جو سید شہاب الدین اور سید حمزہ کے ساتھ سلطانپور آئے اور وہ سربراہ جو سلطانپور سے فتح پور منتقل ہوئے ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

(۲) زبیری مہاجری قبیلہ کے سربراہ مخدوم شیخ نظام الدین اپنے قبیلہ کے ساتھ سلطانپور سے فتح پور منتقل ہوئے۔

(۳) جعفری عریضی قبیلہ کے سربراہ سید رضی الدین عرف راجن مع اپنے قبیلہ کے سلطانپور سے فتح پور تشریف لائے۔

(۴) زیدی عریضی قبیلہ کے سربراہ کے سلسلہ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ سید مسعود عرف شاہ سیدو کے دادا سلطانپور سے فتح پور آئے یا ان کے والد سید ظہیر الدین منتقل ہوئے۔

چونکہ جعفری عریضی قبیلہ ۹۰۵ھ میں اور فاروقی قبیلہ ۱۱۰۷ھ کے بعد فتح پور سے منتقل ہو چکا تھا اس لئے آئینہ اودھ کے مصنف کو صرف دو ہی قبیلے فتحپور میں ملے، جن کے متعلق انہوں نے لکھا:۔

"آبادی فتحپور کی جانب ضلع ہے یہ دو حضرات باعث ہیں ایک حضرت شاہ سیدو صاحب ولایت دوسرے شیخ نظام الدین[۱]"

جب ان چاروں قبائل کو ملک الوزرا نے سلطانپور سے بصد احترام لاکر فتح پور میں آباد کیا تو "سیر سالاری" کے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:۔

ایں زماں در فتحپور ہر کہ سلطانپوری گویند ازاں قوم اند، داشرف الاشراف	اس زمانہ میں فتح پور میں جس کو بھی سلطانپوری کہا جاتا ہے اسی قوم سے ہیں

---

[۱] تاریخ آئینہ اودھ صفحہ ۱۶۳ بذیل ذکر ابراہیم شاہ شرقی

اند واستخواں کلاں دارند۔[۶۲] اشرف الاشرف اور عالی النسب ہیں۔

سلطان پور ایک جائزہ

شرفاء کے یہ قبیلے سلطان پور میں تقریباً دوسو سال مقیم رہے جس کے بارے میں حضرت شاہ علاء الدین کا جملہ "علماء و مشائخ شدند" اوپر نقل کر آیا ہوں، لیکن دوسو سال کے اس عرصہ میں ان بزرگوں کے انفرادی حالات کا پتہ نہ چل سکا کسی نے کچھ لکھا بھی ہو گا وہ ضائع ہو گیا ہو گا۔ "سیر سالاری" کے مصنف نے بعض بزرگوں کے لئے جو القاب و آداب تحریر کئے ہیں ان سے سلطانپوری بزرگوں کے علم و فضل اور شیخیت کا کچھ سراغ ملتا ہے، چند مثالیں ذیل میں درج ہیں :۔

اپنے دادا حضرت شاہ سید ہبۃ اللہ کے بارے میں صاحب الخلق والمقال سنی الحال کا جملہ تحریر کیا۔

اپنے پردادا حضرت سید شاہ رضی الدین عرف راجن کے متعلق "التقی النقی" تحریر کیا۔

حضرت شاہ سید حسن عرف میاں خوجن کے بارہ میں کچھ زیادہ ہی القاب آداب استعمال کئے ہیں ان کو شیخ شیوخ العالم، الکامل النحریر تارک الدنیا، معدن المعرفۃ والتقی حجۃ الزاہدین والسالکین، لکھا

ان بزرگ کے بارہ میں ایک بار مخدوم شیخ نظام الدین فتحپوری نے ان کے پوتے حضرت شاہ ہبۃ اللہ سے دریافت کیا :۔

میاں خوجن راسیداند — میاں خوجن کو جانتے ہو

انھوں نے جواب دیا جی ہاں وہ ہمارے دادا ہیں تو فرمانے لگے

مراتب ولایت، مشیخت ایشاں را — ان کے ولایت و شیخیت کے مراتب

---

[۶۲] سیر سالاری ص ۸

از شمامن خوب سیدانم، بیان خوجن بزرگوار بودند، ایچنیں ترک و توکل نادراست مجذوب الحق بودند	میں تم سے زیادہ جانتا ہوں ان کا جیسا ترک و توکل نادر ہے وہ مجذوب الحق تھے۔

حضرت شاہ علاء الدینؒ حضرت مخدوم شیخ نظام الدینؒ کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں "شیخ شیوخ العالم صاحب المقام تحبۃ التارکین، المجالس فی روضۃ المشیخۃ علی وجہ الکمال شیخ نظام الحق والدین برہان العلماء قاضی سلطانپوری حضرت شاہ سید مسعودؒ عرف شاہ سید دکو نے سلطان الواصلین سید السادات تحریر کیا ہے۔

سلطان پور میں قاضی کے عہدہ و منصب پر شیوخ زبیری مہاجری متعین تھے وہی مقدمات کا شریعت کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے حضرت شیخ نظام الدین زبیری کے دادا شیخ تبجھن کا نام بحیثیت قاضی سیر سالاری میں درج ہے ان کو سیر سالاری کے مصنف نے "اکبر الاکابر" تحریر کیا ہے[۶۳]

اس موقعہ پر ایک بات عرض کردوں کہ مخدوم شیخ نظام الدینؒ حضرت شاہ فخر الدین پھوبویؒ کے دست گرفتہ اور مجاز تھے اور حضرت شاہ فخر الدین پھوبویؒ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے یہ بزرگ سلطان پور تشریف لائے ہیں اور فتحپور بھی پہونچے ہیں۔

غرض سلطان پور کے جعفری عرفیٰ ہوں یا زیدی عرفیٰ یا زبیری مہاجری یا شیوخ فاروقی سب کے سب، ؎

ایں سلسلۂ طلائے ناب است
ایں خانہ ہمہ آفتاب است

---

[۶۳] سیر سالاری قلمی صفحہ ۱۰۸

موضع برم سلہ میں شرفاء سلطان پور کی تعمیر کردہ مسجد
صرف مغربی دیوار محفوظ ہے۔

فاتح ایتھا ملک سلطان کا فتح پور میں تعمیر کردہ قلعہ

کا مصداق تھے۔

اب سلطانپور میں ایک قناتی مسجد اور چند قبروں کے سوا مسلمانوں کی تہذیبی و ثقافتی علامات میں سے کوئی علامت موجود نہیں۔

غیر مسلم دیہاتیوں کا بیان ہے کہ ہر چودھویں رات کی چاندنی میں بارہ ایک کے بعد ان قبروں کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور تلواروں کی جھنکار سنی جاتی تھی پہلے کے لوگ گھبرا کر گھروں سے نکل پڑتے تھے تو کچھ نظر نہ آتا تھا آوازیں آتی رہتی تھیں یہ سلسلہ کئی گھنٹے رہتا تھا ہم لوگ اب ان آوازوں کے عادی ہو گئے ہیں ہم کو کوئی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔[۶۴]

سلطانپوری شرفاء کا فتحپور میں محاصرہ اور جنگ

تاریخ شاہد ہے کہ جب جب ایک بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ بر سر سلطنت آیا تو ہندوستان کے ہندو زمینداران و راجگان نے اس تبدیلی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی مسلمانوں کے خلاف سرگرم ہو کر، لوٹ مار کر کے، سلطنت کے خلاف بغاوت کر کے یا کسی دوسرے طریقہ سے، بر سر حکومت آنے والے ہر فرد کو ان مخالفانہ سرگرمیوں کی طرف ہمیشہ متوجہ ہونا پڑا ہے۔

اطراف کے راجگان اور زمینداران کا مسئلہ بھی یہی تھا۔ راجہ دومن دیو قتل ہو چکا تھا، ساری گڑھیاں تباہ و برباد ہو چکی تھیں، قلعہ تعمیر کر کے اس میں سلطانپوری علماء، مشائخ اور شرفاء کو لا کر آباد کر دیا گیا تھا اس مفتوحہ سرزمین کا نام فتحپور رکھا جا چکا تھا گو اس واقعہ پر چالیس پچاس سال گذر گئے تھے لیکن جوار کے زمینداروں و راجگان کے دلوں کے یہ زخم تازہ تھے۔

سلطان حسین شرقی نے ۸۶۲ھ میں جب تخت سلطنت پر جلوس کیا

---

[۶۴] بروایت مولوی سید محمد عبدالقدیر نسابہ

تو ۸۶۷ھ میں فتحپور کے مضافاتی زمینداروں نے راجہ تلوک چند کی سربراہی میں فتحپور پر حملہ کیا چونکہ سلطانپوری علماء و مشائخ اور دیگر مسلمان میدانی جنگ نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے قلعہ میں محصور ہو کر مدافعانہ جنگ شروع کر دی اور سلطان حسین شرقی کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ اطلاع کرائی وہ اپنی فوج کے ساتھ فتحپور پہنچا راجہ تلوک چند مارا گیا اور یہ فتنہ رفع ہوا۔

حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دراں چہ من یکسال را بودم غوغا عالم شد بسبب وفات سلطان محمود جلوس سلطان حسین راجہ تلوک چند فتح پور را تاخت خلق محصور شد جنگ افتاد[۶۵]	جبکہ میں ایک سال کا تھا سلطان محمود کی وفات اور سلطان حسین کی تخت نشینی سے غوغا پیدا ہوا راجہ تلوک چند نے فتحپور پر حملہ کیا مخلوق محصور ہو گئی جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت مخدوم نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ وہ قلعہ میں موجود تھے اور دن میں دو ایک بار جہاں جہاں سے مسلمان جنگ کر رہے تھے وہاں پہنچتے ان کی دلجوئی کرتے اور فتح کی بشارت دیتے تھے۔

حضرت سلطان المتوکلین شیخ نظام الدین باعظمت درحصار بودند ہر روز یکبار دوبار درون حصار بر ہر برجے و ہر ہر دروازہ گذر می کردند مسلماناں را دلداری و بشارت می دادند[۶۶]	حضرت سلطان المتوکلین شیخ نظام الدین قلعہ ہی میں تھے ہر روز ایک دو بار قلعہ کے اندر ہی اندر ہر ہر برج اور ہر ہر دروازہ پر پہونچکر مسلمانوں کی دلجوئی کرتے اور ان کو فتح کی بشارت دیتے تھے۔

---

[۶۵] سیر سالار قلمی صہ ۱۹ [۶۶] سیر سالار قلمی صہ ۱۹

حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جنگ کا انجام نہیں بیان کیا لیکن محمد بن عبد الرحمٰن فاروقی نے لکھا :-

اللہ تعالےٰ سلطان شرقی را فتح روئے داد و راجہ مقہور گشتہ شد [۶۷]

اللہ تعالےٰ نے سلطان شرقی کو فتح دی اور راجہ مقہور ہوا

جن مصنفین نے اپنی تصانیف اور مقالہ نگاروں نے اپنے مقالوں میں اس جنگ کا فتح پور کے بجائے سلطان پور میں ہونا تحریر کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔

قبر بالائے تالاب کونڈا

اس قبر کے بارے میں فتحپور کے پڑھے لکھے اکثر و بیشتر افراد اسی سوء فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ سلطان علاء الدین بادشاہ بنگال کے بیٹے شہزادہ سلیم الدین کی قبر ہے، یہ سوء فہمی بحوالہ "ملفوظ قطبی" "تذکرۃ السادات"[۶۸] کے مصنف کی مطبوعہ تحریر سے پیدا ہوئی :-

این قدر حرب و ضرب درمیان آمد کہ پسر کلان سلطان شرقی کشتہ شد قبرش در فتحپور است بالائے حوض کونڈہ [۶۸]

اس قدر مار دھاڑ ہوئی کہ سلطان شرقی کا بڑا بیٹا قتل ہوگیا، اس کی قبر فتحپور میں بالائے تالاب کونڈہ ہے۔

اسی روایت کو تاریخ آئینہ اودھ کے مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کیا :-

" علاء الدین کا بڑا لڑکا بھی جس کا نام شہزادہ سلیم الدین تھا جنگ میں مارا گیا اور وہیں مدفون ہوا، ہنوز اس کی قبر بالائے تالاب کونڈا اندر صحن مسجد قناتی متصل دردہ کنواں جانب

---

۶۷ تحریر محمد بن عبد الرحمٰن فاروقی قلمی ۶۸ تذکرۃ السادات بحوالہ ملفوظ قطبی ص ۱۹

مزب خاص فتحپور میں موجود ہے جسکو ٹوٹی مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے یہ قبر شاہزادہ صاحب کی قبر کہلاتی ہے" ۶۹

چنانچہ آج تک فتحپور کے موضوع پر ہر لکھنے والا یہی لکھتا چلا آرہا ہے اور ہر پڑھا لکھا اسی کو صحیح سمجھ رہا ہے۔

بالائی سطور میں علاء الدین شرقی بادشاہ بنگال کے کڑا آنے اپنے اور سلطانپور پر حملہ کرنے کا تاریخی اور واقعاتی تجزیہ کیا جا چکا ہے کہ "ملفوظ قطبی" کا بیان کردہ یہ واقعہ غلط ہے، ظاہر ہے کہ جب یہ واقعہ ہی غلط ہے تو اس کے بیٹے کی قبر کا بالائے تالاب کونڈہ ہونا بھی غلط ہی قرار پائے گا۔

وثوق کے ساتھ تو نہیں لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک الوزراء ملک سلطان کے راجہ دومن دیو پر حملہ کے وقت یا ۸۶۴ھ میں حسین شاہ شرقی کے راجہ تلوک چند پر حملہ کے وقت کوئی ایسی شخصیت شہید ہوئی جس کی لاش جونپور لیجانا مناسب نہ سمجھکر بالائے تالاب کونڈہ دفن کر کے اس پر فناتی مسجد تعمیر کر دی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

---

۶۹ تاریخ آئینہ اودھ ص ۱۲۶

مورث اعلیٰ سادات قصبہ کوڑا جہان آباد

حضرت مخدوم سید قطب الدین سالار بڈہ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سید شہاب الدین سالار روم تک شجرہ درج ذیل ہے:۔

سید قطب الدین ۔ بن ۔ سید ہبتہ اللہ ثانی ۔ بن سید رضی الدین عرف راجن ۔ بن سید شہاب الدین معروف بہ ہبتہ اللہ اول ۔ بن سید حسن معروف بہ سالار خواجگی د میان خوجن ۔ بن سید شہاب الدین دوم ۔ بن ۔ عماد الدین ۔ بن شمس الدین ۔ بن ۔ نجم الدین ۔ بن ۔ سید شہاب الدین اول سالار روم ۔ (مورث اعلیٰ ہندوستان [1])

ولادت

خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

جلوس بادشاہی سلطان الشرق سلطان حسین از تولد ما یک سال سابق است [1]

سلطان الشرق سلطان حسین کا جلوس بادشاہی میری ولادت سے ایک سال پہلے ہوا۔

۸۶۲ھ میں سلطان الشرق سلطان حسین نے تختِ سلطنت پر جلوس کیا۔ اس طرح آپ کی ولادت کا سال ۸۶۳ھ قرار پاتا ہے۔

حضرت شاہ علاء الدین مصنف "سیر سالاری" نے "ولادت آں بدنیا شد" سے تاریخ نکالی ہے [2]۔

---

[1] شجرۂ خاندانی قلمی [1] سیر سالاری قلمی ص [2] سیر سالار قلمی ص

۸۶۴ھ میں جب راجہ دو من دیو کے قتل اور راجہ تلوک چند نے گرمھیوں کی تباہی و بربادی کا مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے فتح پور پر حملہ کیا تو سب لوگ قلعہ بند ہو گئے، حضرت مخدوم صاحبؒ اپنے اور حضرت مخدوم شیخ نظام الدینؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

باہر دو انگشتان سبابہ در گردہ اللہ اللہ می گفتم، اثنائے آں بندگی مخدوم آمدند، دیدند چشمہا پر آب شدند و بزبان مبارک گفتند خداوندا کودکاں را ہم سنگی شدہ است کہ ایں بچہ مسلمانان را خلاصی دہ و کافراں را مقہور گردان [۵۲]

میں دو انگلیاں منہ میں ڈالے اللہ اللہ کہہ رہا تھا اس درمیان میں بندگی مخدوم آ گئے، دیکھا آنکھیں پر نم ہو گئیں زبان مبارک سے فرمایا خداوندا بچوں کو بھی پریشانی ہو گئی ہے ان مسلمان زادوں کو نجات دے اور کافروں کو مقہور فرما۔

تعلیم و تربیت

آپ جب دو سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ کا ایک حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش و پرداخت کا سارا بار آپ کی دادی صاحبہ پر آ گیا۔

ابتدا ہی سے آپ ذہین و طباع تھے ابھی مکتب میں نہیں بٹھائے گئے تھے کہ آپ نے پارہ عم حفظ کر لیا، مکتب میں بیٹھنے کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اس سے فراغت کے بعد جونپور جانے کا قصد ہوا۔

ابتدا میں آپ کی دادی صاحبہ محترمہ از راہِ شفقت و محبت اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن آپ کے والد گرامی حضرت شاہ ہبتہ اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی والدہ محترمہ سے گفتگو فرمائی اور موصوفہ نے آپ

---

[۵۲] سیر سالاری قلمی ص ۵۔

کو سفر کی اجازت مرحمت فرمادی

جون پور سلاطین شرقی کی سرپرستی میں دار العلم والعلماء بنا ہوا تھا جید علماء و فضلاء اور اعلیٰ تعلیم کا مرکز تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہونچے تو شیخ شمس الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔

شیخ شمس الحق حقانی

حضرت شیخ شمس الحق حقانی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار جونپور کے جید علماء و اساتذہ میں ہوتا تھا حضرت شیخ محمد بن عیسیٰ تاج رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مجاز تھے۔ آپ کی حیات مقدسہ کی یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ حدود شرع کا بڑا لحاظ و خیال فرماتے تھے۔ شاہان جونپور کو وعظ و نصیحت اور ان کے افعال کی تغلیط و تردید ان کی موجودگی میں بھی فرمانے سے گریز نہ فرماتے۔ ان میں سے کوئی اگر آپ کے مدرسے میں حاضر ہوتا تو بھرے مجمع میں اس کی خامیاں اس کے منہ پر بیان فرمادیتے اور اپنی اس شدت کے لئے قطعاً معذرت خواہ نہ ہوتے اپنے اس طرز نصیحت کی وجہ سے آپ حقانی مشہور ہوئے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ خصوصیت بھی تھی کہ اگر کوئی ایسا شخص آتا جس کی علم پروری اور دینداری شیخ کے نزدیک مسلم ہوتی تو خلاف معمول اس کی تعظیم بھی فرماتے۔ غرض ایک جلیل القدر عالم ایک عالی نسبت صوفی استاذ کی نگرانی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔

شیخ کی شفقتیں

استاد نے اپنے شاگرد کی صلاحیتوں کو سمجھ لیا تھا حضرت کے ساتھ بڑی شفقت وعنایت سے پیش آتے حضرت کو ان کی مجلس درس میں دوسرے طلبہ پر امتیاز حاصل تھا اور بعض نزاعی مسائل میں شیخ دوسرے شاگردوں پر حضرت ہی کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ شیخ سریع الکلام اور زود تقریر تھے تلامذہ کو دوران تقریر یارائے سوال نہ تھا لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی استعداد کی بنا پر استاذ گرامی حضرت کے دو دو تین تین سوالوں کا جواب بڑی نرمی اور شفقت سے مرحمت فرماتے انہی کی خدمت میں رہ کر حضرت نے علوم آلیہ وعالیہ کی تکمیل فرمائی۔

آغاز تدریس

استاذ گرامی نے اپنے ہی مدرسہ میں طلبہ کی ایک جماعت آپکے سپرد فرمائی اور آپ نے درس کا آغاز فرمایا۔ شیخ کی شفقتیں یہاں بھی مبذول رہیں شیخ کے پاس جو بھی ذہین اور نیا طالب علم آتا اس سے دریافت فرماتے کہ کہاں کہاں اور کن کن اساتذہ سے پڑھا ہے طالب علم کے جواب پر حضرت کی جانب اشارہ فرمانے اور ارشاد فرماتے کہ "ان سے پڑھو" حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ درس وتدریس سے استاذ محترم کو ایک گونہ دلچسپی اور خاصا تعلق تھا اس سلسلہ کو منقطع ہونا پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دوران قطب عالم حضرت شیخ نورالحق ہنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کیا لیکن شیخ نے اجازت نہ دی اور ایک مبسوط تقریر فرمائی جس کی بنیاد پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارادہ سفر منقطع کر دیا۔

دستار فضیلت

یہ جوہر قابل سالہا سال استاذ کی خدمت میں رہ کر علمی فیوض حاصل کرنے کے بعد اس مرحلہ

پر آپ کا تھا کہ استاذ کی جانب سے صاحب اجازت ہو اور اس کا اپنا حلقۂ درس علیحدہ ہو۔ استاذ گرامی نے اپنی نگرانی میں درس دلا کر اطمینان کر لیا تھا تو ایک دن مراقبہ سے فراغت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفیق درس شیخ حسن بن طاہر کو سند اور دستار فضیلت مرحمت فرمائی۔ اور اجازت دی کہ اب وہ اپنا مدرسہ علیحدہ قائم کریں اور علیحدہ درس و تدریس کا آغاز کریں۔

تصوف و سلوک

علوم ظاہری سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علوم باطنی کی فکر لاحق ہو گئی۔ حضرت شیخ بہاء الدین بن شیخ بتھو جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع فرمایا جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے علاوہ سلسلہ سہروردیہ و شطاریہ کے بھی مجاز تھے۔ موصوف کی یہی جامعیت حضرت علیہ الرحمۃ کے لئے وجہ کشش ہوئی۔ شیخ کو بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حال پر خاص شفقت تھی۔ حضرت کا درس اپنے استاذ گرامی کے مدرسے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے میں شروع ہو چکا تھا۔ اور حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رح کی صلاحیتوں کا اندازہ فرما لیا تھا۔ مرشد زادہ میاں آدھن جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے حلقۂ درس میں شرکت کا حکم فرمایا گیا۔ اسی دوران ایک دن حضرت رحمۃ اللہ نے اپنے شاگرد (مرشد زادہ) کو ہدایت کی کہ کسی طالب علم کو سبق یاد کرا دیں۔ مرشد زادہ نے جس طرح حضرت رحمۃ اللہ نے انکو پڑھایا تھا اس طریقہ کے خلاف کسی دوسرے طریقے سے اس طالب علم کو یاد کرایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو سرزنش کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرشد زادہ (حضرت شاہ آدھن بن حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) دو تین دن تک

پڑھنے کیلئے نہ آئے تیسرے دن مرشد گرامی خود ہی صاحب زادہ کو لئے ہوئے آپ کی درس گاہ میں پہونچے آپ نے بڑھ کر استقبال کیا اور معذرت کرتے ہوئے گذارش کی کہ حضرتؒ نے اس فقیر کو وہیں طلب فرمالیا ہوتا خود زحمت فرمانے کی کیا ضرورت تھی مناسب ہدایات مرحمت فرمادی جاتیں۔ شیخ جواب میں فرماتے ہیں۔

"بڑا اچھا کیا جو سزا دی آئندہ کے لئے یہ ہوشیار ہو گئے
بہر حال ہمارے تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے"!

خلافت و اجازت

شیخ کی خدمت میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد ایک دن حضرت شیخ نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ۔

اذن پیران است کہ ما شما را اجازت بدہیم۔	بزرگوں کا حکم ہے کہ ہم تم کو اجازت دیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات کے تحت کچھ عذر معذرت فرمائی جس کا جواب شیخ نے بایں الفاظ دیا۔

"جو باری لاگتا ہے سو اپنی باری سینچے گا۔"

چند دنوں کے بعد:۔

چنانچہ دستور درویشاں است خرقہ مرحمت کردند اذن عام فرمودند۔	جیسا کہ بزرگوں کا طریقہ ہے خرقہ مرحمت فرمایا اور اذن عام دیا۔

ہم یار بدست آید و ہم کار فراہم شد
المنۃ للہ کہ ایں ہم شد و آں ہم شد

فتح پور واپسی

وہ چھوٹا بچہ جس کی کم سنی کا خیال کر کے اس کی دادی صاحبہ اپنے سے جدا کرنے کے لئے تیار نہ تھیں لیکن مجبوراً جدا کیا تھا اب یہ غریب الوطن مسافر قد و قامت ہی میں نہیں بلکہ ظاہر و باطن میں بھی بڑا ہو کر اپنے وطن واپس ہو رہا تھا۔

سلسلہ سہروردیہ

فتح پور پہنچ کر حضرت مخدوم قاضی شیخ نظام الدین فتحپوری کے صاحبزادہ شیخ قطب الدینؒ سے آپ کو سلسلہ چشتیہ سہروردیہ کی خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔

دوسرے بزرگوں سے حصول اجازت

یہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس پر اور جس وقت ہو جائے نہ اس کی کوئی گھڑی ہے نہ ساعت اور نہ وہ ظاہری اسباب کی پابند۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اور فضل کچھ اسی طرح ہوا۔ جون پور تشریف لے جانا وہاں ایک وقت کے بڑے استاذ و شیخ سے تحصیل علم کرنا پھر حضرت شیخ بہاء الدین جونپوریؒ کی خدمت میں پہونچنا پھر ان سے اجازت و خلافت حاصل کر کے واپس فتح پور آ کر سلسلہ سہروردیہ کا مجاز بننا اور وہ بھی اس شان سے کہ گویا ان ہی کی آمد کا انتظار تھا۔ یہ ساری چیزیں فضل الٰہی اور انعام خداوندی سے ہی تعلق رکھتی ہیں، اور یہ طالب حقیقت بھی حقیقت میں طالب تھے۔ اتنی عالی نسبتیں ہو جانے کے بعد بھی پائے طلب میں لنگ نہ پیدا ہونے دیا من کان للہ کان اللہ لہ کا مرقع دیکھئے۔

مانک پور میں

فتحپور سے مانک پور قطب عالم شیخ المشائخ شیخ حسام الدین اور میراں سید حامد شاہ کی خانقاہ میں تشریف لے جاتے ہیں مخدوم زادہ راجی سید نورؒ سے ملاقات ہوتی ہے وہاں کتنے دن قیام ہوا اور کیا حالات پیش آئے اس کا تو کچھ پتہ نہ چل سکا تاہم

مخدوم زادہ راجی سید نورؒ نے خلافت مرحمت فرمائی اور اپنا مصلیٰ تبرکاً مرحمت فرمایا۔

نسبتِ قلندری نام تو معلوم نہیں ہو سکا، سلسلہ قلندریہ کے کسی بزرگ سے آپ کو نسبت قلندری بھی حاصل ہوئی۔

شیخ تاجن مہوبوی شیخ تاجن مہوبوی نبیرۂ حضرت شیخ فخرالدین مہوبوی سے بھی اجازت حاصل ہوئی۔

شیخ خاصہ امیٹھی میں ایک بزرگ شیخ خاصہ تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی موقع سے امیٹھی تشریف لے گئے تو شیخ نے خلافت و اجازت سے نوازا ـــــ غرض متعدد طرق و سلاسل میں آپ کو اجازت حاصل ہوئی۔

ترکِ وطن فتح پور میں کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد ۹۰۵ھ میں ترک وطن کے قصد سے آپ نے حج بیت اللہ کا عزم فرمایا اہل وعیال اعزا و اقربا کے ہمراہ فتح پور سے تیس میل جانب مغرب "شہر کوڑہ" میں منزل ہوئی۔

شہر کوڑہ کوڑہ کی سرزمین کو علم و فضل، تبلیغ و دعوت رشد و ہدایت کی سرفرازی حاصل ہونا تھی کارکنان قضا و قدر طے کر چکے تھے کہ اس سرزمین سے علم و فضل کے چشمے پھوٹیں، یہاں رشد و ہدایت کے زمزمے گونجیں، تبلیغ و دعوت کا قافلہ سالار، مبلغین و داعین کے قافلے اطراف و اکناف میں روانہ کرے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلے۔ الہام غیبی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑہ کی منزل سے آگے بڑھنے سے روکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

بعد چون در کوارہ رسیدم ـــ جب میں کوڑا پہنچا تو بزرگوں

بشارت پیران و بزرگان شد	نے بشارت دی کہ سلسلہ کے
کہ ایں مقام پیران شمارا دادند	پیروں نے یہ مقام تمہارے حوالہ کیا۔

اس بشارت کو غالباً واہمہ سمجھ کر اس سے اعراض فرمایا گیا اور سفر کی تیاری ہونے لگی۔ لیکن جو بات طے ہو چکی تھی وہ طے ہو چکی تھی جس طرح اب تک کسی طے شدہ بات میں تخلف نہیں ہوا تھا۔ تو پھر اس سے کیوں تخلف کیا جاتا۔

باز خواستم تا روان شوم	میں نے چاہا کہ چل کھڑا ہوں
امر بالحاح شد۔	لیکن اصرار کے ساتھ پھر حکم دیا گیا

اب کوئی گنجائش واہمہ فرض کرنے کی نہ تھی ذرا سوچئے تو اللہ کا یہ بندہ فتح پور سے بقصدِ حج و ہجرت نکلا۔ لیکن جس مقام کو پہلے سے مرکز تجویز کیا گیا تھا یہ سالار قافلہ جب وہاں پہونچا تو حکم دیا گیا کہ "ایں مقام پیران شمارا دادند" گویا مقصد صرف فتح پور سے نکالنا اور اس بستی تک پہونچا دینا تھا یہ فعل اس بندہ کا تھا کہ جس کو یہ احکام مل رہے تھے کہ اس نے خود کعبۃ اللہ جانے کا ارادہ کیا لیکن بندہ کا کوئی ارادہ ارادہ نہیں، کوئی اختیار، اختیار نہیں آقا کا جو حکم ہو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہی عبدیت کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی اس حیات دنیا میں مقصود و مطلوب بھی اللہ کے اس بندہ نے بھی یہی کیا۔ اپنی مرضی اور اختیار سے قطع نظر کر کے خود کو اپنے آقا کی مرضی اور اختیار کا تابع بنا دیا۔ فرماتے ہیں۔

ماندم ۱۲۷	میں رہ پڑا

بحر ذخار	حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوڑہ تشریف

۱۲۷؎ یہ ساری ابتدائی تفصیل میں نے "سیر سالار ہی" سے نقل کی

آوری کے سلسلہ میں بحر ذخار کے فاضل مصنف نے جو کچھ تحریر کیا وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:۔

در تذکرہ محمد صالح ہرگانوی	محمد صالح ہرگانوی نے تذکرہ
آورد کہ آنحضرت از رخصت	میں تحریر کیا کہ اپنے مرشد گرامی
مرشد خود بکڑہ آمد درون	سے رخصت ہو کر جب آپ کوڑہ
قلعہ مسجد و حجرہ بنا ساختہ	آئے تو قلعہ کے اندر مسجد و حجرہ
اقامت نمود ۵؎	تعمیر کر کے قیام فرمایا۔

کوڑہ کے قلعہ میں آپ کے عارضی قیام کو مسترد نہیں کیا جا سکتا، یہ زمانہ سلطان سکندر لودھی کا تھا اور کوڑہ کے قلعہ میں بجے سنگھ عرف بجلی خاں کے اعقاب و اخلاف مقیم تھے۔ کوڑہ مسلم گوتم راجاؤں کی راجدھانی تھا، یہ سلطنت دہلی کے باجگذار جاگیردار تھے۔ جو ہندو گوتم راجاؤں سے جن کی راجدھانی ارگل تھا اکثر و بیشتر برسرپیکار بھی رہتے تھے۔ اس کا امکان ہے کہ ان مسلمان گوتموں نے حضرت کا استقبال کیا ہو اور کچھ عرصہ کے لئے آپ اس قلعہ میں مقیم رہے ہوں۔ ۶؎

ایک سوءِ فہمی

اسی کے ساتھ ساتھ ایک سوءِ فہمی کی صفائی بھی ضروری ہے جو ایک فاضل مصنف کی تحریر سے پیدا ہو گئی جس نے ایک غلط روایت کی شکل اختیار کر لی۔

فاضل مصنف حضرت قطب الدین سالار بڈھ ؒ اور سلطان

۵؎ بحر ذخار قلمی ص ۱۱۴ (دائرہ شاہ محمدی الہ آباد) ۶؎ تفصیل اسی کتاب کے تاریخی حصہ میں ملاحظہ ہو۔

حسین شرقی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بحکم سلطان (سلطان حسین شرقی)، بارادہ جہاد از راجہ ارگل بمقام کوڑہ رونق افروز شدہ حکم جہاد فرمودند راجہ مذکور تاب مقاومت نداشتہ مسلمان شد و نام راجہ بجلی خاں نہاد اول نام راجہ بجے سنگھ بود و قلعہ بجلی خاں ہنوز متصل میاں ٹولہ موجود است دراں زمان جناب مخدوم صاحب ممدوح بمقام کوڑا سکونت اختیار فرمودند و نام جائے سکونت خود محلہ سالار بندگی گشت اکنوں نام محلہ میاں ٹولہ و فتح پور کہ وطن اصلی بود گذاشتند ؎۱ .

بحکم سلطان حسین شرقی راجہ ارگل سے جہاد کے ارادہ سے کوڑہ میں مقیم ہوئے اور جہاد کا حکم دیا راجہ مذکور اس جنگ کی تاب نہ لا سکا مسلمان ہو گیا راجہ کا نام بجلی خاں رکھا گیا پہلے اس کا نام راجہ بجے سنگھ تھا، بجلی خاں کا قلعہ محلہ میاں ٹولہ سے متصل موجود ہے اسی زمانہ میں جناب مخدوم صاحب ممدوح نے کوڑہ میں سکونت اختیار کر لی ان کی جائے سکونت کا نام محلہ سالار بندگی ہو گیا اب کا نام محلہ میاں ٹولہ ہے اور فتح پور کہ وطن اصلی تھا۔ آپ نے چھوڑ دیا۔

اسی تحریر سے اسرار جہانی (مطبوعہ ۱۳۲۷ھ) کے فاضل مقدمہ نگار جناب ڈپٹی خلیل الرحمٰن علیہ الرحمہ نے اپنے مقدمہ میں راجہ ارگل سے جنگ و جہاد اور بجے سنگھ کے قبول اسلام کی روایت لی ؎۲ ۔ لیکن ہر دو واقعات بوجوہ ذیل غلط ہیں۔

؎۱ افسوس کہ اس قلمی کتاب کے صرف دو ورق مجھے مل سکے ؎۲ مقدمہ اسرار جہانی ص ۵

(۱) سلطان حسین شرقی کی حکومت ۸۸۱ھ میں سکندر شاہ لودھی کے ہاتھوں ختم ہو گئی تھی اس وقت حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۸ سال تھی اور آپ جونپور میں زیر تعلیم تھے۔

(۲) سلطان حسین شرقی کا انتقال مشرقی بنگال کے دوران قیام سنہ ۹۰۱ھ میں ہوا اور حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۹۰۵ھ میں کوڑہ تشریف لائے تو پھر "بحکم سلطان" حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کوڑہ آنے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

(۳) راجہ بجے سنگھ عرف بجلی خاں کے قبول اسلام کا واقعہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں پیش آیا جیسا کہ زیر نظر کتاب کے تاریخی حصہ میں شجرہ راجگان گوتم کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے۔ تو حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بجے سنگھ کے قبول اسلام کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ ۹

درس وافاضہ کوڑہ میں توطن اختیار کر لینے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس وافاضہ کا سلسلہ شروع ہوا کیوں کر اور کس طرح؟ یہ روئداد بھی حضرت ہی کے الفاظ میں سنئے:۔

دقتیکہ در شہر کوڑا آمدم دیدم	جب میں کوڑا آیا تو دیکھا کہ یہاں
کہ دریں مقام طالب علمے نیست	کوئی طالب علم نہیں ہے۔

طالب علم ہوتا کیسے؟ دو چار گھرانے مسلمانوں کے جو پہلے سے تھے بھی تو ان کی دینی و ثقافتی حیثیت کچھ بھی نہ تھی حضرت کی تشریف آوری ہی کوڑہ میں دینی، تبلیغی سرگرمیوں کے لئے سنگ میل بنی ظاہر ہے کہ ایسی بستی

---

۹ تاریخ قصبہ کوڑا م ۱۳۱ تا ۱۳۴

میں اقامت اختیار کرنے کے بعد اس کے سوا اور کیا سوچا جا سکتا تھا۔

در خود گفتم کہ ایجا ویرانی است	میں نے اپنے دل میں سوچا کہ
طالب علم از کجا آید مشغول	یہاں تو ویرانی ہے طالب علم
بریاضت خواہم ماند	کہاں سے آئے عبادت اور ریاضت
	ہی میں مشغول ہونا چاہیے۔

یہ ارادہ بھی ویسا ہی عزم وارادہ تھا جیسا اس سے پہلے فتحپور سے رخصت ہوتے وقت فرمایا گیا تھا اور پھر کوڑہ سے سفر کے موقع پر فرمایا گیا لیکن جس ہستی کا ارادہ ارادہ ہوتا ہے وہ ایجا ویرانی است طالب علم از کجا آمد کی پابند کیسے ہو سکتی تھی۔

شبے چشم بستہ وردی خواندم	ایک رات آنکھیں بند کئے ورد
غنودگی آمد دیدم کہ بندگی میاں	پڑھ رہا تھا کہ آنکھیں جھپک گئیں
شیخ بڈھ بدست ہدایہ گرفتہ	دیکھا کہ حضرت الاستاذ ہاتھ
با ما سبق می طلبند متعجب شدم	میں ہدایہ لئے مجھ سے سبق طلب
گفتم کہ من شاگرد خاص اچگونہ	فرما رہے ہیں متعجب ہو کر عرض کیا
چنیں باشد گفتند ما رانیت	کہ میں تو حضرت کا شاگرد ہوں یہ
است	کیونکر ممکن ہے آپ نے فرمایا
	ہمارا تو ارادہ یہی ہے۔

سمجھنے کو تو سمجھ گئے کہ یہاں ریاضت و مجاہدہ کی نہیں درس و تدریس کی مشغولیت کی ہدایت کی جا رہی ہے لیکن ظاہری اسباب ناپید تھے تاہم ابھی رات کا وقت تھا صبح ہوتے دیکھنا ہے کہ "سر و سامان کار" کیا اسباب فراہم کرتا ہے۔

چوں روز شد ناگاہ طالب علمے	جب دن چڑھا تو اچانک ایک

کنز بر دست گرفتہ پیدا شد — طالبعلم کنز الدقائق ہاتھ میں لیے نمودار ہو۔

اب حضرت کو کیا تامل ہو سکتا تھا۔

ضرورت افتاد بدرس مشغول شدم — ضرورت لاحق ہوئی اور میں درس میں مشغول ہو گیا۔

اس مرحلہ پر ممکن ہے یہ سوچا جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ نے اپنے لئے جو لائحہ عمل تجویز فرمایا تھا حالات نے چونکہ اس کا رُخ تبدیل کر دیا۔ ریاضت و مجاہدہ سے جو باطنی ترقیاں آپ کے پیش نظر تھیں ان میں خاصی الجھن پیدا ہو گئی ہو گی لیکن یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ یہ جو کچھ بھی ہوتا چلا آیا ہے اس میں کوئی دخل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارادہ کو نہیں تھا پورے ہجرت کوڑہ میں قیام۔ پھر۔ ریاضت و مجاہدہ کی زندگی کے عزم کے باوجود درس و تدریس میں اشتغال کی ہدایت اور طالب علم کا اچانک حاضر ہو جانا یہ ساری چیزیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارادہ و اختیار سے بھی بلند ارادہ و اختیار رکھنے والے مالک حقیقی کی طرف سے پیش آرہی تھیں اور اس کا وعدہ ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں محروم رکھا جا سکتا ہے۔

دبمدد مشائخ در حالت درس مراقبہ و مشاہدہ میسر شد — بزرگوں کی مدد سے درس کی مشغولیت ہی میں مراقبہ و مشاہدہ حاصل ہو گیا۔

دل و جانم بتو مشغول نظر در چپ و راست
تانگویند ایشاں تو محبوب منے

طریق درس اور اسکی خصوصیت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر درس نہایت جامع و مانع اصول و فروع پر حاوی ہوتی تھی مزاولت کی وجہ سے یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ طالب علم کی عبارت خوانی کے بعد کتاب دیکھے بغیر ہی تقریر شروع فرما دیتے اور مختلف علماء کے شروح و حواشی کی عبارتوں کا حوالہ بھی دیتے جاتے تھے آپ کی یہ خصوصیت معروف و مشہور تھی۔

ہر طالب علمے مبتدی یا نیم خواندہ	جو مبتدی یا نیم خواندہ طالب علم
کہ در مدرسہ و خانقاہ آمد کامل	مدرسہ میں آیا وہ کامل ہو کر گیا
شدہ رفت و ہر کامل راسخ	اور ہر کامل راسخ ہو کر پلٹا۔
شدہ برگشت و مشہور است	طلبہ میں یہ بات مشہور ہے کہ
میاں طلاب علوم کہ تا درس	جب تک حضرت کے درس میں
آنحضرت گذر نکند علم دست	شرکت نہ کی جائے گی حقیقت
نیا ید۔	علم ہاتھ نہ آئے گی۔

اس میں کوئی تعجب نہیں جس استاذ نے تعلیم و تعلم کے مختلف مدارج اپنے صاحب نسبت استاذ کی نگرانی میں طے کئے ہوں اور خود بھی صاحب نسبت ہو اس کے درس میں اس کیفیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن بالعموم ہر مدرس یا ہر استاذ کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، کوئی طالب علم اگر ناغہ کرتا تو مناسب الفاظ میں تہدید فرماتے۔

اگر کسے ناغہ کردے، پرسیدند	اگر کوئی طالب علم سبق کا ناغہ
چوں گفت چیزے کارے بود	کرتا تو دریافت فرماتے اگر وہ
فرمودند ایں کار بیکاراں	یہ جواب دیتا کہ کام پیش آگیا تھا

است این کار کسے نیست کہ او کارے دارد۔

تو فرماتے کہ تحصیل علم بیکاروں کا کام ہے یہ ان لوگوں کا کام نہیں جن کو کوئی کام پیش آئے۔

طلبہ کی اعانت و کفالت خود بھی فرماتے اور اگر کوئی دوسرا کچھ کرتا تو اس سے آپ خوش بھی ہوتے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک درسی تقریر

ایک آیت پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی درسی تقریر نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ درس کی جامعیت کا اندازہ لگایا جاسکے فرماتے ہیں۔

این در باب ابوبکر صدیق رضؓ است بجز طعام چیزے دگر نبود آں را بمہماں دادند خود فاقہ با فرحت اختیار کردند فرمان آمد یوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ و در روایت این آیت در باب علی است نا روزے طعام پزیدند خواستند تا بخورند فقیرے بر در آمد آں را بوے دادند خود فاقہ کردند روز دوم و سوم ہمچناں شد و بعضے در باب طلحہؓ گفتند و بعضے در باب دیگرے گفتند و آیت بلفظ جمع نازل شد در باب ہمہ می تواند

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی کھانے کے سوا اور کچھ نہ تھا وہ کھانا مہمان کو کھلا کر خود فاقہ فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارہ میں نازل ہوئی ایک دن کھانا پکایا اسے کھانا چاہ رہے تھے کہ سائل دروازہ پر آپہونچا آپنے پورا کھانا اس کے حوالہ کر دیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی پیش آیا بعض لوگوں نے اس کا نزول حضرت طلحہؓ کے بارے میں بتایا اور بعض لوگوں نے کسی دوسرے

صحابیؓ کے بارے میں روایت کی ہے بہرحال آیت چونکہ بلفظ جمع نازل ہوئی ہے اس لئے سب ہی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

درس حدیث کی ایک تقریر

مفسران این حدیث را فائدہ گفتند بعضے از آنکہ شفقت بر کودکان باید کرد و کسے را کہ مصیبتے رسد باید پرسید و خاطرش از آزردگی باسودگی و آمیزش باید آورد و اباحت مزاح مشروع و پرسیدن کارے معلوم داشتن پرندہ برائے شکار و جواز کلام مسجع و ہر یکے ازیں مستحب شدہ و تصغیر علم جائز است۔

"یاعمیر مافعل النغیر" کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے اس حدیث کی تفسیر میں چند فائدے ذکر کئے گئے ہیں بچوں پر شفقت کرنا چاہئے کسی پر کوئی مصیبت آئے تو پرسش کر کے اس کا ملال خاطر دور کرنا چاہئے۔ یا مشروع مزاح کی اباحت کسی معلوم بات کے متعلق دریافت کرنا شکار کیلئے پرندہ پالنا اور مسجع گفتگو کرنا ان میں سے ہر چیز مستحب ہے اور علم کی تصغیر جائز ہے۔

احسان و تصوف

احسان و تصوف کی پہلی اور سب سے بلند منزل نماز ہے حضرت رحمۃ اللہ کو نماز سے خاص لگاؤ تھا وقت آنے سے قبل ہی تیاری شروع فرما دیتے اور وقت آنے پر اپنے مصلے پر آجاتے تا قیام جماعت سنن و نوافل میں مشغول رہتے لگاؤ اور تعلق کا یہ عالم تھا کہ ـــ

درا دان ضعف چوں یک دو کس بقوت استادہ کردیم چوں تحریمہ بستند گذاشتیم چناں وصال شدہ کہ بقوت ایزدی فرض را ایستادہ ادا کردند بعد سلام ہماں ضعف کما کان۔

زمانۂ ضعف میں ایک دو آدمیوں کی مدد سے جب ہم کھڑا کر دیتے تو تحریمہ کے بعد چھوڑ دیتے تھے اسی حال میں فرائض بفضل ایزدی کھڑے ہو کر ادا کرتے رہے سلام کے بعد پہلا سا ضعف پھر طاری ہو جاتا۔

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے اس کی ایک لطیف توجیہ فرمایا کرتے تھے۔

نماز با تعدیل ارکان و آداب بگذارد زیرا کہ جامع عبادات ملائکہ است بعضے دائم در قیام اند و بعضے در رکوع و بعضے در سجود، و بعضے در قعود و بعضے در قرأت و بعضے در تسبیح، و بعضے در تکبیر حق تعالی بکرم خویش جمیع عبادات را در نماز جمع کرد۔

نماز تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنا چاہئیے اس لئے کہ وہ جامع عبادات ملائکہ ہے بعض ملائکہ قیام میں رہتے ہیں بعضے رکوع میں بعض سجدہ میں بعض قعود میں بعض قراۃ میں بعض تسبیح بعض تکبیر میں اللہ تعالی نے اپنے فضل سے ملائکہ کی ساری عبادتیں نماز میں جمع فرما دی ہیں۔

بحالت نماز کبھی کبھی مسرت و شادمانی اور کبھی گریہ و بکا کی کیفیت بھی طاری ہوتی تھی۔ فرض نماز کے بعد دعا میں شدید گریہ طاری ہوتا تھا اور اس کیفیت سے دوسرے نمازی بھی متاثر ہوتے تھے۔ عشاء کی نماز اول وقت ادا فرما کر استراحت فرماتے نصف شب گذارنے پر تہجد کے لئے بیدار ہو جاتے

اور فجر تک اوراد و مراقبہ میں مشغول رہتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روز وشب میں اوقات تقسیم تھے۔ عموماً عصر و مغرب کے درمیان کا وقت خلوت کا وقت ہوتا تھا، خصوصاً جمعہ کے دن مابین عصر و مغرب قطعی طور پر ملنے ملانے سے گریز فرماتے تھے لیکن مہمان، طالب علم اور سالک ان قیود سے مستثنیٰ تھے معمول یہ تھا کہ کسی شغل میں بھی مشغول ہوں آنے والا اگر آتا تو فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اگر طالب علم ہوتا تو اس کی علمی الجھن رفع فرماتے کوئی سائل ہوتا تو اس کا سوال پورا فرماتے کوئی زائر ہوتا تو اس کو مناسب نصیحت فرماتے اور اس سے فراغت کے بعد پھر اپنے شغل میں مشغول ہو جاتے اس سلسلہ میں ایک عجیب بات فرمایا کرتے تھے۔

ورد را قضا است شب خلیفہ روز است و روز خلیفہ شب اگر بعذرے در روز نخواند در شب خواند و ورد شب را در روز بطریق قضا یا بطریق تقدیم بخلاف تطییب خاطر آئندہ و اجابت سوال سائل و تسکین دل مضطرب کہ آں را قضا نیست زیرا کہ بازکے دکجا آں وقت یابد کہ خواطر ایشاں باز آید۔	اوراد و وظائف کی قضا ہے شب کا ورد دن میں پڑھے اور دن کا ورد شب میں پڑھے بطریق قضا یا بطریق تقدیم بخلاف کسی آنے والے کی تطییب خاطر اور اجابت سوال سائل اور تسکین دل مضطرب کہ ان کو اگر وقت پر پورا نہ کیا گیا تو ان کی کوئی قضا نہیں۔

ہمایوں

ان آنے والوں میں ہندوستان کا شہنشاہ ہمایوں بھی تھا۔ بابر کے مرنے کے بعد سنہ ۹۳۷ھ میں تخت نشیں ہوا۔ بنگالہ سے واپسی پر گوڑھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے کچھ نصیحت

فرما کر اس کو رخصت کر دیا اس موقع پر لوگوں سے ملاقات کا ایک اصول بیان فرماتے ہیں۔

چوں خلق رجوع کند طائفہ فقرا را جا دہد و مرحبا گوید و اغنیاء را وعظ مناسب گفتہ وداع کند	جب مخلوق رجوع کرے تو فقراء و مشائخ کو عزت و توقیر کے ساتھ جگہ دے اور دولتمندوں کو مناسب نصیحت کر کے رخصت کر دے

یہ تو ایک عام اصول ہوا انھیں اغنیاء سے ملاقات کے سلسلہ میں گفتگو جاری رکھتے ہوئے آپ نے ایک بڑی اہم بات فرمائی۔

تا آنکہ بالیشاں باشد دل را نگاہ دارد تا از خصال ایشاں دریں سرایت نکند و چناں انفاس خود را نگاہ دارد تا ہیچ دمے از صحبتش در غیر حق نرود۔	جب تک ان کے پاس رہے دل پر نگاہ رکھے تاکہ ان کی خصلتیں اس میں سرایت نہ کر سکیں اسی طرح اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے تاکہ کوئی لمحہ ان کی صحبت ہونے کی وجہ سے یاد حق سے غفلت میں نہ گذرے۔

اللہ اللہ یہ ہیں اہل دل انکی احتیاط اور نسبت کی یہ رعایت مشکل ہی سے میسر آتی ہے۔

دُنیا سے بے تعلقی اور انابت الی اللہ کوڑہ ضلع کا صدر مقام تھا وہاں بادشاہ کی جانب سے منصب دار فوجدار قاضی وغیرہ سب ہی رہتے تھے اگر حضرت رحمتہ اللہ علیہ چاہتے تو کم از کم ان لوگوں سے ربط پیدا کر سکتے تھے لیکن کبھی ان کے بلانے پر بھی ان کے یہاں تشریف نہیں لے گئے اور نہ کبھی کسی سے کوئی سفارش فرمائی حضرت رحمتہ اللہ علیہ

کے استغناء کی یہ کیفیت امراء و روساہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ اپنی ذات
ور اپنے مفاد سے بھی عموماً بے تعلق تھے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو جو جاگیر ملی
بھی اس کے انتظام و انصرام سے مدۃ العمر کنارہ کش رہے اگر کچھ مل گیا
تو بہتر اور نہ ملا تو اس کی کوئی فکر نہیں فرمائی لوگوں کے کہنے سننے اور زیادہ
توجہ دلانے پر ارشاد فرماتے۔

درویش را باید کہ اگر از	درویش کو چاہیئے کہ اس نے
دنیا چیزے قبول کند دل بر	دنیا سے کوئی چیز اگر قبول
آں نہ بندد دین داری و	کرلی ہے تو اس سے دل نہ لگائے
دیہہ داری ضدان لا	دینداری اور دیہہ داری ایک
لایجتمعان	دوسرے کی ضد ہیں جو کبھی
	جمع نہیں ہو سکتیں۔

واصل اللہ ان کو کہتے ہیں، قلب کی محافظت "نسبت مع اللہ" کا
احترام ایسے ہی لوگوں کا کام تھا۔" دینداری و دیہہ داری ضدان لایجتمعان
انہیں لوگوں کا حصہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے انابت و توکل کے اعلیٰ مدارج
پر فائز فرمایا ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ ان میں
سے ایک تھے۔

وصال

اکہتر سال مسلسل سرزمین کوڑہ میں درس و تدریس رشد
و ہدایت کی شمع فروزاں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا بلاوا
آپہونچا۔ وصال سے کچھ عرصہ قبل فرمانے لگے۔

منادی چنیں ندا می دہد اجیبوا	پکارنے والا پکار رہا ہے۔
داعی اللہ دیگر بزرگواران ہم	اجیبوا داعی اللہ۔
خرامند۔	دوسرے بزرگ جارہے ہیں

اس ارشاد کے چند ماہ بعد میاں قاضی خان[1] کے انتقال کی اطلاع آئی جب شیخ لادن[2] کے انتقال کی اطلاع دہلی سے آئی تو فرمانے لگے۔

اکنوں نوبت ما است — اب ہماری باری ہے

بیشتر اوقات ہندی کا یہ دوہا زبان مبارک پر جاری رہنے لگا۔

بارین بارین اپنی چلن لاگے
بار ہماری بھیّا بنری آوے

چنانچہ چہار شنبہ ۲۷ ربیع الثانی ۹۲۶ھ کو یہ آفتاب رشد و ہدایت ماہتاب علوم نبوت اپنے علوم و معارف کی تراسی بہاریں دکھانے کے بعد غروب ہوگیا۔

فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلاً۔

اعقاب و اخلاف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے حضرت شاہ بہاء الدین، منجھلے صاحبزادے حضرت شاہ جمال الدین، چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ علاء الدین رح عرف شاہ حسین تھے۔ حضرت شاہ جمال الدین کا عنفوان شباب ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ دو صاحبزادیاں تھیں۔ پہلی صاحبزادی زوجہ حاجی الحرمین الشریفین شاہ اکرم بن بدر الدین کو منسوب تھیں دوسری صاحبزادی بی بی خدیجہ جو ملا عبد الخالق بن ملا ابراہیم مکی کالپوی کو منسوب ہوئیں

---

[1] جلال الحق قاضی خان بن یوسف الناصحی العمری ظفر آباد کے رہنے والے چشتی سلسلے کے بڑے شیخ ۹۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۴) [2] عبد الغفور نام مولانا سماء الدین دہلوی رح کے پوتے دہلی میں صاحب درس و افادہ تھے عوام میں شیخ لادن نام اس قدر مشہور تھا کہ لوگ اصل نام سے ناواقف تھے۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۴)

بڑے صاحبزادے حضرت شاہ بہاء الدین کی اولاد میں حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں، حضرت شاہ جمال اولیاءؒ، شاہ مبارکؒ، شاہ ابوسعید عرف بھیے دانشمندؒ، شاہ ابونجیبؒ، مولوی عشق حسین قادریؒ، حکیم زین العابدینؒ، مولانا سید شاہ وارث حسنؒ، مولانا حکیم سید نصرت حسینؒ (شہید مالٹا) ہوئے۔

حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین چھوٹے صاحبزادے کی نسل میں شاہ قطب الدینؒ، شاہ غلام جمالؒ، ملا عبدالرسولؒ، شاہ عبدالکریمؒ، شاہ حسین ثانیؒ، شاہ جلالؒ، شاہ محمد فیروزؒ، مولوی عاشق علیؒ، مولانا سید محمد عبدالحیؒ، مولوی سید محمد عبدالقدیر نسّابہ سرآمد روزگار ہوئے۔

حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمتہ کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک صاحبزادی حاجی شاہ اکرم بن بدر الدین کو ادھیسی ضلع الہ آباد منسوب ہوئیں دوسری صاحبزادی خدیجہ کا عقد ملا عبدالخالقؒ پسر ملا ابراہیم صدیقی کالپویؒ سے ہوا جنکی نسل آج بھی کوڑہ میں موجود ہے۔ ملا لطف اللہؒ، ملا محمد یحیٰؒ، ملا شہیدیؒ، وغیرہ صاحب درس و افتاء اور باکمال گذرے ہیں۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی ایک بہن بھی تھیں جو فتحپور میں منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے کا نام عیسٰی تھا۔

خلفاء حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سرفہرست بڑے صاحبزادے حضرت شاہ بہاء الدینؒ اور چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسینؒ تھے۔ اس کے علاوہ شیخ مبارک سندیلویؒ، سید جلال سارلی دانشمند، شیخ فیاض عالم ساکن امیٹھی، سید ابراہیم دانشمند[۲۵]

[۲۵] سید ابراہیم کاظمی لکھنوی ثم فتحپوری مورث اعلیٰ خانوادہ حضرت مولانا حکیم سید ظہور الاسلام رحمتہ اللہ علیہ بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور۔

شیخ داؤد دہلوی، شیخ علی بن قمر علی خراسانی تھے۔ اسرار جہانی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اٹھارہ خلفاء تحریر ہوئے ہیں۔ ۸۳؎

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ نگاروں کی نظر میں

مولوی محمد غوثی بن حسن بن موسیٰ اشطاری مصنف گلزار ابرار تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ عالی مقامات میں سب کے پیشوا اور عجیب و غریب کرامتوں کے مجمع تھے۔ شیخ بہاء الدین کے خلیفہ تھے۔ آپ کی زاد بوم اور قبر سرکار کالپی کے ایک قصبہ میں ہے شیخ مبارک جن کا مولد اور مرقد سندیلہ ہے اور سید عبد الغنی جن کی حیات و ممات کا مقام فتح پور ہنسوہ ہے شیخ سالار کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ شیخ سالار دونوں جہان کے علم اور علم کے رمزوں سے آگاہ تھے۔

اہل زمانہ دینی اور خدا شناسی کے کاموں میں ہمیشہ ان بزرگواروں کے آستانہ پر توجہ اور نیاز کے ساتھ حاضر آیا کرتے تھے اور نیز ان بزرگواروں کی پر اسرار گفتگو سے دو جہانی مشکلات حل کیا کرتے تھے۔ ۸۴؎

بحر ذخار

شاہ وجیہہ الدین اشرف امیٹھویؒ مصنف "بحر ذخار" حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:
پہلے تو جن القاب و آداب کے ساتھ ان کا نام لیا ہے وہ پڑھ لیجئے:

آں مرہم قلوب عاشقاں آں | وہ دل عشاق کے مرہم وہ
بصارت افزاء دیدہ عارفان | بصارت افزاء دیدہ عارفان
آں فرمانروائے اقلیم معنوی | وہ فرمانروائے اقلیم معنوی

۸۳؎ اسرار جہانی صفحہ ۱۲۲۔ ۸۴؎ اذکار الابرار ترجمہ گلزار ابرار صفحہ ۱۲۹ و صفحہ ۱۳۰

سالار کاملان شیخ سالار بڈھ کردی۔

اور سالار کاملان یعنی شیخ سالار بڈھ کوڑوی۔

اب آگے پڑھیئے:۔

خلف وخلیفہ شیخ نظام الدین مہاجری فتح پوری بود، او مرید شیخ فخر الدین مہوبوی خلیفہ مخدوم جہانیان سید جلال بخاری است و یک خرقہ خلافت از حضرت شیخ بہاء الدین جون پوری خلیفہ شیخ عیسیٰ تاج نیز یافتہ چنانچہ در مریدان خود ہمیں سلسلہ شیخ بود یعنی جاری داشتہ۔

شیخ نظام الدین مہاجری فتح پوری کے خلف وخلیفہ تھے جو فخر الدین مہوبوی کے دست گرفتہ اور شیخ فخر الدین حضرت مخدوم جہانیان کے خلیفہ تھے۔ (شیخ سالار نے) ایک خرقہ خلافت حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری خلیفہ شیخ عیسیٰ سے بھی پایا اپنے مریدوں میں اسی سلسلہ کو جاری رکھا۔

اوپر کی سطور گویا حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف میں تحریر ہیں اس کے آگے ملاحظہ ہو۔

الغرض حق سبحانہ وتعالیٰ برکت وسیع ورتبہ رفیع در صوفیاء و اہل صفا ادرا بخشیدہ بود کہ آں در سلسلہ عالی قدر او خلفاء صاحب کشف وکرامات بودند چنانچہ شیخ مبارک سندیلوی وسید عبد الغنی ساکن

الغرض حق سبحانہ وتعالیٰ نے صوفیا اور اہل صفا کے درمیان وسیع برکت اور بلند مرتبہ بخشا تھا کہ ان کے سلسلہ عالی میں ان کے خلفاء بھی صاحب کشف وکرامات تھے۔ چنانچہ شیخ مبارک سندیلوی اور سید

فتح پور ہسوہ از فیض یاباں | عبدالغنی ساکن فتح پور ہسوہ
ادیبند ۸۵ | انھیں سے فیض پانیوالوں میں ہیں

فاضل مصنف نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے بعض حالات کے ذکر کے ساتھ ساتھ کشف و کرامات کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کو غیر ضروری سمجھ کر میں نے نظر انداز کر دیا۔ بزرگان دین کی حالات مقدسہ میں ان کے کشف و کرامات کی اہمیت اتنی نہیں ہے جتنی کتاب و سنت کے اتباع کی تلاش و جستجو کی اہمیت ہے۔ اب آخر میں مولانا سید عبدالحی سابق ناظم ندوۃ العلماء کا حضرت کے حالات پر جامع تبصرہ بھی پڑھ لیجئے تاکہ راقم سطور کی دراز نفسی کا سلسلہ ختم ہو تحریر فرماتے ہیں:۔

الشیخ العالم الفقیہ	بزرگ عالم و فقیہ سالار
سالار بن ھبۃ الدین	بن ہبتہ الدین حنفی کوڑوی
الحنفی الکوری احد	بزرگوں میں سے ایک بزرگ
المشائخ ولد ونشأ	تھے، کوڑہ میں پیدا ہوئے
بکورۃ بالدیار الھندیۃ	پرورش پائی، بچپن ہی میں
واشتغل بالعلم من صغرہ	اپنے شہر کے اساتذہ سے تعلیم
علی اساتذۃ بلدتہ ثم	حاصل کی پھر دوسرے مقامات
سافر الی بلاد اخری و	پر گئے شیخ یعقوب سوسی سے
اخذ عن الشیخ یعقوب	پڑھا پھر عرصہ تک شیخ شمس الحق
السوسی ثم لازم	جو انپوری سے نفع حاصل
الشیخ شمس الحق	کیا۔

۸۵ بحر ذخار ص ۱۱۶۔

الجونفوری فانتفع ثم	پھر شیخ نظام الدین فتح پوری
صحب الشیخ نظام الدین	کی صحبت میں عرصہ دراز تک
الفتحپوری ولازمہ مدۃ	رہے شیخ بہاء الدین جون
ثم لبس الخرقۃ من الشیخ	پوری سے خرقہ حاصل کیا
بہاء الدین الجونفوری	اور اپنے وطن واپس آکر
ورجع الی بلدتہ وقام	علوم و معارف کی نشر و
بنشر العلوم والمعارف و	اشاعت میں مشغول ہو گئے
کان زاہداً عفیفاً متین	زاہد و عفیف بڑے دیندار
الدیانۃ کثیر التعبد نبغ	عبادت گزار تھے ان کی نسل
من اعقابہ اجلاء منھم	میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے
الشیخ جمال توفی یوم الاربعاء	انہی میں سے شیخ جمال تھے چہار
لثلاث بقین من ربیع الثانی	شنبہ ۲۷ ربیع الثانی یا بقولے
وقیل لثمان خلون من ربیع	ماہ ربیع الاول ۹۴۶ھ
الاول سنۃ ست واربعین	میں وفات
وتسع مائۃ ۹۴۶ھ	پائی۔

غرض آپ کی وفات پر کوڑہ میں درس و تدریس، رشد و ہدایت پہلا دور ختم ہوا۔ اور شاہ بہاء الدین نیز شاہ علاء الدینؒ عرف شاہ حسین نے دوسرا دور شروع کیا۔

؎ نزہۃ الخواطر جلد چہارم ص۱۰۶۔

دوسرا دور

حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کے بعد کوڑہ کی سرزمین پر درس و تدریس رشد و ہدایت کا دوسرا دور حضرت شاہ بہاء الدین اور حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین نے شروع کیا۔

حضرت شاہ بہاء الدینؒ

حضرت شاہ بہاء الدینؒ مخدوم سید قطب الدینؒ سالار بڈھ رحمتہ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے مخدوم صاحب نے پیر و مرشد کے نام نامی کی مناسبت سے ان کا نام بہاء الدین رکھا۔ کوڑہ ہی میں والد گرامی سے تعلیم حاصل کی، انہی سے بیعت ہوئے۔ جون پور جاکر وہاں کے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر کچھ عرصہ تک استفادہ کرتے رہے واپس آئے تو والد گرامی ہی کے مدرسہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔

خلافت و اجازت

سنہ ۹۲۸ھ میں والد گرامی نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور سلسلہ سہروردیہ شطاریہ کی اجازت و خلافت سے نوازا[۸۷]

دو مدرسے دو خانقاہیں

سنہ ۹۴۶ھ میں حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کے

---

۸۷ سیر سالاری ص ۳۵

کے بعد افادہ و استفادہ کا عمل بڑھ گیا مختلف مقامات سے طالبان علوم نبوت کی آمد و رفت میں اضافہ ہوا جس کی بنا پر کوڑہ میں ۲ دو مدرسے اور دو خانقاہیں ہو گئیں۔ حضرت شاہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ تو والد گرامی ہی کے مدرسہ اور خانقاہ میں مصروف کار رہے، حضرت شاہ علاء الدین نے اپنا مدرسہ اور اپنی خانقاہ علیحدہ کر لی، پھر انہی دو مدارس اور خانقاہوں نے متعدد مدارس اور خانقاہوں کو وجود بخشا جس کی جستہ جستہ تفصیل آپ اگلی سطور میں ملاحظہ کریں گے۔

وفات آپ کے علمی روحانی فیوض کا سلسلہ کتنی مدت تک جاری رہا اس بارہ میں کچھ لکھنا دشوار ہے۔ اس لئے کہ نہ تو سال ولادت کا پتہ چل سکا نہ سال وفات معلوم ہو سکا۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کا انتقال ۹۸۵ھ کے بعد ہی ہوا اسرار جہانی نامی کتاب میں حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانیؒ آپ کے صاحبزادہ نے تحریر کیا کہ

"شب جمعہ تاریخ انتیس ۲۹ جمادی الثانیہ ۹۸۵ھ میں حضرت مخدوم و مرشد والد ماجد قبلہ نے اس ضعیف کو سامنے بٹھا کر یہ ذکر فرمایا[۸۸]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۹۸۵ھ کے بعد عہد اکبری میں ہوئی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی

اعقاب آپ کے تین صاحبزادے (۱) شاہ حمید الدین عرف مخدوم

---

[۸۸] اسرار جہانی ص ۱۳۱۔ ۱۲۹

جہانیان ثانیؒ (۲) شاہ منورؒ (۳) شاہ نظام الدین ۔

شاہ نظام الدین لاولد فوت ہوئے، شاہ منور اور شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان صاحب اولاد ہوئے ۔ اولادِ اناث کا حال معلوم نہیں ۸۹ ؎

خلفاء اسرار جہانی کے مصنف نے آپکے خلفاء کی تعداد اکیس[۲۱] درج کی ہے ۔ سرفہرست شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانیؒ آپکے دوسرے اور تیسرے صاحبزادے شیخ منور اور شیخ نظام الدین آپ کے پھوپھی زاد بھائی سید عیسیٰ ان کے علاوہ کابلی کے شیخ جلالؒ اور شیخ نظامؒ شاہ گڈھ کے شیخ منےؒ شیخ نوراللہؒ فتح پور کے میران منعم علیسیؒ آگرہ کے سید ناصر دانشمندؒ شیخ ابو الاعلیٰ جاجموی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے مخدوم ابوالفتحؒ ۹۰ ؎

تذکرہ نگاروں کی نظر میں بحر ذخار کے فاضل مصنف آپکے بارہ میں تحریر کرتے ہیں :۔

”اصحاب ورع کے امام اپنے عالی قدر والد حضرت سالار بڈھ کے خلف و خلیفہ تھے“

”صاحب بیاض الاولیاء لکھتے ہیں کہ آپ صاحب مجاہدہ وریاضت اور صاحب کشف وکرامات تھے“

”آپکے صاحبزادے مخدوم جہانیان ثانیؒ نے اسرار سالاری میں تحریر کیا کہ ایک رات ذکر اسم ذات کر رہے تھے کبھی بھول جاتے اور کبھی ہیئت اصلی سے بھی کم ہو جاتے تھے

---

۸۹ ؎ آئینہ سالاری ص۱ ۹۰ ؎ اسرار جہانی ص۱۲۳

میں یہ کیفیت دیکھ کر حواس باختہ ہوگیا"۔
"ایک دن قیلولہ کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کا قلب "ہو، ہو" کے ذکر میں رقص کر رہا ہے"
"شیخ یحییٰ سندیلویؒ شیخ بہاء الدین کے خلیفہ بہت مرد مرتاض و ممتاز تھے"۔ ۹۱

نزھۃ الخواطر کے مصنف علام تحریر فرماتے ہیں:۔

الشیخ الصالح بہاء الدین بن سالار الحنفی الکوروی کان من کبار المشائخ ولد ونشأ بکورۃ بلدۃ فیما بین کانفور وفتح فور وکان من اھل بیت العلم والصلاح أخذ الطریقۃ عن أبیہ وتولی الشیاخۃ بعدہ واخذ عنہ خلق کثیر ۹۲

مرد نیک و بزرگ بہاء الدین بن سالار حنفی کوڑوی بڑے شیوخ میں سے تھے، فتح پور اور کانپور کے درمیان قصبہ کوڑہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت پائی علمی اور اصلاحی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے اپنے والد گرامی سے بیعت و مجاز اور ان کی وفات کے بعد منصب رشد و ہدایت پر فائز ہوئے ان سے بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

خاندان میں کوئی ایسی تحریر یا تذکرہ نہیں مل سکا، کہ جس سے آپ کے

---

۹۱ بحر ذخار ص ۱۱۶ ۔ ۹۲ نزہۃ الخواطر جلد چہارم ص ۵۳ ۔

دوسرے فضائل و کمالات کا علم ہوتا، تاہم گذشتہ سطور سے اتنا اندازہ تو کیا ہی جا سکتا ہے کہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک میں آپ امتیازی مقام رکھتے تھے، اپنے بعد آنے والے تیسرے دور کے لئے اپنے ہر سہ صاحبزادگان کو تیار کر دیا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین رح

دوسرے دور کے دوسرے رکن حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین کی ولادت کا سال معلوم نہیں ہو سکا۔

تعلیم اپنے والد گرامی سے ہی تعلیم حاصل کی پھر جونپور تشریف لے گئے حضرات علماء و صلحاء کے مختلف دائروں میں کچھ عرصہ رہ کر استفادہ کیا۔ والد گرامی ہی سے بیعت اور سنہ ۹۲۸ھ میں مجاز ہوئے ۹۳؎۔

تدریس جونپور سے واپس ہوئے تو والد گرامی ہی کے مدرسہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا سنہ ۹۴۶ھ تک آپ اسی مدرسہ میں مشغول رہے۔ لیکن جب طالبان علوم نبوت اور عازمان راہِ حقیقت کی کثرت ہوئی تو آپنے اپنا مدرسہ علیحدہ قائم کیا اور خانقاہ بھی علیحدہ بنائی، ان دونوں مدارس اور خانقاہوں نے مزید مدارس اور خانقاہوں کو وجود بخشا۔

حضرت شاہ علاء الدین کے مدرسہ اور خانقاہ کی اراضی

۹۳؎ سیر سالاری ص ۳۵۔

پر مولوی سید اخلاق احمدؒ مولانا سید محمد عبد الحیؒ مولوی سید محمد عبد القدیر لنسابہ کے مکانات اور ۔ درگاہ ہے جس میں حضرت شاہ علاء الدینؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ قطب الدین ثانیؒ مع اپنے دیگر اعزا اور رفقاء کے آسودۂ خواب ہیں۔

سیر سالاری

حضرت شاہ علاء الدین کو اپنے والد گرامی سے جو خیر سے آپ کے استاد اور مرشد گرامی بھی تھے جنھوں نے آپ کو تعلیم و تربیت دی بیعت کیا اور مجاز بنایا بیحد تعلق خاطر تھا، ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد ان کے حالات، ملفوظات، تعلیمات پر ایک کتاب "سیر سالاری" تصنیف فرمائی، اپنے والد گرامی کی حیات مقدسہ کے مختلف گوشوں کا انتہائی تعلق و محبت کے ساتھ ذکر کیا اور آپ کے اعمال و اقوال ذکر کر کے قرآن و سنت سے تطبیق دی، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ علاء الدینؒ کو قرآن و سنت سے بیحد شغف تھا اور آپ کے قلب و دماغ پر اس کی بڑی گہری چھاپ تھی۔

کتاب کی ترتیب و تسوید کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

> "آپ (حضرت مخدوم صاحبؒ) کے بعض افعال و اقوال ضعیف قلب و دماغ اور عقل و فہم میں یاد رہ گئے اپنے حقیر ہاتھوں اور قلم سے جمع کر کے اس مختصر تحریر کا نام سیر سالاری رکھا۔"[۹۴]

---

۹۴ سیر سالاری ص۲و۳

اگلی سطور میں کتاب کی تحریر کا مقصد بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"تا کہ اے عزیز از جانِ عزیز! ہر وہ شخص جو اس کتاب کو اپنے پاس رکھتا ہو غور و فکر اور اس پر عمل کرے یہ سوچ کر کہ اس میں حضرت کا ذکر ہے

ع اے گل بتو خرسندم کہ تو بوئے کسے داری"

یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ کتاب اس آوارہ کی لکھی ہوئی ہے، اس لئے کہ یہ کتاب آپ کے سوانح آپ کے افعال و اقوال کی جامع ہے اس کے مطالعہ سے اللہ کے فضل سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر استقامت حاصل ہو گی۔ ۹۵

نہ صرف یہ کہ اعقاب و اخلاف ہی کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بہت غور و فکر کے ساتھ کریں بلکہ ہر وہ افراد کہ جن کی رسائی اس کتاب تک ہو وہ بھی اس کا مطالعہ غور و فکر کے ساتھ کریں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر ان کو استقامت حاصل ہو گی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت سے حضرت رحمہ اللہ کے استشہاد کی چند مثالیں پیش کر دی جائیں

(۱) وعظ و نصیحت کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وعظ و نصیحت تھی:۔

---

۹۵ سیر سالاری ص ۲ و ۳

"اے عزیز از جان عزیز جانو کہ وعظ و نصیحت قریب المعنیٰ ہیں، وعظ خیر کی بات کہنا اور نصیحت خیر خواہی کرنا ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وعظ و نصیحت ہی ہوتی تھی۔[96]"

یہ فرق بیان کرنے کے بعد اس کے ثبوت میں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وعظ و نصیحت تھی قرآن سے استدلال کرتے ہیں :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى — وہ نہیں بولتے اپنے نفس کی
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى — خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔
(پارہ ۲۷، رکوع ۵)

دوسری مثال ملاحظہ ہو، شاگرد کے لئے استاد کے سامنے باادب بیٹھنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"شاگرد کے آداب میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ استاد کے سامنے اونچی اور سخت آواز سے سوال نہ کرے بلکہ جب استاد اپنی تقریر سے فارغ ہو تو نرمی اور آہستگی سے اپنی بات عرض کرے اور ادب کے ساتھ دو کمان یا ایک کمان کے فاصلے پر بیٹھے اس سے زیادہ نزدیک بیٹھنا سوء ادبی ہے۔[97]"

شاگرد کو استاد سے دو کمان یا ایک کمان کے فاصلہ پر بیٹھنے کی ہدایت ہو رہی ہے ایک کمان سے بھی کم بیٹھنے کو بے ادبی بتایا جا رہا ہے

---

[96] سیر سالاری ص ۱۳۳۔ [97] سیر سالاری ص ۹۲

جس پر استدلال ذیل کی آیت کریمہ سے ہو رہا ہے :-

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ	پھر نزدیک ہوئے اور لٹک
قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی	آئے پھر رہ گیا فرق دو کمان
(پارہ ۲۷، رکوع ۵)	کے برابر یا اس سے بھی نزدیک

حدیث شریف سے بھی استشہاد کی دو مثالیں سن لیجئے، ارشاد ہو رہا ہے :-

"بچوں کی تادیب ڈانٹ ڈپٹ یا ان کے حال کے مطابق ضربِ مشروع شفقت میں داخل ہے ۹۸"

بچوں کی تادیب کا مسئلہ ہے ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ کی شہادت؟ حدیث سے پیش کر رہے ہیں :-

مُروا صبیانکم بالصلوٰۃ	اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب
اذا بلغوا سبعاً واضربوھم	وہ سات سال کے ہوں اور انکو
اذا بلغوا عشراً	مارو جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچیں۔

مسواک کے بارہ میں حضرت مخدوم صاحبؒ کا معمول بتایا جا رہا ہے۔

"اے عزیز از جان عزیز جالو کہ مخدوم صاحب وضو کی ابتدا مسواک سے کرتے تھے، مسواک کرنا سنت ہے حضرات انبیاء و علماء نے اس پر مواظبت کی ہے۔ مسواک بہت سے فوائد رکھتی ہے اصلاً سنت کی اقامت

---

۹۸ سبیر سالاری ص ۲۳۔

واحیاء مقصود ہے منہ کو پاک رکھتی ہے مسواک کے ساتھ ایک نماز ستر نمازوں سے بڑھکر ہے حدیث میں آتا ہے السواک مطھرۃ للفم و مرضاۃ للرب۔

دوسری حدیث میں ہے

لولا اشق علی امتی لأمرتھم بالسواک عند کل مکتوبۃ ۹۹ھ

یہ تو چند مثالیں تھیں جو میں نے پیش کر دیں ورنہ پوری کتاب قرآن وحدیث کے استشہاد سے بھری ہوئی ہے، بزرگوں کے اقوال وقائع وحکایات کے ساتھ فقہی مسائل اور بعض شخصیات کا ذکر بھی موجود ہے کتاب پر مکمل تبصرہ مقصود نہیں۔

مہوبہ کا سفر

مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مہوبہ کا جب دوسرا سفر حضرت شیخ تاجن کی خدمت میں حاضری کے لئے فرمایا تو حضرت شاہ علاء الدینؒ آپکے رفیقِ سفر تھے، خود ہی ارشاد فرماتے ہیں :- ۱۰۰ھ

"اس بار میں بھی براہ خدمت ہمراہ تھا۔ دونوں بزرگوں کے درمیان عجیب کرامتیں، عجیب پوشیدہ باتیں دیکھیں ۱۰۱ھ

۹۹ھ سیر سالاری صالح۔ ۱۰۰ھ شیخ تاجن کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا ممکن ہے تاج الدین ہو، حضرت شیخ فخر الدین مہولوی مجاز حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت، تک آپکا نسبی سلسلہ درج ذیل ہے۔
شیخ تاجن بن شیخ جہانگیر بن شیخ تاجن بزرگ بن شیخ فخر الدینؒ

۱۰۱ھ سیر سالاری صنا۔

امامت حضرت شاہ علاءالدین ہی حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی فرض نمازوں کی امامت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حسن صوت کے ساتھ ساتھ حسن تجوید و لحن سے بھی لوازا تھا۔

پہلے تو حضرت مخدوم صاحبؒ کی نماز کی ادائیگی سن لیجیے:۔

"آپ نماز بہت احتیاط و آداب کے ساتھ پڑھتے تھے کبھی بحالتِ نماز زیر لب تبسم ہوتا، کبھی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے، چہرہ نور سے درخشاں ہوتا۔ ۱۰۲ھ"

نعرہ خیزی کی کیفیت نماز کے بعد ہوتی فرماتے ہیں:۔

"خاص کر جب راقم سطور امامت کرتا، خوش الحانی اور لہجہ کے ساتھ پڑھتا، خصوصاً دعا میں نماز سے فارغ ہو کر آپ کی خاص حالت ہوتی نعرے بلند فرماتے ۱۰۳ھ"

شاہ علاءالدین کی قرأت و تجوید اور مخدوم صاحب کی اس کیفیت و حالت سے ایک دوسرا منظر بھی سامنے آتا تھا:۔

"اس وقت پوری مجلس مع در و دیوار مست ہو جاتے اکثر اہل دل رو پڑتے ۱۰۴ھ"

ایثار نفسی "وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" پر حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ گفتگو فرماتے ہوئے اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں علماء مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا تذکرہ فرما رہے تھے اسی درمیان شاہ علاءالدین کو اپنا واقعہ یاد آگیا اس کو انہی کے الفاظ میں سنئے:۔

۱۰۲ھ تا ۱۰۴ھ سیر سالاری ص ۶۸

"حضرت والد گرامی نے اس ضعیف کو اس وصف سے نوازا، ایک دن موسم سرما میں ایک طالب علم کے پاس سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی اوڑھنا نہ تھا مجھ ضعیف نے اپنی نفیس قیمتی شال اس کے حوالہ کر دی اور خود ایک پرانی دوہر اوڑھ لی، والد گرامی نے یہ حال دیکھا تو خوش ہوئے، مسرت سے رخسار مبارک سرخ و درخشاں ہو گئے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۱۰۵"

حضرت مخدوم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھ لیا کہ صاحبزادے نے طالب علم کو اپنی قیمتی شال دے کر خود موٹی اور پرانی دوہر اوڑھ لی، خوش ہوئے اور بے ساختہ آیت کریمہ "ویوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" زبان مبارک سے نکلی۔ آیت کریمہ سے اس اتفاقی مطابقت پر صاحبزادے کو جس قدر خوشی ہوئی کم تھی لیکن فرماتے کیا ہیں ؟

"میں نے الحمد للہ کہا اور قلب کا محاسبہ کیا کہ آیت کریمہ سے اس مطابقت پر نفس خوشی سے مغرور ہو کر برباد نہ ہو جائے ۱۰۶"

اللہ اللہ یہ ہیں اللہ والے کہ جو ہر حال میں اپنے نفس اور اپنی نسبت کی نگہداشت کرتے ہیں

نماز کے سلسلہ کی ایک تلقین

حضرت شاہ علاء الدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ والد بزرگوار نے مجھے یہ تلقین کی کہ جب تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو لا الٰہ کا تصور کرو، اور جب ہاتھ باندھنے لگو تو الا اللہ کا تصور کرو،

---

۱۰۵ سیر سالاری ص ۱۹۲۔ ۱۰۶ سیر سالاری ص ۱۹۲

اسی طرح جب پہلا سجدہ کرو تو اس تصور کے ساتھ کہ اسی مٹی سے پیدا ہوا ہوں، اور جب دوسرا سجدہ کرو تو یہ تصور کرو کہ میں پھر اسی مٹی میں مل کر خاک ہو جاؤں گا۔

یہ تو میں نے خلاصہ بیان کر دیا حضرت ہی کے الفاظ میں آپ سنیں تو لطف زیادہ آئے گا اور طبیعت عمل پر راغب ہو گی۔

ترجمہ پیش کر رہا ہوں:-

"فرمایا کہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے 'لا الٰہ' سے غیر حق کی نفی تصور کرے، اور ہاتھ باندھتے وقت 'الا اللہ' سے اثبات حق کا تصور کرے ۱۰۷"

"دوسرے اذکار کے علاوہ یہ بھی ایک ذکر ہے اس پر مداومت کرے ۱۰۸"

آگے اس کی مصلحت بیان ہو رہی ہے:-

"اس کے بعد فرمایا کہ رفع یدین سے دنیا اور عقبیٰ کی نفی کی طرف اشارہ ہے۔ داہنے ہاتھ سے عقبیٰ اور بائیں ہاتھ سے دنیا اور دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے حق تعالیٰ کے اثبات کی طرف اشارہ ہے ۱۰۹"

آگے پڑھئے:

"نمازی نے جب دونوں عالم کی نفی کر دی تو خود کی بھی نفی ہو گئی اس لئے کہ وہ بھی دو عالم ہی میں ہے اس لئے حق کے سوا کوئی نہ رہا۔ ع من نمانم او بماند والسلام ۱۱۰"

---

۱۰۷ تا ۱۱۰ سیر بالالی ص ۶۹

یہ تو پہلی تلقین ہوئی دوسری تلقین سجدہ کے متعلق فرمائی :۔

"فرمایا کہ پہلا سجدہ کرکے پیشانی خاک میں ملے یہ اشارہ ہے کہ میں اسی خاک سے پیدا ہوں ، دوبارہ سجدہ میں پیشانی خاک پر ملے اس میں اشارہ ہے کہ میں پھر خاک ہی ہو جاؤں گا[۱۱۱]"

حضرت شاہ علاء الدین آگے تحریر فرماتے ہیں :۔

"خصوصیت کے ساتھ مجھ کو نفی و اثبات اور تکبیر و سجدہ کے اشاروں کی تلقین فرمائی ہے

کجا ما و کجا زنجیر زلفش

زہے دیوانگی بر سر فتاد[۱۱۲]

وفات کوڑہ کی سرزمین پر درس و تدریس رشد و ہدایت کا یہ دوسرا دور تھا جس کو شاہ بہاء الدینؒ اور شاہ علاء الدینؒ نے پورا کیا۔ دونوں بزرگوں نے اپنے اخلاف کو تیسرے دور کے لئے تیار کیا۔ حضرت شاہ علاء الدینؒ نے ۹۷۳ھ میں وفات پائی[۱۱۳]

اعقاب آپ کے صرف دو بچے ہوئے ، صاحبزادہ کا نام سید قطب الدین ثانی اور صاحبزادی کا نام نصیبہ بی بی تھا۔ جو ملا خاندان میں عبد الحی عرف علی پسر محمد خالق کو منسوب ہوئیں۔

---

۱۱۱ و ۱۱۲ سیر سالاری ص ۶۹

۱۱۳ آئینہ سالاری ص ۲۶

خلفاء "آپ کے صاحبزادے سید قطب الدین ثانی آپ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے"[114]

بقیہ خلفاء کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

تذکرہ نگاروں کی نظر میں بحر ذخار کے مصنف آپکا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ناظر اسرار کونین حضرت شیخ حسین خلف و خلیفہ شیخ سالار کے ہیں، ان کے کمالات کا قیاس یہاں سے کرنا چاہئے کہ والد گرامی کی وفات کے بعد ایک روز اپنی خانقاہ میں مراقبہ تھے ایسے میں شیخ اخوند درویزہ پہونچ گئے۔ آپنے سر اٹھایا اور فرح و نشاط کے ساتھ فرمایا ابھی والد گرامی نے مشاہدہ میں فرمایا کہ میں نے اپنے دو خرقے چھوڑے ہیں۔ ایک کے ٹکڑے کر کے معتقدوں کو بطور تبرک دے دو دوسرا خرقہ ابھی ایک شخص آئے گا اسے دے دو یہ خرقہ حاضر ہے لے جاؤ۔

شیخ اخوند درویزہ کا اصل نام میر سید علی تھا جو شیخ سالار رومیؒ کے مرید تھے"[115]

(۲) آئینہ سالاری کے مرتب لکھتے ہیں:-

حضرت مخدوم شاہ علاء الدین معروف شاہ حسین کہ بلقب شاہ جیو بودند کہ	حضرت مخدوم شاہ علاء الدین معروف شاہ حسین کہ بلقب شاہ جیو مشہور تھے، عالم و

---

[114] آئینہ سالاری ص۲۶ [115] بحر ذخار ص۱۱۶۔

عالم علامہ عصر وصاحب کمال	علامہ عصر صاحب کمال تھے
بودند بردر دنیا دار نہ	دنیا دار کے دروازہ پر کبھی
روند وصاحب حال وقال	نہ گئے حال وقال اور درویش
ودرویش کامل در پردہ	کامل تھے، دنیا کے پردہ میں
دنیا خود را پوشیدہ داشتہ	خود کو پوشیدہ رکھا، خلافت
خلافت وتحصیل علم حضرت	اور تحصیل علم اپنے والد گرامی
والد خود بمقام جونپور	اور شہر جونپور میں کرکے
فارغ ہستند۔	فارغ ہوئے۔
صاحب کشف وکرامات	صاحب کشف وکرامات
بسیار بودند نور اللہ	تھے، اللہ تعالیٰ انکی قبر کو
مرقدہ [۱۱۶]"	نور سے بھردے

مولوی عبدالقدیر نسّابہ علیہ الرحمۃ والغفران حضرت شاہ علاءالدین عرف شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں اپنے فن کے لحاظ سے ایک ممتاز فرد تھے، انہوں نے حضرت شاہ علاءالدین رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات لکھی۔

ع پاکیزہ باطن قطب زمان ۳۱۶
شاہ حسین مکین جناں ۶۵۸
۹۷۴ھ

۱۱۶؎ آئینہ سالاری ص ۲۶

تیسرا دور

حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی رح

سید حمید الدین بن سید بہاء الدین بن سید قطب الدین سالار بدھ رح
اصل نام حمید الدین مخدوم جہانیان ثانی عرفیت تھی، یہ عرفیت حضرت مخدوم جہانیان جہان گشت کی عرفیت سے تبرکاً مستعار لی گئی، اس عرفیت کو اتنی شہرت ہوئی کہ آپ کے والد گرامی نے بھی سند و اجازت دیتے ہوئے اصل نام کے بجائے مخدوم جہانیان ثانی تحریر کیا۔[۱۱۷]

"تذکرۃ العابدین و امداد العارفین" کے مصنف "ع" اور "ح" میں فرق نہیں کر سکے، انھوں نے آپ کا اصل نام عمید الدین تحریر کیا۔[۱۱۸]

ولادت

سال ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکا، قیاس یہی کیا جا سکتا ہے کہ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد میں پیدا ہوئے، اکبر یا جہانگیر کے عہد میں وفات پائی۔

تعلیم و تربیت

اپنے والد گرامی حضرت شاہ بہاء الدین رح سے تعلیم حاصل کی، انھی کے زیر تربیت رہے، تعلیم سے فراغت کے بعد آبائی مدرسہ میں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ انھی سے بیعت بھی ہوئے۔

---

[۱۱۷] اسرار جہانی ص۱۱، [۱۱۸] تذکرۃ العابدین و امداد العارفین ص۱۲۸

اجازت وخلافت

۲۸ ربیع الاول ۹۵۱ھ میں آپ کے والد گرامی نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ بعض مخصوص اوراد و وظائف کی بھی آپ نے اجازت دی۔

کوڑہ میں درس وتدریس، رشد وہدایت کا یہ تیسرا دور تھا۔ جس کو آپ نے اور آپ کے بھائیوں شیخ منور اور شیخ نظام الدین نے شروع کیا جب کہ حضرت شاہ علاء الدین رح کے صاحبزادے شاہ قطب الدین ثانی رح ۹۷۴ھ میں تیسرا دور شروع کر چکے تھے۔

اسرار جہانی

اس خانوادہ گرامی کو جن جن سلاسل سے اجازت اور تعلیم حاصل ہوئی تھی، ان سارے ہی سلاسل کے اوراد واذکار آپنے "اسرار جہانی" نامی کتاب میں جمع کردیئے ہیں اس کا اصل نسخہ تو راقم سطور کو مل نہ سکا لیکن سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اردو میں اس کا ترجمہ ۱۳۴۷ھ میں طبع کرایا تھا۔ وہی نسخہ میرے پیش نظر ہے۔

حضرت مخدوم جہانیان ثانی رح اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جب یہ ضعیف اور بعضے طالبان حق حضرت والد ماجد قدوۂ ارباب صفا و اہل تقویٰ کی خدمت بابرکت میں ملتجی ہوئے کہ جس طرح آنحضرت کو اپنے والد بزرگوار اور حضرت شاہ سالار علم سے تعلیم تلقین دین ہوئی ہے حوالہ قلم فرمائیں، ارشاد فرمایا کہ میرا لکھنا تیرے لکھنے کے برابر ہے، لہٰذا جو کچھ مجھ سے تمہیں تعلیم ہوئی ہے لکھو دو"۔ [119]

---

[119] اسرار جہانی ص ۱۲

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں۔
"پس حضرت والد ماجد و نیز حضرت دادا صاحب نے میں نے اس میں مدد لی اور اس کو تمام کیا"۔ [۱۲۰]

یہ کتاب دو گیارہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں تین تین فصلیں ہیں، گیارہویں باب میں پیران سلسلہ کے شجرے اور حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ نیز حضرت شاہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کا ذکر ہے۔ اس کتاب کا ذکر بحر ذخار اور نزہۃ الخواطر کے مصنفین نے بھی کیا ہے۔

بحر ذخار کے مصنف تحریر فرماتے ہیں۔
"بزرگ زمانیاں شیخ مخدوم جہانیاں شیخ بہاء الدین کے خلف و خلیفہ ہیں، بیاض الاولیاء کے مصنف لکھتے ہیں کہ ان کے احوال عجیب ہیں، صاحب کمال تھے، اسرار سالاری نام کی ایک تصنیف ہے۔ اپنے دادا اور والد گرامی سے جتنے بھی اذکار و اشغال اور اوراد پائے اس کتاب میں لکھ دئے ہیں، اسی میں لکھتے ہیں کہ ایک رات والد گرامی شیخ بہاء الدین "ہو" کا ذکر چہار ضربی کر رہے تھے ذکر کی آواز میرے کانوں میں پہونچی تو جذبۂ اشتیاق نے بیقرار کر دیا، بے طاقت ہو کر کھڑا رہ گیا، میں نے آنحضرت کے حجرہ میں حاضر ہونا چاہا، لیکن "ہو، ہو" کی آواز ہر طرف اور در و دیوار نیز ذرہ ذرہ سے آ رہی تھی، مجھے راہ نہ ملی

---

[۱۲۰] اسرار جہانی ص ۱۲

کہ میں وہاں تک پہونچوں ہر چند میں نے قدم اٹھانا چاہا مگر ممکن نہ ہو سکا،،[121]

نزہۃ الخواطر

مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں:-

الشیخ الصالح مخدوم بن بہاء الدین بن سالار الحنفی الکوردی أحد المشائخ الجشتیہ ولد ونشاء بمدینۃ "کوڑا" واشتغل علی أبیہ وأخذ عنہ الطریقۃ وتولی الشیاخۃ بعدہ، لہ کتاب بسیطٌ فی أخبار ابیہ وجدّہ یسمّٰی باسرار سالاری کما فی بحر ذخار"[122]	ہر دنیک و بزرگ مخدوم بن بہاؤالدین بن سالار حنفی کوڑوی مشائخ چشتیہ کے ایک شیخ تھے، شہر کوڑہ میں پیدا ہوئے پرورش پائی اپنے والد سے تحصیل علم کی انہی سے تصوف وسلوک حاصل کیا انکی وفات کے بعد منصب رشد وہدایت پر فائز ہوئے انکی ایک کتاب اپنے والد اور دادا کے حالات میں اسرار سالاری کے نام سے ہے جیسا کہ بحر ذخار میں ہے۔

اعقاب واخلاف

تین صاحبزادے شاہ مبارک، شاہ جمال شاہ احمد، اپنے تینوں صاحبزادگان کو حضرت مخدوم جہانیان ثانیؒ نے علم وروحانیت کا چوتھا دور شروع کرنے کے لئے تیار کر دیا تھا۔[123]

---

[121] بحر ذخار ص ۱۱۶، [122] نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص ۲۸، [123] آئینہ سالاری ص ۱

ہر سہ صاجزادگان میں شاہ جمالؒ کو زیادہ مقبولیت ومرجعیت حاصل ہوئی جن کا تذکرہ آئندہ سطور میں آئے گا۔ وباللہ التوفیق۔

شاہ قطب الدین ثانیؒ

سید قطب الدین ثانی بن حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈہؒ۔ شاہ علاء الدین نے اپنے بیٹے کا نام اپنے والد گرامی کے نام پر تبرکاً قطب الدین رکھا، سال ولادت معلوم نہیں ہوسکا۔

تعلیم وتربیت

اپنے والد گرامی سے تعلیم وتربیت پائی انہی سے بیعت ومجاز ہوئے [۱۲۴]

درس وتدریس

والد گرامی ہی کے مدرسہ میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ اپنے صاجزادگان کو تعلیم وتربیت دے کر چوتھے دور کے لئے تیار کیا۔ سال وفات تلاش وجستجو کے باوجود نہیں مل سکا۔

اعقاب واخلاف

آپ کے صاجزادے ملا عبدالکریم دانشمندؒ اور شاہ حسین ثانیؒ ایک صاجزادی جو ملا خاندان میں مولوی عبدالکریم کو منسوب ہوئیں یہ بی بی سلا لطف اللہ کوڑدی کی والدہ تھیں [۱۲۵]

تذکرہ نویس کی نظر میں

آئینہ سالاری کے فاضل مرتب تحریر کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم شاہ قطب الدین حضرت مخدوم شاہ قطب الدین

---

[۱۲۴] آئینہ سالاری صـ ۲۶ [۱۲۵] آئینہ سالاری صـ ۲۶

فارسی	اردو
ثانی مثل پدر بزرگوار بودند	ثانی اپنے والد بزرگوار کی
ایں قدر اضافہ کہ صاحب	طرح تھے، اتنا اضافہ کہ صاحب
جذب بود و خلیفہ حضرت	جذب تھے۔ اپنے والد ہی کے
والد خود است ۱۲۶ھ	خلیفہ تھے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

چوتھا دور

شاہ مبارک
سید مبارک بن حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی بن حضرت شاہ بہاء الدین بن سید قطب الدین سالار بڈھ رحمۃ اللہ علیہ۔

تعلیم و تربیت
سال ولادت معلوم نہ ہو سکا، اپنے والد گرامی ہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور اپنے آبائی مدرسہ ہی میں درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔

بیعت و اجازت
اپنے والد گرامی سے بیعت اور انہی سے مجاز ہوئے۔

اعقاب
شاہ مبارک رح کے سات بیٹے ہوئے، چار بیٹے لاولد

۱۲۶ھ آئینہ سالاری ص ۲۶

فوت ہوئے صرف تین بیٹے رہے، شاہ ابو المعالی، شاہ محمد ہاشم، شاہ ابو نجیب دانشمند انہی تین صاحبزادگان نے درس و افتاء، رشد و ہدایت کا پانچواں دور شروع کیا۔

شاہ مبارک مدۃ العمر اپنے آبائی مدرسے اور خانقاہ سے منسلک رہے اپنا فیض کرم وہیں جاری رکھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

۹۷۳ ——— ۱۰۴۷ھ

شجرہ سید جمال بن شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی رح بن شاہ بہاء الدین بن حضرت قطب الدین سالار بڈھ رحمۃ اللہ علیہ (مورث اعلیٰ سادات قصبہ کوڑا)

ولادت ولادت سے پیشتر بعض بزرگوں نے ان کی پیدائش کی پیشگوئی کی تھی۔ سنہ ۹۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ [۱۲۷]

تعلیم و تربیت بچپن ہی سے تعلیم و تربیت کے لئے بٹھا دیئے گئے مختلف مقامات سے جو طلبہ تحصیل علم کے لئے آتے تھے ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ واردین و صادرین کی بھی خدمت کرتے تھے [۱۲۸]

اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی سے تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں والد گرامی

۱۲۷؎ بیاض قاضی محمد واصل الہ آبادیؒ ۱۲۸؎ بیاض حضرت شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ

سے ہی بیعت ہوئے۔

نیوتنی | حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد کوڑہ میں دو مدرسے اور دو خانقاہیں قائم ہوگئیں تھیں۔ ایک مدرسہ و خانقاہ کا شاہ بہاء الدینؒ سے تعلق تھا، دوسرے مدرسہ اور خانقاہ کا شاہ علاء الدین عرف شاہ حسینؒ سے تعلق تھا۔ دونوں مدارس میں جون پور کے فاضل اساتذہ تعلیم دیتے تھے جہاں وہی نصاب رائج تھا۔ جو جون پور میں شاہان شرقی کے عہد سے رائج ہوا تھا۔

نیوتنی کے رہنے والے قاضی ضیاء الدین عثمانی عرف قاضی جیا نے احمد آباد (گجرات) جا کر مُلّا وجیہہ الدین گجراتی سے محقق دوانی کے علوم وفنون حاصل کر کے جب نیوتنی آکر درس وتدریس رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا تو جدید علوم فلسفہ وکلام کی شہرت ہوئی۔

شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو ان کے والد گرامی حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانیؒ نے ان کو قاضی ضیاء الدینؒ کے پاس مزید علوم حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا جہاں کم وبیش پانچ سال رہ کر تعلیم کے ساتھ ساتھ سلسلۂ قادریہ میں انہی سے مجاز ہوکر کوڑہ واپس تشریف لائے۔

دوسرے سلاسل سے استفادہ | (۱) حضرت جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں کئی سلسلے پہلے سے چل رہے تھے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ شیخ محمد عیسیٰ تاج سے پہونچا تھا۔ دوسرا سلسلۂ چشتیہ نظامیہ حضرت قطب الدین بن شیخ نظام الدین فتح پوری کو شیخ فخر الدین مہولوی سے پہونچا تھا۔ جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے توسط سے آیا تھا اور شیخ قطب الدین بن شیخ

نظام الدین فتح پوری نے حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا مجاز بنایا تھا۔

(۲) حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنے ان خاندانی چشتی سلاسل کے مجاز تو تھے ہی آپ نے شیخ قیام الدین بن شیخ قطب الدین سے حضرت مخدوم جلال الدین بخاری جہانیان جہاں گشت کی نسبت بھی حاصل کی ۱۲۹

(۳) سلسلۂ قادریہ آپ کو مولانا ضیاء الدین عرف قاضی جیا سے پہونچا۔ ۱۳۰

(۴) سہروردیہ سلسلہ بھی خاندان میں پہلے سے موجود تھا جس کے آپ مجاز تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ قیام الدین بن قطب الدین بن حق اللہ بن بہاء الدین جون پوری سے بھی حاصل کیا ۱۳۱

(۵) نسبت عمریہ اویسی النسبۃ بھی خاندان میں موجود تھی جو آپ کو اپنے والد گرامی سے حاصل ہوئی ۱۳۲

(۶) طریقہ شطاریہ بھی خاندان میں پہلے سے موجود تھا جو آپ کو اپنے والد گرامی سے حاصل ہوا ۱۳۳

(۷) طریقہ مداریہ حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ قیام الدین بن قطب الدین سے حاصل ہوا جس کی آخری کڑی سید اجمل بہرائچی تھے ۱۳۴

---

۱۲۹ آثارات پھلواری شریف ص۵۳۔ ۱۳۰ آثارات پھلواری شریف ص۵۲

۱۳۱ آثارات پھلواری شریف ص۵۳۔ ۱۳۲ اسرار جہانی ص۱۱۹۔

۱۳۳ اسرار جہانی ص۱۲۰ ۱۳۴ آثارات پھلواری شریف ص۵۲۔

(۸) سلسلۂ نقشبندیہ حضرت شاہ جمال اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ سے پہونچا۔

غرض اس دور میں اندرون ہند جتنے بھی سلاسل تصوف رائج تھے ان سب کے آپ جامع تھے۔ اپنے اعزا و اقربا کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت فرماتے تھے۔ اور بیرونی افراد کو قادریہ سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے۔

کوڑہ تشریف لائے تو محلہ میاں ٹولہ سے علیحدہ ایک ویران جگہ پر جو اب مغل روڈ سے متصل ہے قیام فرمایا جہاں اب حضرت کی مسجد خانقاہ اور دولت کدہ ہے۔

ابتدائی دور کوڑہ آئے تو آپ کو عسرت و تنگدستی سے سابقہ پڑا، کچھ تو عزیزوں اور یگانوں سے علیحدہ قیام کی بناء پر آپ کے والد گرامی ناخوش رہے۔ بعد میں یہ کیفیت تبدیل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وسعت و فراخی کے وسائل پیدا فرما دیئے۔ اس دور کا ایک واقعہ شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ نے اپنی بیاض میں تحریر کیا جس کا بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کوڑہ تشریف لائے، بیرون کوڑہ قیام فرمایا۔ تنگی و فقر کے ساتھ گذارہ کرتے تھے چند مردان غیب سائیں فقراء کے لباس میں آئے اور کچھ کھانا طلب کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے ان کی تواضع کرتے، کپڑا گرو رکھ کر آٹا لائے اس سے لپسی جو ہندوستان کی معروف غذا ہے تیار کی پلیٹ موجود نہ تھی کہ اس میں نکالتے، درویشوں نے کہا کہ مٹی کی وہ ہانڈی جس میں آپ نے لپسی پکائی ہے، لے آیئے آپ اٹھا لائے

انہوں نے دونوں ہاتھ اس میں ڈال کر لپسی کھائی پھر اس ہانڈی
کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگئی اور کہا کہ فقر
و تنگدستی کی ہانڈی ہم نے توڑدی۔
اسی دن سے آپ کی طرف خلائق کا رجوع شروع ہوا
اور لوگ مرید ہونے لگے۔" ۱۳۵ لہ

بحر ذخار بحوالہ بیاض الاولیاء بزرگوں کے تذکرہ نگاروں سے اختلاف روایات کی بناء پر تسامح ہوتا رہتا ہے

راقم سطور تذکرہ نہ کرتا لیکن حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے
نسبت رکھنے والی جو خانقاہیں مختلف مقامات پر آج بھی موجود ہیں
ان میں بیاض الاولیاء کی تحریر کردہ روایات سے سوءِ فہمی کا اندیشہ تھا
جن کو بحر ذخار کے مصنف نے اپنی تصنیف میں درج کیا ہے۔ پہلی
روایت یہ ہے کہ:۔

"مولانا ضیاء الدین موسوف بہ قاضی جیا کے پاس، کہ جن کا ذکر
بحر قادریہ میں آیا ہے تحصیل صوری و معنوی کی ان کی طبیعت بہت
غبی تھی مطلب تک نہیں پہونچ پاتے تھے۔ ہم سبق طلبہ ازراہ
تمسخر ان کو جمال اولیا کہتے تھے۔ اس تمہید کے بعد پورا واقعہ
بیان ہوا ہے جس کو اختصار کے ساتھ پیش کر رہا ہوں:۔

"ایک روز رفقاء کا یہ تمسخر حدود سے متجاوز ہوگیا جس کی بناء
پر حضرت کو ناگواری ہوئی، نیوتنی سے باہر کسی غار میں روپوش
ہوگئے تین یوم کے بعد استاذ گرامی قاضی ضیاء الدینؒ نے ان

---

۱۳۵ لہ بیاض حضرت شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ

ان کے ہم درس طلبہ سے ان کو دریافت کیا تو طلبہ نے لاعلمی ظاہر کی۔ چنانچہ آپ نے طلبہ کو ان کی تلاش میں روانہ کیا اور خود بھی تشریف لے گئے، استاذ گرامی ایک غار کے قریب پہونچے تو آپ نے ان کو روتا ہوا پایا، دریافت کرنے پر آپنے داقعہ بیان کیا، استاذ گرامی نے تبسم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اچھا نکلو میں نے تم کو "اولیاء" بنایا، اور پھر ان کو اپنا پیراہن عطا فرمایا، اس دن سے حضرت کی طبیعت میں ایسی ذکاوت پیدا ہو گئی کہ لوگ حیران ہوتے تھے"۔[۱۳۶]

ایک ایسی شخصیت کے بارہ میں کند ذہنی اور غباوت کی بات کرنا جس نے تمام علوم و فنون اپنے مدرسہ میں حاصل کئے ہوں اور سلسلۂ تصوف سے منسلک ہوا ہو سمجھ میں نہیں آتی، بچپن کے زمانہ میں یونہی گئے ہوتے تو کند ذہنی کی بات کسی حد تک سمجھ میں آسکتی تھی۔

اس بارہ میں حضرت شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ نے اپنی بیاض میں کچھ نہیں لکھا جو حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیک واسطہ مستفید تھے، اسی طرح "اولیاء" کی جو توجیہ بیاض الاولیاء کے مصنف نے پیش کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ واقعہ شاید سنا سنایا ہے۔

حضرت شاہ جمال اولیاؒ کے سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ حاجی محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ یکے از بانیان دار العلوم دیوبند کے سوانح و حالات ان کے خلیفہ منشی نذیر احمد دیوبندی مرحوم نے تحریر کئے ہیں، حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:-

---

۱۳۶۔ بحر ذخار ص ۱۱۶ بحوالہ بیاض الاولیاء۔

(۱) "آپ چودہ سال کی عمر میں علم ظاہری سے فراغت پاکر دستار فضیلت سے کامیاب ہوئے، آپ کے والد بزرگوار نے اولاً آپ کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں شرف بہ بیعت فرماکر ارشاد فرمایا کہ تم قصبہ نیوتنی جو ملک اودھ میں واقع ہے خدمت میں شاہ قاضی ضیاء الدین عرف قاضی جیا کے حاضر ہو۔ وہاں حصہ تمہارا ہے، چنانچہ حسب ارشاد آپ وہاں تشریف لے گئے، وہاں اکتساب باطن اور مجاہدہ نفس عرصۂ دراز تک فرماتے رہے

(۲) "ایک شب کو بعد نماز عشاء اپنے پیر و مرشد کے پیچھے پیچھے دروازۂ مکان تک چلے گئے جب آپ کے پیر و مرشد یعنی قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھا پھر کر دیکھا تو آپ ہمراہ تھے، زمانہ موسم سرما کا تھا، آپ کے پاس کچھ اوڑھنے کو نہ تھا، حضرت شیخ نے اپنی دلائی مبارک اتار کر آپ کو مرحمت فرمائی کہ اس کو اوڑھ کر سو رہنا، یہ دولائی آپ نے سر پر رکھ لی اور تمام شب اس فکر میں گذاری کہ جس طرف فرق مبارک حضرت کا رہا ہو اس طرف کو میرے پیر نہ چھو جائیں اس خیال میں تمام شب دولائی سر پر رکھ کر کھڑے ہوئے گذری آخر شب کو حضرت پیر و مرشد بیدار ہوئے اور واسطے ادائے نماز مسجد میں تشریف لا رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ شاہ جمال اولیاء جس مقام پر دلائی دے کر چھوڑ گئے تھے اسی مقام پر کھڑے ہیں، فرمایا کہ تو کون ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ جمال، شیخ نے وجہ کھڑے رہنے کی دریافت فرمائی، آپ نے سبب عرض کیا اس پر ارشاد ہوا، کہ تو "اولیاء" ہے۔

بعد نماز صبح مجمع عام میں جناب قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ سید جمال کڑوی مخدوم زادہ پیر زادہ آج سے بحکم الٰہی جمال الاولیاء ہوا" ۱۳۷

اس روایت میں اور جو روایت صاحب بیاض الاولیاء نے تحریر کی کتنا فرق ہے۔ ایک فاضل شخص جو کتاب و سنت کا عالم ہو، فلسفہ و کلام کی تعلیم کے لئے نیوتنی آیا ہو، اس کو غبی، کند ذہن کہنا، رفقاء کے "اولیا" اولیاء کہنے سے چڑ کر ایک غار میں روپوش ہو جاتا، نہ کھانے کی فکر کرنا نہ طہارت و نماز کی پرواہ، چہرہ غبار آلود، تین دن تک اسی حال میں رہنا آخر استاد گرامی کا بر سر غار پہونچ کر آپ کو نکالنا اور واقعہ سننے کے بعد یہ فرمانا کہ ہم نے تم کو اولیاء بنایا، سمجھ میں آنیوالی باتیں نہیں تذکرۃ العابدین کے مصنف نے جو روایت تحریر کی ہے وہی قرین قیاس اور دل کو لگتی ہے

سلب علوم اسی طرح بحر ذخار میں بیاض الاولیاء کے حوالہ سے "سلب علوم" کی روایت نقل ہوئی ہے ملاحظہ ہو:۔

"آپکے جملہ کمالات میں سے ایک یہ بھی کمال تھا۔ آپ کا دستور تھا کہ جو شخص علم ظاہری حاصل کرنے کے لئے آتا اس سے اقرار لیتے کہ فراغت کے بعد میرے ہی مرید ہو گے اور مجھ ہی سے فوائد دینی مثل مجاہدہ وغیرہ حاصل کرو گے، جس طالب علم نے مریدی اور مجاہدہ کا اقرار کر لیا تو ان علم حاصل کیا اور اگر وہ اپنے اقرار سے پھر گیا تو آپ ایسا تصرف فرماتے

---

۱۳۷ تذکرۃ العابدین وامداد العارفین ص ۱۷۸

تھے کہ اس کا علم سلب ہو جاتا تھا۔" ۱۳۸

"سلب علم"، کے اس عمل کو صاحب بیاض الاولیاء نے "دستور داشت"، لکھ کر آپ کا معمول اور منجملہ کمالات تحریر کر دیا ممکن ہے کوئی واقعہ دوسرے محرکات و عوامل کی بنا پر پیش آیا ہو، لیکن اس کو "دستور و معمول" نہیں کہا جا سکتا ورنہ شاہ خوب اللہ الہ آبادی اپنی بیاض میں ضرور تحریر کرتے اس لئے کہ وہ حضرت شاہ جمال الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے قریب العہد اور بیک واسطہ آپ سے مستفیض تھے، نہ قاضی محمد واصل الہ آبادی یا سید شاہ علی جعفر الہ آبادی نے اپنی اپنی بیاضوں میں حضرت کے اس معمول و دستور کا ذکر کیا، اسی طرح "تذکرۃ العابدین"، بھی اس معمول و دستور کی نشاندہی نہیں کرتی، شیخ یٰسین ساکن جھوسی بھی آپ کے تلمیذ رشید تھے، انہوں نے حضرت کی خدمت میں حصول تعلیم کا واقعہ بیان کیا جو گنج ارشدی میں نقل ہوا ہے انہوں نے آپ کی عنایات و مہربانی اور شفقتوں ہی کا تذکرہ کیا یہ بیان نہ کیا کہ مجھ سے حضرت نے یہ علم چھین لیا تھا۔ ۱۳۹

آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد رشید بن مصطفیٰ جون پوری صاحب رشیدیہ بھی ہیں جنہوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی اور بیعت ہوئے بغیر جون پور واپس ہو گئے پھر شیخ طیب بن معین بنارسی سے سلسلۂ چشتیہ قادریہ سہرور دیہ میں بیعت و مجاز ہوئے، پھر بھی طریقۂ قادریہ کی اجازت ان کو سید شمس الدین محمد بن ابراہیم حسنی حسینی قبائی کالپوی سے بھی حاصل ہوئی، لیکن شاہ جمال اولیاء نے

---

۱۳۸ بحر ذخار ص ۱۱۶ ۱۳۹ آثارات پھلواری شریف ص ۴۷ بحوالہ گنج ارشدی ص ۲۳۰

ان کے علوم سلب نہیں کئے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیاض ملا دلیار" کی یہ روایت محض سنی سنائی اور حقائق سے بعید ہے" [۱۴۰]

وصایا

آپ نے مختلف نوعیتوں کی وصیتیں بھی تحریر فرمائی ہیں جن کو قاضی محمد واصل الٰہ آبادیؒ نے اپنی بیاض میں نقل کیا ہے
"مسلمانوں کو وصیت ہے کہ خادم الفقراء جمال رومی بن حضرت مخدوم جہانیاں، بلاشک وشبہ مسلمان و مؤمن اور مؤمن و مسلم زادہ ہے، خادم الفقراء جمال رومی بندہ تائب ہے کوئی گناہ کبیرہ اس سے صادر نہیں ہوا خادم الفقراء جمال رومی کے دوسرے مراتب بھی ہیں مگر ان کا اظہار اپنی مدح توصیف ہوگی، بندہ وہی بہتر ہوتا ہے جو اپنی تقصیر پر نگاہ رکھے" [۱۴۱]

آگے اپنی تدفین کے سلسلہ میں وصیت فرماتے ہیں۔
" وصیت ہے کہ فقیر کی قبر خانقاہ کے سامنے جو مقبرہ ہے وہاں بنائی جائے چند معصوم اس مقبرہ میں مدفون ہیں فقیر کو امید ہے کہ فقیر کا حشر انہی کے ساتھ ہوگا، فقیر کا وہاں خیال رکھا جائے وصیت ہے مسلمانوں کو کہ فقیر مبلغ و زر نہیں رکھتا میں فقیر آیا اور فقیر ہی جاؤں گا" [۱۴۲]

اپنے داماد شیخ اشرف اور نواسے شیخ جلال رحمہما اللہ کو وصیت فرماتے ہیں۔

" وصیت ہے کہ بعد نماز فجر لا الٰہ الا اللہ ۲۱ بار بالجہر کہیں

---

[۱۴۰] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۶۹، [۱۴۱] بیاض قاضی محمد واصل الٰہ آبادی
[۱۴۲] بیاض قاضی محمد واصل الٰہ آبادیؒ

آخری بار میں محمد رسول اللہ کہیں، اور ظہر کی نماز کے بعد بارہ مرتبہ کلمۂ توحید بطریق اول پڑھیں، اسی طرح بعد نماز عصر و مغرب بھی اور بعد نماز عشاء ۱۲ بار کلمۂ توحید بطریق مذکور پڑھیں اور جمعہ کی نماز کے بعد ۱۲ بار کلمۂ توحید پڑھیں۔

نیز ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر اور دس بار قل ھو اللہ أحد اور دس بار درود پڑھیں، ہوش و حواس قائم رہنے تک دن میں ستر بار اور رات میں ستر بار استغفار پڑھیں۔"[۱۴۳]

اپنے داماد شیخ اشرف اور ان کے صاحبزادے شیخ جلال کو درج ذیل مزید وصیت فرماتے ہیں:

"برخوردان شیخ اشرف اور شاہ جلال کو وصیت ہے کہ کسی دنیا دار کے در پر نہ جائیں نماز باجماعت پڑھیں اللہ تعالیٰ جو کچھ دیدے تقسیم کر کے خانقاہ کے فقراء کو کھلا دیں اور ہر حجرہ میں ایک صوفی یا طالب علم کو جو مجرد و بے عیال ہو رکھیں تاکہ وہ مسجد کی خدمت خوب کرے۔"[۱۴۴]

اعقاب و اخلاف

آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی چار صاحبزادیاں ہوئیں ایک صاحبزادی بمقام ادگاسی منسوب ہوئیں جن سے دو صاحبزادے سید تاج محمود اور سید غلام رسول ہوئے لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے۔

دوسری صاحبزادی اپنے چچازاد بھائی سید امان اللہ پسر شاہ احمد کو منسوب ہوئیں یہ لاولد رہیں، تیسری صاحبزادی خاندان ہی میں سید ابو المعالی کو منسوب ہوئیں جن کا سلسلہ اب تک چلتا رہا ہے، لیکن آئندہ کی توقع نہیں

[۱۴۳، ۱۴۴] بیاض قاضی محمد واصل اللہ آبادی

چوتھی صاحبزادی شیخ اشرف زبیری مہاجری کو فتح پور منسوب ہوئیں [۱۴۵]

بعض دوسرے خانوادوں کے تذکرہ نویسوں نے حضرت شاہ جمال الاولیاءؒ کے نواسہ شاہ جلال کو آپ کا بیٹا تحریر کر دیا اس طرح ان کے اعقاب کے لئے خود کو "سید" لکھنے کا جواز فراہم کر دیا یہ صحیح نہیں ہے، شاہ جلال شیخ اشرف مہاجری فتح پوری کے صاحبزادے تھے نہ کہ حضرت شاہ جمال الاولیاءؒ کے معلوم نہیں یہ سوء فہمی کہاں سے پیدا ہوئی لکھنے والوں نے شیخ زبیری مہاجری کو سادات جعفری عریضی بنا دیا [۱۴۶]

خلفاء (۱) شیخ محمد اشرف زبیری مہاجریؒ یہ بزرگ حضرت شاہ جمال الاولیاء کے داماد تھے، آپ ہی سے بیعت و مجاز ہوئے۔

(۲) شاہ جلال: شیخ محمد اشرف کے صاحبزادے اور آپ کے نواسے تھے دونوں بزرگ کوڑہ ہی میں رہ پڑے۔ حضرت ہی سے بیعت اور مجاز تھے۔ ان کو حضرت نے اپنی خانقاہ، مدرسہ و مسجد کا نظام سونپا تھا، اور اس کی وصیت بھی کی تھی، یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا، کب ختم ہوا اس بارہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، میرے بچپن میں شاہ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اس خانقاہ کے سجادہ نشین تھے، جو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت تھے۔

(۳) سید محمد مکی ترمذی، کالپویؒ نے آپ ہی سے تعلیم حاصل کی بیعت اور

---

[۱۴۵] آئینہ سالاری ص۲۳ شیخ اشرف بن شیخ حسام الدین بن شیخ مخدوم شاہ محمد مخمر بن شاہ فخرالدین بن شاہ قطب الدین بن شیخ قاضی نظام الدینؒ مہاجری فتحپوری

[۱۴۶] نسب نامہ صدیقی مطبوعہ کراچی ص۹۱ اور اعقاب شاہ بدیع الزماں مصنفہ سید مظفر حسین سابق چیرمین سنی وقف بورڈ لکھنؤ ص۱۶۶ تا ص۱۶۸

مجاز ہوئے آپ ہی کے ذریعہ یہ سلسلہ شاہ اجمل الہ آباد اور مارہرہ پہونچا پھر وہاں سے بریلی اور بدایوں گیا۔

(۴) حاجی محمد عابد یکے از بانیان دارالعلوم دیوبند حضرت ہی کے سلسلہ عالیہ قادریہ کی ایک کڑی ہیں۔ ان کے خلیفہ منشی نذیر احمد دیوبندی نے آپ کے حالات پر ایک کتاب "تذکرۃ العابدین وامداد العارفین" کے نام سے تحریر کی تھی جس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے، پہلا ایڈیشن کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ہے، دوسرا ایڈیشن کچھ اضافات کیساتھ شائع ہوا تھا جس کو راقم سطور نے ۱۹۶۴ء میں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ مگر میں اس نسخہ سے مفصل معلومات حاصل نہیں کر سکا جسکی وجہ سے اس سلسلہ کی بالائی کڑیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کس بزرگ سے یہ سلسلہ دیوبند آیا۔

(۵) خانقاہ جنیدیہ پھلواری شریف کے بانی مخدوم شمس الدین جنید ثانیؒ نے حضرت شاہ جمال الاولیاءؒ ہی سے تعلیم حاصل کی انہی سے بیعت ومجاز ہوکر وطن پھلواری شریف واپس ہوئے اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی، کچھ عرصہ کے بعد سلسلہ کے ایک ہونے کی بناء پر یہ خانقاہ، خانقاہ مجیبی کا جزء بن گئی، پھلواری شریف کے بزرگوں نے حضرت شاہ جمال اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وروحانی میراث کو صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک برقرار رکھا ہے۔ آج بھی یہ سلسلہ ان کے یہاں رائج اور حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا علمی وروحانی فیض جاری ہے۔

تذکرہ نگاروں کی نظر میں

"اور یہ میاں جمال الاولیاء بزرگ اور صاحب وقت تھے، انکی کرامتوں کا شمار نہیں، انکے خوارق ان کے مناقب خلائق میں مشہور ہیں، جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا

مسجد (جامع) حضرت شاہ جمال اولیاؒ جدید تعمیری اضافہ کے بعد

مدرسہ و خانقاہ حضرت شاہ جمال اولیاؒ

اس کو کچھ نہ کچھ ضرور مرحمت فرماتے خالی ہاتھ نہ رخصت کرتے۔"[۱۴۷]

صاحب نزھۃ الخواطر تحریر فرماتے ہیں :-

الشيخ العالم الكبير العلامة جمال الاولياء بن مخدوم جهانيان بن بهاء الدين بن سالار عالم الحنفي الصوفي الكوروي أحد العلماء المبرزين في الفقه والاصول والعربية ولد سنة ۹۷۳ بمدينة كورة ونشأ بها وتفقه على والده ثم رحل إلى ارض اوده وقرأ العلم على القاضي ضياء الدين العثماني النيوتني ولازمه مدة من الزمان وأخذ عنه الطريق المشهور ولما بلغ رتبة الارشاد والاجازة رجع إلى بلدته واشتغل بالدرس والافادة -

بڑے عالم و بزرگ علامہ جمال اولیاء بن مخدوم جہانیان بن بہاء الدین بن سالار عالم حنفی صوفی کوڑوی فقہ و اصول فقہ اور عربیت کے ممتاز علماء میں سے ایک تھے سنہ ۹۷۳ھ میں پیدا ہوئے کوڑہ ہی میں نشوونما ہوئی، اپنے والد گرامی سے علم حاصل کیا، پھر سرزمین اودھ جا کر قاضی ضیاء الدین نیوتنوی سے عرصۂ دراز تک پڑھتے رہے، انہی سے طریقہ قادریہ حاصل کیا۔ جب مرتبۂ تعلم و ارشاد پر پہونچے تو اپنے وطن واپس آکر درس و افادہ میں مشغول ہو گئے۔

چند سطروں کے بعد آگے تحریر فرماتے ہیں۔

---

[۱۴۷] گنج ارشدی ص ۲۳

وکان مع اشتغالہ بالعلم	درس وتدریس میں اشتغال کے
منقطعاً الی الزھد والعبادۃ	ساتھ ساتھ زہد وعبادت اور دعوت
ودعاء الخلق الی اللہ سبحانہ	وارشاد میں بھی لگے رہے ص[۱۴۸]

آئینۂ سالاری کے مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شاہ جمال اولیاء قدس سرہ ہندوستان کے اولیاء کبار میں سے تھے، بہت سی کتابوں میں آپکا ذکر موجود ہے آپ کی ذات گرامی سے ہندوستان کے اکثر مقامات فیضیاب ہوئے مثلاً چورہ، پھلواری، بدایوں، دائرہ شاہ اجمل الہ آباد، لاہور وغیرہ کا تعلق آپ ہی کی ذات گرامی سے ہے"۔[۱۴۹]

شاہ احمد

احمد بن حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم سید قطب الدین سالار ریڈہ

شاہ مبارک اور شاہ جمال اولیاء کے چھوٹے بھائی، اپنے والد شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی سے تعلیم حاصل کی، انہی سے بیعت ومجاز ہوئے، مسند درس وارشاد کے چوتھے دور کے مسند نشین تھے، اپنے آبائی مدرسہ اور خانقاہ میں اپنا فیض کرم جاری رکھا۔

اعقاب

آپ کے تین بیٹے ہوئے سید امان اللہ جن کی شادی چچا زاد بہن حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوئی لاولد فوت ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے سید ابوالبرکات، تیسرے صاحبزادے

---

[۱۴۸] نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص ۱۱۲ [۱۴۹] آئینۂ سالاری ص ۲۳

میاں بڑے

سال وفات معلوم نہیں ہو سکا ۱۵ھ

ملا عبدالکریم دانشمند | عبدالکریم بن حضرت شاہ قطب الدین ثانیؒ بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن سید قطب الدین سالار بڈھ رحمتہ اللہ علیہ۔

تعلیم وتربیت | حضرت شاہ قطب الدین ثانی نے ترتیب دی سلسلہ چشتیہ نظامیہ اور سلسلہ سہروردیہ شطاریہ میں بیعت فرماکر مجاز بنایا۔

درس وتدریس | اپنے والد گرامی کی حیات ہی میں درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

میر عدل | شاہان مغلیہ کا دور تھا۔ پرچہ نویس ملک کے گوشہ گوشہ کے حالات شاہان وقت کو پہونچاتے تھے۔ ملا عبدالکریم دانشمند کی لیاقت وقابلیت، سیاست وشرافت کی اطلاع پہونچی تو ان کو عظیم آباد کا "میر عدل" مقرر کیا گیا پھر ان کو عظیم آباد سے "کول" حال علیگڑھ بھیجا گیا۔

عظیم آباد میں "میر عدل" کے عہدہ پر قیام کی مدت معلوم نہیں ہوسکی، لیکن "کول (حال علیگڈھ) میں آپ تین سال مقیم رہ کر فرائض منصبی انجام دیتے رہے پھر کوڑہ واپس آکر درس وتدریس رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے ۱۵۱ھ

عقد نکاح | ملا عبدالکریم دانشمند نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی کا حال معلوم نہیں کہاں ہوئی۔ دوسری شادی جالیر کے سید گدا علی کی صاحبزادی زہرا بی بی سے ہوئی۔

اعقاب | آپ کے پانچ بیٹے ہوئے ملا عبدالرسول، عبدالخالق محمد دائم نظام الدین، محمد واحد،

۱۵ھ آئینہ سالاری ۲۶ ۱۵۱ھ آئینہ سالاری ص۲۶

محمد واحد تو لاولد فوت ہوئے نظام الدین کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی عبدالخالق کا ایک بیٹا، ایک پوتہ اس کے بعد یہ شاخ خشک ہوگئی۔ محمد دائم اور ملا عبدالرسول کی نسل چلی۔ [152]

وفات:۔ سال وفات کی کوئی یادداشت نہیں ملی۔

شاہ حسین ثانیؒ:

حسین ثانی بن سید قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم سید قطب الدین سالار بڈہ رحمۃ اللہ علیہ والدگرامی نے حضرت شاہ علاء الدینؒ کی عرفیت شاہ حسین کی مناسبت سے حسین ثانی نام رکھا۔

تعلیم و تربیت: اپنے والدگرامی ہی کے مدرسہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی انہی سے بیعت و مجاز ہوئے۔ کوڑہ کے علمی، واصلاحی چوتھے دور کی آخری شخصیت تھے۔ والدگرامی کی حیات ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اپنے مدرسہ اور اپنی خانقاہ سے زندگی بھر وابستہ رہے

عقد نکاح اور اعقاب:۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی سے عنایت اللہ اور سعد اللہ نیز ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں دوسری اہلیہ سے ایک صاحبزادے شاہ جلال پیدا ہوئے۔

عنایت اللہ لاولد رہے، سعد اللہ کی ایک دو پشتیں ہو کر یہ شاخ بھی خشک ہوگئی۔ وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ [153]

152۔ آئینۂ سالاری صـ ۲۶

153۔ آئینۂ سالاری صـ ۲۶

پانچواں دور

کوڑہ میں مخدوم زادگان کی علمی، اصلاحی، ساعی اور جد وجہد کا چوتھا دور حضرت شاہ حسین ثانیؒ پر ختم ہو گیا۔ اب پانچواں دور شروع ہو رہا ہے جس کی اہم شخصیتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ شاہ محمد ہاشمؒ، (۲) شاہ ابوالمعالیؒ، (۳) شاہ ابونجیب دانشمندؒ (۴) ملا عبدالرسولؒ (۵) شاہ جلال رحمہم اللہ۔

اب تک کوڑہ کے ان مدارس سے جو علماء وفضلاء اور اصحاب وقت فارغ ہو کر نکلے وہ جونپور سے حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لائے ہوئے نصاب تعلیم کے فاضل تھے۔ چوتھے ہی دور میں حضرت شاہ جمال اولیاءؒ جو علوم وفنون نیوتنی سے لیکر آئے ان کا آغاز ہو چکا تھا۔ تاہم کوڑہ کے اس علمی واصلاحی دور میں پوری طریقہ سے نصابی اضافہ نہیں ہو سکا صرف ملا عبدالرسولؒ ہی ایک ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس اضافہ کو قبول کیا اپنے مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شاہ جمال اولیاؒ سے فلسفہ وکلام کے فنون حاصل کئے پھر ملا لطف اللہ کوڑویؒ نے ابتداءً ملا عبدالرسولؒ سے تعلیم حاصل کی، اور انتہاءً حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع ہوئے۔

یہ ملا لطف اللہ کوڑویؒ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسوں کی نسل میں حضرت شاہ قطب الدین ثانیؒ بن حضرت شاہ علاء الدین معروف شاہ حسینؒ کے نواسے تھے ان کا ذکر اگلے صفحات میں آئے گا

فی الحال تو پانچویں دور کے اشخاص وافراد کا تذکرہ پڑھیئے:

شاہ محمد ہاشم:۔ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ اپنے والد گرامی ہی سے تعلیم وتربیت حاصل کی فراغت کے بعد درس وتدریس رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے۔

ان کے ایک ہی صاحبزادے شاہ خرم تھے جنکو آپ نے چھٹے دور کیلئے تیار کر دیا تھا تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

شاہ ابو المعالی:۔ شاہ ابو المعالی حضرت شاہ مبارک کے دوسرے صاحبزادے آبائی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، وہیں تدریس میں مشغول ہو گئے حضرت شاہ جمال اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے عقد ہوا جن سے ایک صاحبزادے غلام محمد اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

اس شاخ میں اب مولوی شمس الحسن صاحب مظاہری عرف شبلی میاں بقید حیات ہیں اندیشہ ہے کہ یہ شاخ خشک ہو جائے گی۔

شاہ ابو المعالیؒ کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی

شاہ ابو نجیب دانشمندؒ:۔ ابو نجیب دانشمندؒ بھی حضرت شاہ مبارک کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے اپنے والد ہی سے تعلیم حاصل کی انہی سے بیعت ومجاز ہوئے ـــــ شاہ ابو نجیب دانشمند کے علم وفضل کا اتنا شہرہ ہوا کہ ان کو اپنا مدرسہ اپنی خانقاہ اپنی مسجد علیحدہ تعمیر کرانا پڑی۔

کوڑہ کی سرزمین پر سب سے پہلا مدرسہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا دوسرا مدرسہ حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین نے قائم کیا۔ تیسرا مدرسہ حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا تھا جو تھا مدرسہ ملا عبد الرسول رحمۃ اللہ علیہ نے

قائم کیا۔ اب مخدوم زادوں کا یہ پانچوں مدرسہ، چوتھی مسجد، پانچویں خانقاہ حضرت شاہ ابونجیب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں آباد ہوئی، مدرسہ وخانقاہ کے تو صرف نشانات باقی ہیں اللہ نام کی مسجد ابھی اچھی حالت میں ہے مولوی سید اقبال احمد صاحب ندوی جس کی چونہ گردانی کراتے رہتے ہیں۔

عقد ازواج واعقاب:۔ شاہ ابونجیب دانشمند کی شادی سیدہ رابعہ دولت بنت عادل الملک (رائے بریلی) سے ہوئی جن سے چار صاحبزادے مخدوم عالم، محمد سعید، مخدوم الملک، شاہ ماکھن اور ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

حضرت شاہ ابونجیبؒ نے اپنے بعد آنے والے دور کے لیے اپنے ہر چہار صاحبزادگان کو تیار کر دیا تھا جنھوں نے آپ کے بعد آپ کے قائم و آباد کردہ مدرسہ کو سنبھالا اور عرصہ تک داد علم وفضل کے ساتھ رشد و ہدایت میں بھی سرگرم رہے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ملا عبدالرسولؒ:۔ عبدالرسول بن ملا عبدالکریم دانشمند بن شاہ قطب الدین ثانیؒ بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے اپنے والد گرامی ملا عبدالکریم دانشمند نیز اپنے چچا شاہ حسین ثانیؒ سے تعلیم حاصل کی پھر حضرت شاہ جمال اولیاءؒ کے مدرسہ میں مزید علوم وفنون کی تحصیل کر کے فارغ ہوئے اور تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

مدرسہ وخانقاہ:۔ کچھ عرصہ کے بعد طالبان علوم نبوت اور راہیان راہِ حقیقت کا رجحان بڑھا آنے والوں کی کثرت ہوئی تو آپ نے اپنا مدرسہ اور اپنی خانقاہ علیحدہ قائم کر لی جس کے آثار آج بھی موجود و برقرار ہیں اور اللہ نام کی مسجد بھی گو ویران ہے لیکن موجود ہے۔

عقد ازدواج:۔ آپ کی پہلی شادی حضرت شاہ حسین ثانیؒ کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی، دوسری شادی سید مجھن بن سید علیسیٰ ساکن دگاسی ضلع باندہ از نسل سید ابوالفرح واسطی) کی بیٹی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام اپنے استاذ گرامی حضرت شاہ جمال اولیاءؒ کے نام پر تبرکاً غلام جمال رکھا[۱۵۴]

عالمانہ وقار:۔ حضرت ملا عبدالرسول کی حیات مقدسہ کا یہ واقعہ یادگار ہے کہ انہوں نے شہنشاہ وقت صاحب قران ثانی شاہجہاں کے بلانے پر جانے سے انکار کر دیا، پورا واقعہ سننے کے قابل ہے جس سے اس دور کے علماء و فضلاء کے کردار کی بلندی ان کے استغنار کی ایک تصویر سامنے آتی ہے۔ شاہجہاں نے ملا عبدالرسول کی صلاحیت و لیاقت کی شہرت سنکر انکو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے طلب کیا۔ نذر کے طور پر کچھ رقم بھیجی اور کچھ وعدے بھی کیے۔ پورا واقعہ درج ذیل ہے:

"شاہجہاں بادشاہ نے ملا عبدالرسول کو بلانے کیلئے عبداللہ خاں زخمی کو بھیجا تیس روپئے ماہوار اپنے دستخط خاص سے طلبہ کے لیے مقرر کر کے تحریر بھیجی اور یہ وعدہ بھی کہ آپکے بیٹوں کو ہم ہفت ہزاری امیر بنا دیں گے۔ حضرت کی نذر کیلئے چند ہزار روپے اور ایک حمائل روانہ کی[۱۵۵]

یہ واقعہ کی ابتدائی بات تھی جو آپنے سن لی اب حضرت ملا عبدالرسول کا جواب بھی سنیئے فرماتے ہیں:

---

[۱۵۴] شجرہ مخدوم زادگان۔

[۱۵۵] عبداللہ خان جہانگیر کے پنج ہزاری امیر تھے شکار کے ایک موقعہ پر شیر نے اچانک جہانگیر پر حملہ کرنا چاہا تو عبداللہ خاں نے اس کے حلق میں اپنا طمنچہ ڈال کر فائر کر دیا ادھر جہانگیر نے بھی شیر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا لیکن جہانگیر کو بچانے میں عبداللہ خاں کا ہاتھ شیر نے چبا ڈالا یوں ان کو عبداللہ خاں زخمی کہا جانے لگا۔ جہانگیر نے عبداللہ خاں زخمی کے منصب میں اضافہ کر کے ہفت ہزاری کر دیا۔ شاہجہاں کے عہد میں بھی یہ ہفت ہزاری امیر رہے۔

"آپ نے صاف جواب دیا کہ میں نے اللہ کیلئے پڑھا اور اللہ ہی کے لیے پڑھا رہا ہوں، دنیا طلبی مجھے منظور نہیں، بادشاہوں کی خدمت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔

اس دور کے بادشاہوں کی حقیقت شناسی بھی ملاحظہ کریں:

"نواب عبداللہ خاں زخمی کوڑہ میں پندرہ دن مقیم رہے ناچار واپس گئے بادشاہ سے آپ کے استقلال و استغنا کا حال بیان کیا بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میری سلطنت میں ایسے مستغنی لوگ بھی موجود ہیں۔ ۱۵۶

تلامذہ:- ایکے تلامذہ کی تعداد جو کچھ بھی رہی ہو شجرہ میں چند نام درج ہیں:-

۱۔ ملا باسو ساکن جائس کے متعلق شجرہ میں تحریر ہے

در علم منطق و حکمت نظیر نداشتہ ـــ منطق و حکمت کے فن میں نظیر نہیں رکھتے تھے

۲۔ ملا محمد باقر: یہ بزرگ، ملا باسو کے صاحبزادے تھے فراغت کے بعد جائس ہی میں درس دیتے تھے۔ ملا نظام الدین بانی درس نظامی جب تعلیم کے لیے جائس پہنچے تو پہلے انہی کی درسگاہ میں گئے ملا محمد باقر نے ان کو ہدایت کی کہ انکے بعض تلامذہ سے پڑھنا شروع کریں جس کو انھوں نے قبول نہیں کیا۔ ملا علی قلی جائسی کے پاس پہنچ گئے۔ انہی سے تعلیم حاصل کی ۱۵۷

۳۔ سید حسن رسول نما: نارنول کے رہنے والے پورب کے مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی کہا جاتا ہے کہ اپنے مخصوص لوگوں کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیتے تھے اسی لئے رسول نما کہے جاتے تھے ۱۵۸

---

۱۵۶ شجرہ مخدوم زادگان کوڑہ ۱۵۷ بانی درس نظامی ص ۶۱ و ص ۶۲

۱۵۸ نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۶۵

۴۔ ملا قطب ساکن کوٹ قبولان نزد لاہور:۔ یہ بزرگ ملا عبدالرسول کے تلمیذ اور بہادر شاہ بادشاہ کے استاد بھی تھے ۱۵۹؎

۵۔ ملا محمد زماں کاکوروی:۔ یہ بزرگ بھی ملا عبدالرسول کے شاگرد تھے لیکن "مشاہیر کاکوری" کے مصنف نے انکو ملا لطف اللہ کا شاگرد تحریر کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا محمد زماں کاکوروی نے ملا عبدالرسولؒ کی زندگی کا آخری حصہ پایا ان سے فاتحہ فراغ حاصل نہیں کرسکے۔ ملا لطف اللہ سے فاتحہ فراغ حاصل کیا اس لیے تذکرہ نویسوں نے انکو ملا لطف اللہ کا شاگرد تحریر کیا رحمہم اللہ رحمتہ واسعہ۔

شاہ جلالؒ:۔ شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن علاء الدین عرف شاہ حسینؒ بن سید قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ۔

پانچویں دور کی یہ آخری کڑی تھے اپنے والد اور چچا ملا عبدالکریم دانشمند سے تعلیم حاصل کی والد گرامی سے بیعت و مجاز ہوئے۔ اپنے آبائی مدرسہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

اعقاب:۔ ان کی شادی امولی کے صدیقی خاندان میں ہوئی۔ تین بیٹے اور دو۲ بیٹیاں ہوئیں۔ شاہ محمد فیروز، شاہ جمال، شاہ سلیم، عائشہ بی بی، شاہ جہاں بی بی، عائشہ بی بی زوجہ میاں مقرب لاولد، شاہجہاں بی بی زوجہ حاجی حسن قصبہ دلمئو ۱۶۰؎

۱۵۹؎ محمد معظم عرف بہادر شاہ عالمگیر کے صاحبزادے کھجوہ کے میدان میں شاہ شجاع سے مقابلہ کیا تھا، بڑے فاضل بردبار" لیکن مائل بہ رفض ہوگئے تھے (نزہتہ الخواطر ج ۶) شجرہ میں انکو ملا محمد باقر کا بھی شاگرد تحریر کیا گیا ہے۔

۱۶۰؎ آئینہ سالاری صفحہ ۶۶،

بیٹوں نے اپنے والد گرامی کی علمی اور روحانی وراثت پائی۔ شاہ جمال
اور شاہ سلیم آبائی مدرسہ اور خانقاہ ہی میں درس و تدریس رشد و
ہدایت میں مشغول رہے شاہ محمد فیروز نے اپنا مدرسہ اور خانقاہ
شاہجہان آباد (حال جہاں آباد) کے قریب تعمیر کرایا اس جگہ کو اب
بجے پور کہا جاتا ہے۔

چھٹا دور

کوڑہ کی سرزمین پر تعلیم و تدریس، رشد و ہدایت
کا چھٹا دور حسب ذیل بزرگوں نے شروع کیا۔

شاہ خرم :- شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن
شاہ حمید الدین (مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ
بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم | اپنے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں سلسلہ
درس شروع کیا۔ ان کے تین صاحبزادے تھے بید
محمد ماہ، ملا ابوسعید، ملا محمد واصل [illegible] اور دیگر بزرگوں کا تذکرہ
ساتویں دور میں آئے گا۔

مخدوم عالم | مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب دانشمند
بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین

(مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ

تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم پائی اپنے والد گرامی سے مجاز ہوئے تعلیم و تعلم رشد و ہدایت میں تاحیات مصروف رہے تاریخ وفات نہیں مل سکی۔

غلام جمالؒ

غلام جمال بن ملا عبد الرسول بن شاہ عبد الکریم بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم کوڑہ ہی میں رہکر والد گرامی ملا عبد الرسول سے تعلیم حاصل کی انھی سے بیعت و مجاز ہوئے اپنے مدرسہ اور خانقاہ ہی میں مدۃ العمر درس و تدریس رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری اور قائم رکھا۔

اعقاب آپ کی دو شادیاں ہوئیں ماہ جہاں دختر جہاجریان فتح پور۔ دوسری شادی مانک پور کے سادات گھرانہ میں بی بی زینب سے ہوئی۔ پہلی اہلیہ سے محمد واصل، غلام احمد، ستھری بابی، محمد یٰسین۔ نور جہاں بی بی۔ دوسری اہلیہ سے ہدیہ بی بی (زوجہ ملا محمد اسحاق عرف ملا اجمیری) ایک صاحبزادے غلام محمد پیدا ہوئے۔

شاہ محمد فیروز عرف پوجے میاں

محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمۃ اللہ علیہ۔

مسجد و خانقاہ ملا محمد واصل رحمۃ اللہ علیہ
واقع ملا کا پور، جہان آباد،
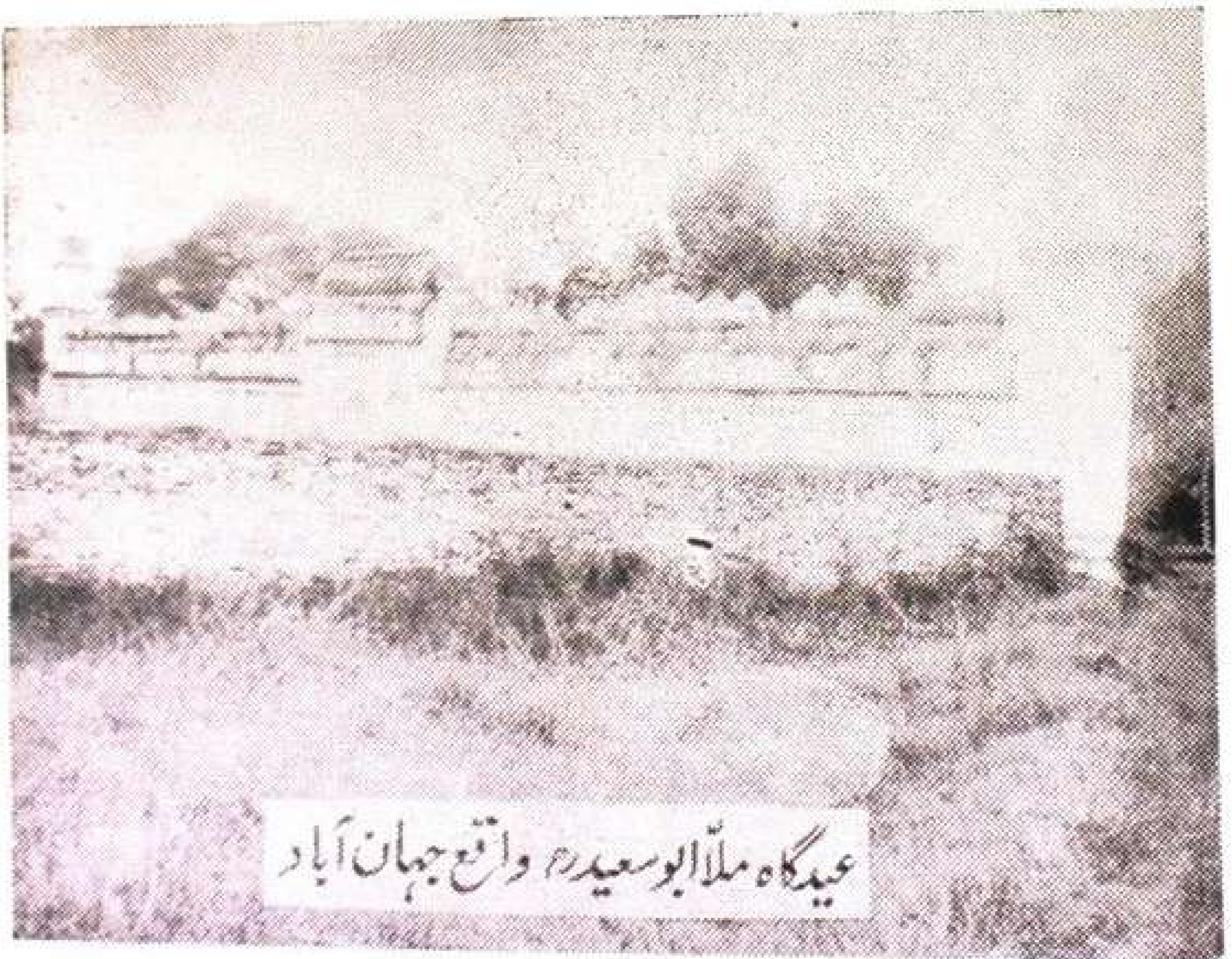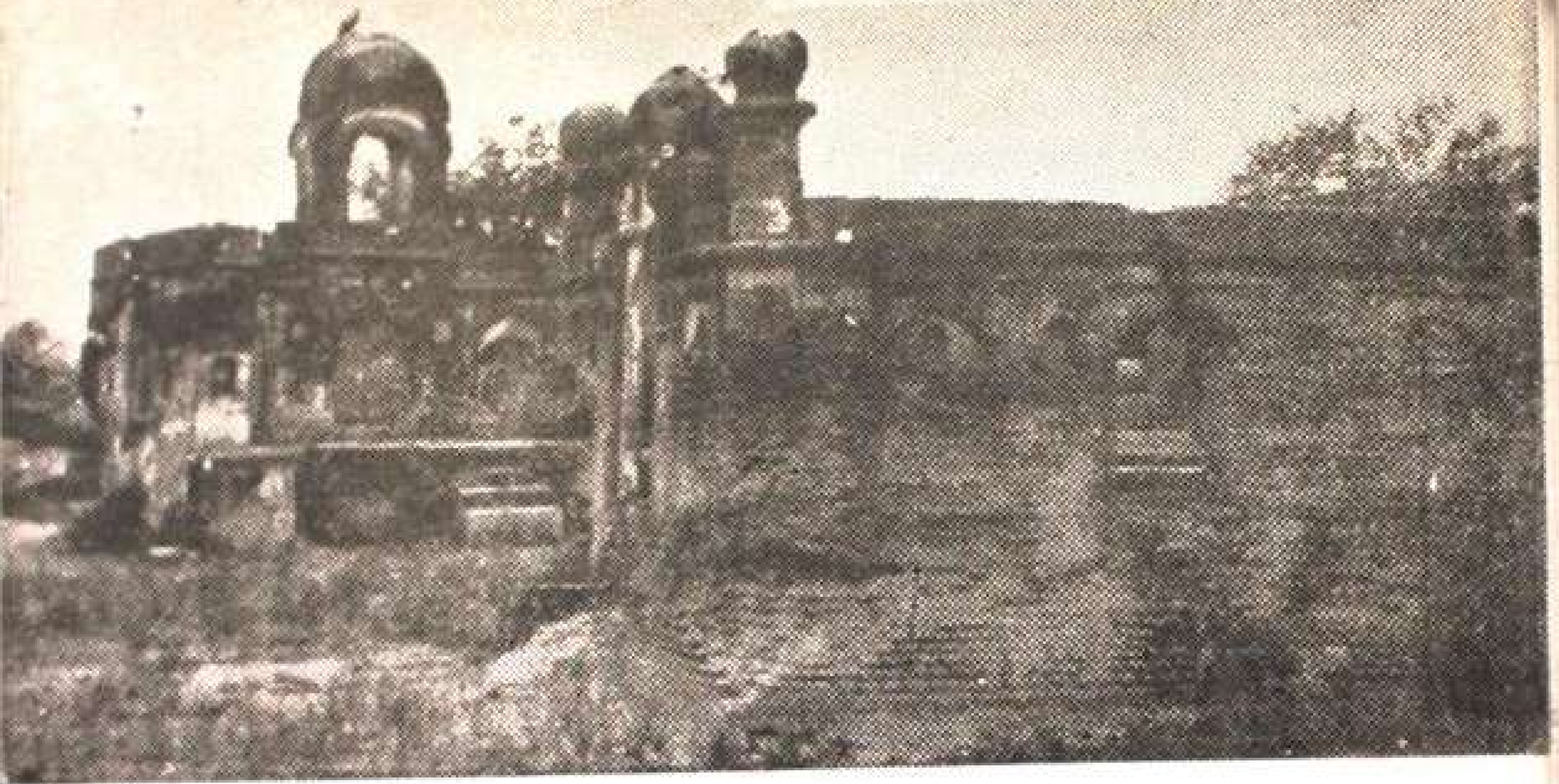
عیدگاہ ملا ابو سعید رح واقع جہان آباد

تعلیم و اجازت: اپنے ہی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ والد گرامی ہی سے بیعت و مجاز ہوئے، باکمال اور صاحب نسبت بزرگ تھے بڑے ان کو بوجے میاں اور چھوٹے بوجے بابا کہتے تھے۔

جہان آباد نامی بستی آباد ہوئی تو شاہ محمد فیر وزا اپنے محلہ سے منتقل ہو کر چلے گئے وہیں انھوں نے اپنا مدرسہ قائم کیا اور خانقاہ تعمیر کی اس نو آباد مقام کو قبہ بوجے پور کہا جانے لگا۔ کئی پشتوں تک بوجے پور رہی میں علمی و تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ اب وہ ویران ہی نہیں بلکہ پورا علاقہ زیر کاشت آگیا بوجے پور کا عالی شان پھاٹک آج بھی قائم و برقرار ہے۔

عقد زواج و اعقاب: آپ کی شادی قصبہ امولی کے صدیقی خاندان میں ہوئی، چھ بچے ہوئے (۱) مسماۃ مان تلا زوجہ شیخ بھیکھا پسر ملا اجمیری (۲) مخدوم جہانیاں ثالث (۳) نور اللہ (۴) فیض اللہ (۵) ہبتہ اللہ۔ (۶) محب اللہ، محب اللہ اور ہبتہ اللہ کی صرف اولاد اناث ہوئی۔ نور اللہ لاولد رہے، نسل مخدوم جہانیان ثالث اور فیض اللہ سے چلی۔

شاہ جمال | جمال بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ۔

تعلیم | اپنے والد گرامی شاہ جلال سے تعلیم حاصل کی انہی سے مجاز ہوئے زندگی بھر اپنے مدرسہ میں پڑھاتے رہے تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

اعقاب | ایک صاحبزادے علاء الدین ثانی لاولد فوت ہوئے مہتاب بی بی زوجہ مخدوم جہانیاں ثالث۔

شاہ سلیم :- سلیم بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔ اپنے آبائی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

بڑا کنواں :- شاہ سلیم لاولد تھے۔ صدقہ جاریہ کے طور پر انھوں نے اپنی آبائی خانقاہ کی جانب مشرق ایک کنواں تعمیر کرایا جس کے سوتے آجتک نہیں ٹوٹے یہ کنواں پورے قصبے میں بڑے کنویں کے نام سے مشہور و معروف ہے اس کنوئیں پر ایک سل لگی ہوئی ہے جس پر عبارت کندہ ہے لیکن کئی بار کوشش کے باوجود اس کو پڑھا نہیں جاسکا کہنگی کی بناء پر عرصہ سے یہ سل جھڑ رہی ہے شاہ سلیم کا یہ صدقہ جاریہ باقی اور عوام کے استعمال میں ہے مرحوم کے لیے ثواب کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

عقد زواج :- آپ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی اہلیہ ملا لطف اللہ کوڑدی کی ہمشیرہ تھیں دوسری اہلیہ خانوادہ مہاجریان فتح پور سے تعلق رکھتی تھیں دونوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ساتواں دور

کوڑہ کے جعفری عریضی خانوادہ کے ساتویں دور میں علم و فضل درس و تدریس رشد و ہدایت کے اعتبار سے درج ذیل بزرگ بہت ممتاز اور منفرد تھے

ملا ابوسعید دانشمند، ملا محمد واصل، ملا محمد یٰسین، مخدوم جہانیان ثالث

ملا ابوسعید:- ابوسعید بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمیدالدین عرف مخدوم جہانیان ثانی بن شاہ بہاءالدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم:- اپنے والد گرامی شاہ خرم کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔ انہی سے بیعت و مجاز ہوئے اپنے دور کے بہت بڑے فاضل اور صاحب نسبت بزرگ تھے ـــــ اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے بہادر شاہ کے استاذ تھے اسی بنا پر عالمگیر نے ایک مسجد، ایک مدرسہ، ایک خانقاہ جہان آباد میں تعمیر کرائی اور کچھ معافیات بھی دیں تب ہی سے یہ بزرگ جہان آباد میں اقامت پذیر ہو گئے [160]۔

انکی تعمیر کردہ عیدگاہ آج بھی جہان آباد میں موجود ہے اور اس علاقہ کے مسلمان عیدین کی نماز اسی میں پڑھتے ہیں۔

آپ کا مزار بھی جہان آباد ہی میں اندرون درگاہ ہے جس پر نیم کا درخت آج بھی موجود ہے ان بزرگ کے لنگر میں خمیری روٹی تقسیم ہوتی تھی۔

اعقاب:- شاہ ابوالمعالی آپ کے چچا تھے۔ انہی کی صاحبزادی سے عقد ہوا جن سے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) سید محمد عابد (۲) سید محمد حامد (۳) سید عصمت اللہ (۴) سید نورالدین (۵) پانچویں صاحبزادے کا نام پشت نامہ میں پڑھا نہیں جا سکا [161]۔

ملا محمد واصل:- بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمیدالدین (مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہاءالدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

---

[160] آئینہ سالاری ص۔ [161] آئینہ سالاری ص۔

تعلیم و اجازت اپنے آبائی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اپنے والد گرامی سے بیعت و مجاز ہوئے۔

جہان آباد کے محلہ ملاکا بور میں اپنی خانقاہ اپنا مدرسہ علیحدہ تعمیر کرایا اور وہیں درس و تدریس، رشد و ہدایت میں مشغول رہے ان بزرگ کے لنگر میں شیر مال تقسیم ہوتی تھی۔

ان کی تعمیر کردہ عمارتیں مخدوم زادوں کی تعمیری ذوق کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اعقاب ان کے صرف ایک صاحبزادے ملا نورالحق تھے یہ شاخ انہی سے آج بھی بارآور ہے۔

ملا محمد یٰسین محمد یٰسین بن غلام جمال بن ملا عبدالرسول بن شاہ عبدالکریم بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین معروف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم اپنے جد امجد ملا عبدالرسولؒ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اپنے والد گرامی سے بیعت مجاز ہوئے اپنے ہی مدرسہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد مسند رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے۔

اعقاب سید جمال الدین کی صاحبزادی بی بی پیارن سے عقد ہوا دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں مقصود علی، نصرت علی عرف شاہ حسین عطا مسرور النساء (لاولد) بی بی صاحب زوجہ خورشید علی۔ نصرت علی کی شادی کرہ سادات میں میر مہدی حسن کی صاحبزادی سے ہوئی۔

مخدوم جہانیان ثالثؒ۔ مخدوم جہانیان ثالث بن شاہ محمد فیروز عرف

بموجب میاں بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاءالدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم و تربیت اپنے والد شاہ محمد فیروز اور دادا شاہ جلال سے تعلیم حاصل کی اور آبائی مدرسہ میں تعلیم و تدریس کا فرض انجام دیتے رہے اپنے بیٹے شاہ صبغۃ اللہ کو آٹھویں دور کے لیے تیار کر دیا۔

اعقاب شاہ جمال صاحب کی صاحبزادی مہتاب بی بی سے عقد ہوا ایک ہی صاحبزادے نظام الدین صبغۃ اللہ عرف جہاد میاں تولد ہوئے۔ اصل نام نظام الدین کو شہرت نہیں ملی، صبغۃ اللہ کو شہرت حاصل ہوئی۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔

آٹھواں دور

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی آنکھیں بند ہوتے ہی مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا، اصحاب مدارس و خانقاہ کے اقتصادی حالات دگرگوں ہونے لگے علماء و صلحاء کی جاگیریں اور معافیاں ضبط ہونے لگیں۔ کوڑہ میں جس یکجہتی کے ساتھ جعفری عریضی خانوادہ شمع علم و صلاح روشن کیے ہوئے تھا حضرت شاہ بہاءالدین اور حضرت شاہ علاءالدین کے اخلاف میں تین تین چار چار افراد بیک وقت داد علم و فضل دے رہے تھے۔ مدارس و خانقاہیں پر رونق و آباد تھیں۔ قال اللہ و قال الرسول کے ساتھ ساتھ ذکر و فکر کے مشاغل بھی جاری تھے۔ ان میں فرق پڑتا چلا گیا۔

نوابین اودھ کے قبضہ میں صوبہ اودھ کے ساتھ ساتھ صوبہ الہ آباد بھی آچکا تھا شجاع الدولہ اور ابوالمنصور صفدر جنگ نے علماء و مشائخ و شرفاء و نجباء کی معافیاں ضبط کرنا شروع کر دی تھیں، کوڑہ کے سادات و شرفاء کا یہ خانوادہ بھی اس صورتحال سے متاثر ہوا۔

بعض فاضل تذکرہ نویس علماء و مشائخ کی معافیات کی ضبطی کو شیعہ حکومت کے خلاف تاریخ کا پروپیگنڈہ سمجھتے ہیں اسلئے کہ ان کے خانوادے کی معافیات ضبط نہیں ہوئیں ۱۶۲ھ

حالانکہ اودھ و آئین کے قصبات کا جائزہ لیا جائے تو مولانا غلام علی آزاد اور حکیم نجم الغنی رامپوری کی تحریریں ہی صحیح ثابت ہوں گی، مرہٹوں نے تو صرف لوٹ کھسوٹ تک معاملہ کو محدود رکھا، لیکن لکھنؤ کی شیعہ حکومت نے تو علماء و مشائخ کی جاگیریں اور معافیات ہی ضبط کریں اور ان کے حرص و آز کا نشانہ صرف مسلمان ہی نہیں بنے بلکہ غیر مسلموں کی معافیات بھی نہ بچ سکیں ۱۶۳ھ

آئین و اودھ کے شریف خانوادوں کو معاشی بدحالی میں مبتلا کر دینے کے بعد آصف الدولہ کے عہد میں شیعی مذہب کی اشاعت بھی شروع کی گئی ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "نواب آصف الدولہ کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی

۱۶۲ھ بانی درس نظامی ص۱۷

۱۶۳ھ تاریخ چھتریان اودھ ص۷۸

اشاعت میں انھوں نے دل سے کوشش کی ان کے نائب حسن رضا خاں مذہبی
آدمی تھے وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے ان کی کوششوں سے
ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی
ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں
ضبط کی گئیں، شاہ علی اکبر مودودی کے مشورے اور ملا محمد علی فیض آبادی
کی تحریک سے نواب حسن رضا خاں صاحب نے جمعہ و جماعت قائم کر کے
سب سے پہلے مولوی سید دلدار علی نصیر آبادی کی اقتدا میں ۱۳ رجب
۱۲۰۰ھ کو نماز ادا کی[۱۶۴]۔"

آج اودھ کے قصبات و مواضعات میں آباد شیعہ خانوادوں کو یہ بھی خبر
نہیں کہ وہ پہلے مسلمان تھے۔ حکومت کے دباؤ کی وجہ سے شیعہ ہو گئے۔
آگے ملاحظہ فرمائیں :

"یہ پہلا دن ہے کہ وسط ہند میں شیعوں نے اپنی جمعہ
و جماعت علیحدہ کر لیا نائب امام کی حیثیت سے
مجتہدین کے ہاتھ میں تمام مذہب دیدی[۱۶۵]۔"

نہ صرف یہ کہ معاشی بدحالی سے مجبور ہو کر شریف مسلمانوں کے خانوادوں
ہی نے شیعہ مذہب اختیار کیا بلکہ غیر مسلموں نے بھی شیعہ مذہب
قبول کیا، جس کے بعد وہ حکومت وقت کی مراعات کے مستحق ہو گئے
جہان آباد میں متالال عرف حیدر بخش جس کی ایک مثال تھے۔ جن کا تعمیر
کردہ امام باڑہ اور ایک مسجد جہان آباد میں آج بھی موجود ہے جس کے

۱۶۴-۱۶۵ گل رعنا ص ۱۵۷

ئے کچھ جائیداد بھی انھوں نے شیعی رسوم کی ادائیگی کے سلسلہ میں وقف کی تھی جو عرصۂ دراز تک ان کے غیر مسلم بھتیجوں کے قبضہ میں رہی، کوڑہ اور فتحپور کے شیعہ حضرات نے ملکر رائے بہادر آدِتا سرن سنگھ کے خلاف مقدمہ دائر کر کے واگزار کرائی جہاں اب برسوں سے ماہ محرم میں شیعی رسوم ادا کی جاتی ہیں لنگر بھی چلتا ہے مجلسیں بھی ہوتی ہیں۔

اس تمہید کے بعد اب آٹھویں دور کی شخصیات کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

سید نورالدین حسنؒ نورالدین حسن بن ملا ابوسعید دانشمند بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمیدالدین (مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہاءالدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھؒ رحمہم اللہ۔

تعلیم واجازت اپنے والد گرامی ملا ابوسعید دانشمند سے تعلیم و تربیت حاصل کی، انھیں سے بیعت و مجاز ہوئے۔

اعقاب صرف ایک صاحبزادے محمد اکبر پیدا ہوئے[166]

سید نورالحق نورالحق بن ملا محمد واصل بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمیدالدین (مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہاءالدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھؒ رحمہم اللہ۔

166؎ آئینہ سالاری ص ۹

تعلیم واجازت اپنے والد گرامی ملا محمد واصل سے تعلیم وتربیت حاصل کی انہی سے بیعت ، مجاز ہوئے۔

عقد ازدواج شاہ جلال جالی کی صاحبزادی مسماۃ لاڈ دبی سے عقد ہوا۔

اعقاب پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں اختر حسینؒ ، مولوی خطیر الدینؒ ، میر علیؒ اعظم ، میر نور الہدیٰؒ ، پانچویں بیٹے کا نام معلوم نہیں ہو سکا ، پہلی صاحبزادی شرف جہاں دوسری ماہجہاں بی بی تیسری ماجدہ بی بی[167]

محمد عادل محمد عادل بن محمد شاکر بن مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین (مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالا بڑہ رحمہم اللہ۔

تعلیم واجازت اپنے والد محمد شاکر اور دادا مخدوم عالم سے تعلیم حاصل کی انھیں سے مجاز ہوئے

اعقاب محمد عادل کا پہلا عقد نور جہاں بی بی دختر محمد عاشق پسر مخدوم عالم سے ہوا یعنی چچا کی بیٹی ان سے منسوب ہوئیں لیکن ان بی بی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ، دوسری شادی محمد لیسین محلہ دار گھاٹم پور کی دختر سے ہوئی ، ایک صاحب زادے مولوی عبد الغفور اور ایک بیٹی جیبتی بی بی تولد ہوئیں ، تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔[168]

---

[167] آئینہ سالاری ص ۱۳

[168] " " ص ۲۲

مقصود علی صدر الصدور مقصود علی بن ملا محمد لٰسین بن غلام جمال بن شاہ عبد الرسول بن شاہ عبد الکریم بن سید قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم: اپنے ہی مدرسہ میں اپنے والد گرامی ملا محمد لٰسین رح سے تعلیم حاصل کی، اور فارغ ہوئے۔

تبدیل مذہب لیکن معافیات کی ضبطی کے بعد ناساعد حالات کا مقابلہ نہیں کرسکے، مجبوراً شیعہ مذہب اختیار کرلیا اس طرح وہ صدر الصدور کے منصب پر فائز کئے گئے اور کچھ جاگیریں بھی حکومت وقت نے عطا کیں، چھٹی پشت میں یہ شاخ خشک ہوگئی سید ابوالحسن لاولد فوت ہوئے۔

سید نصرت علی نصرت علی بن محمد لٰسین بن غلام جمال بن شاہ عبد الرسول بن شاہ عبد الکریم بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم اپنے ہی مدرسہ میں اپنے والد گرامی ملا محمد لٰسین سے تعلیم حاصل کرکے فارغ ہوئے، درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔

خاندانی معافیات ضبط ہوچکی تھیں، ناساعد حالات کا مقابلہ کرتے رہے، بحمد اللہ یہ شاخ پھول پھل رہی ہے

شاہ صبغۃ اللہ صبغۃ اللہ بن مخدوم جہانیان ثالث بن شاہ محمد فیروز

بن جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڑہ رحمہم اللہ۔

تعلیم و تربیت اپنے ہی گھرانہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی والد گرامی حضرت مخدوم جہانیاں ثالث سے بیعت و مجاز ہوئے، اپنی آبائی خانقاہ میں تعلیم و تدریس، رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

اعقاب شاہ صبغۃ اللہ کے ایک ہی صاحب زادے رحمۃ اللہ تھے۔

معافیات کی ضبطی سے جو مصائب و آلام کوڑہ کے جعفری عریضی خانوادہ کو پیش آئے۔ اس کی وجہ سے خانقاہوں اور مدارس کا نظام درہم برہم ہونے لگا، معاشی ابتری کی وجہ سے لوگ مختلف مقامات پر منتشر ہونا شروع ہوئے۔ علماء و مشائخ کی کوئی بھی شاخ ایسی نہ رہی جو اطمینان و سکون کے ساتھ درس و تدریس، رشد و ہدایت کی اس طویل تاریخ اور اپنی روایات کو برقرار رکھ سکتی شاہ صبغۃ اللہ آٹھویں دور کی آخری کڑی تھے جن کے بعد تین تین چار چار یا پانچ پانچ علماء و مشائخ کے بیک وقت داد علم و فضل دینے کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب انفرادی کاوشوں اور کوششوں ہی پر مسئلہ منحصر ہوگیا

ذیل میں جن بزرگوں کا تذکرہ ہوگا وہ مختلف زمانوں اور اوقات میں مختلف خصوصیات و اوصاف کے حامل تھے ان میں علماء و مشائخ کے علاوہ دینی تحریکات میں حصہ لینے والے بھی تھے۔

ملا شاہ عبدالغفور دانشمند عبدالغفور بن محمد عادل بن محمد شاکر

بن مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب دانشمند بن شاہ مبارک بن شاہ
حمید الدین مخدوم جہانیاں ثانی بن شاہ بہار الدین بن شاہ مخدوم
قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ

تعلیم واجازت اپنے والد گرامی محمد عادل سے تعلیم حاصل کی اور انہی سے بیعت ومجاز ہوئے پھر درس وتدریس
اور رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے۔

عہدۂ قضاء یہ زمانہ وہ تھا کہ شاہ عالم بادشاہ کے الہ آباد سے دہلی چلے جانے کی وجہ سے ناظم شاہ ہی نے الہ آباد اور کوڑا کے اضلاع کا انتظام ۱۸۷۰ء
میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا تھا .... (ملا عبدالغفور کی
ذہانت وذکاوت، حکمت وفلسفہ، فقہ وتفسیر کے فنون میں شہرت
ہوئی تو کمپنی ہی کی جانب سے ان کو قاضی کا عہدہ سپرد ہو گیا، جسکو
بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، کچھ ہی عرصہ کے بعد قاضی القضاۃ کا عہدہ
سپرد کیا گیا، ضلع کے سارے ہی مسائل ان کے سامنے پیش ہوتے تھے
اور فیصلے ہوتے تھے۔

اس دور کے کاغذات تو مل نہ سکے لیکن بیرم پور ضلع فتحپور
کے میر مہاجان کے پاس ان کے فیصلہ کی ایک دستاویز دیکھی گئی جس
میں دیگر قاضیوں کی مہر ودستخط کے بعد بحیثیت قاضی القضاۃ ان
کے دستخط موجود تھے۔ [۱۶۹]

عقد ازدواج واعقاب ملا عبدالغفور کی شادی حسن اللہ پسر محمد عاشق کی صاحبزادی سے ہوئی، دو بیٹیاں

---

[۱۶۹] حسب روایت مولوی سید اقبال احمد صاحب ندوی

اور ایک صاحب زادے وجود میں آئے۔ بڑی صاحب زادی کا نام شریف النساء تھا چھوٹی صاحب زادی کا نام معلوم نہیں ہو سکا صاحبزادے اپنی دونوں بہنوں سے چھوٹے تھے ان کا نام غلام ضامن تھا۔[170]

تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی قیاس ہی سے کہا جا سکتا ہے ۱۸۵۷ء سے بیس تیس سال قبل وفات ہوئی۔[171]

مولوی عشق حسین قادری

عشق حسین بن محمد اکبر بن نورالدین حسن بن ملا ابو سعید دانشمند بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ بہار الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ

تعلیم و تربیت

اپنے والد گرامی محمد اکبر اور دادا نورالدین حسن سے تعلیم و تربیت حاصل کی پھر فنون کی تکمیل کے لئے فرنگی محل پہونچے، جہاں شیخ کمال الدین بن محمد دولت انصاری سے تکملہ کیا، انھیں سے سلسلہ قادریہ رزاقیہ میں بیعت و مجاز ہوئے۔[172]

تعلیم و تدریس

کوڑہ واپس آکر اپنے پردادا ملا ابو سعید دانشمند کے مدرسہ میں تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کے درس میں عام طلبہ کے ساتھ ساتھ جنات بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

یہ دور اودھ شاہی دور تھا معافیات کی ضبطی کی وجہ سے مدارس اور خانقاہیں اجڑ رہی تھیں جو اعزا آپ کے جوار میں سکونت پذیر

---

[170] آئینہ سالاری ص ۲۲ [171] حسب روایت مولوی سید اقبال احمد صاحب ندوی

[172] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۸۱

تھے وہ معاشی تنگی کی وجہ سے دل برداشتہ ہو کر مختلف مقامات پر چلے گئے۔ اس طرح آپ اپنی خانقاہ اور مدرسہ میں تنہا رہ گئے۔ جس کی بنا پر کوڑہ کے اعزا نے آپ ــــ کو جہان آباد سے کوڑہ بلا لیا۔ آپ اپنے تلامذہ کی جماعت لے کر کوڑہ آ گئے۔ مخدوم صاحب علیہ الرحمۃ کی مسجد کے مغربی سمت مکان تعمیر کرا کر سکونت پذیر ہو گئے۔ مسجد ہی میں سلسلہ درس و تدریس جاری رکھا۔

کرامت مولوی عشق حسین قادری بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے آپ کے ایک شاگرد سید مخدوم بخش بن سید حفیظ اللہ بھی تھے۔ استاد اور شاگرد کے درمیان عزیز ہونے کے علاوہ بڑا گہرا تعلق اور انس تھا، مولوی عشق حسینؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو سید مخدوم بخش نے آنے والی ساعتوں کا احساس کر لیا اور رونے لگے۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کیوں روتے ہو؟ سید مخدوم بخش نے جواب دیا کہ آپ کے بعد مجھے کون پڑھائے گا، مولوی صاحب چند لمحوں کے لئے ساکت ہو گئے اور پھر فرمایا میرے مرنے کے بعد تیسرے دن سے رات کے وقت میری قبر پر آتے رہنا تمہاری تعلیم جاری رہے گی لیکن کسی سے بتانا نہیں، اسکے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

سید مخدوم بخش مولانا کی ہدایت کے مطابق ۱۲ بجے رات کو لالٹین اور کتاب لیکر مولانا کی قبر پر جانے لگے جہاں ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

افشاء راز: یہ سلسلہ کتنے دن جاری رہا اس بارہ میں کچھ کہا نہیں جا سکتا، گھر کی بوڑھی خادمہ کو

مکان کا دروازہ کھولنا اور بند کرنا پڑتا تھا ایک رات سید مخدوم بخش کے والد گرامی سید حفیظ اللہ مرحوم کی سید مخدوم بخش کے گھر سے نکلتے ہی آنکھ کھل گئی، انھوں نے خادمہ سے دریافت کیا کہ مخدوم بخش کہاں گئے اس نے لاعلمی ظاہر کی لیکن یہ کہا کہ وہ تو روز ہی اسوقت باہر جاتے ہیں۔

دوسرے دن شب میں سید حفیظ اللہ مرحوم جاگتے رہے، صاحب زادے جب گھر سے نکلے تو وہ ان کے پیچھے ہولئے۔ انھوں نے دیکھا کہ مخدوم بخش مولوی عشق حسین مرحوم کی قبر پر بیٹھے ہیں درمیان میں کتاب اور لالٹین ہے دوسری طرف مولوی عشق حسین بیٹھے پڑھا رہے ہیں، یہ دیکھ کر واپس آگئے۔

صبح کو انھوں نے صاحبزادہ کو بلایا ہدایت کی کہ آج کے بعد سے وہاں مت جانا تمہاری تعلیم کا دوسرا انتظام کر دیا جائے گا۔ اس طرح یہ سلسلہ موقوف ہوا[۱۴۳]

اعقاب مولوی عشق حسین قادری کی شادی راجی بی بی دختر محمد یار پسر محمد ہادی سے ہوئی صرف ایک صاحب زادے نورالدین حسن ہوئے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی[۱۴۴]

تذکرہ نگار کی نظر میں

فاضل بزرگ عشق حسین کوڑوی	الشیخ الفاضل عشق حسین

---

[۱۴۳] بروایت عم گرامی مولوی سید اخلاق احمد۔ یہ بزرگ سید مخدوم بخش کے حقیقی پوتے تھے۔

[۱۴۴] آئینہ سالاری ص ۹

الکروی احد الرجال المعروفین بالفضل والزکاء ولد ونشاء بمدینة "کرہ" وقرأ العلم بھا حیث امکنہ ثم سافر الیٰ بلاد اخریٰ واخذ من الشیخ کمال الدین بن محمد دولت الانصاری الفتحپوری ثم دخل فرخ آباد فی عھد نواب غالب جنگ ونزل بھا فی بیت الحکیم سیف اللہ خاں ولبث زماناً ثم رجع الیٰ بلدتہ ومات بھا کما فی "تاریخ فرخ آباد" [۱۷۵]

علم وفضل حکمت ودانائی میں ایک مشہور ومعروف بزرگ تھے۔ کوڑہ میں پیدا ہوئے دینی تعلیم وتربیت پائی پھر دوسرے شہروں میں گئے۔ کمال الدین بن محمد دولت انصاری فتح پوری سے بیعت ہوئے نواب غالب جنگ کے عہد میں فرخ آباد میں حکیم سیف اللہ خاں کے مکان میں عرصہ تک مقیم رہے پھر اپنے وطن واپس ہوئے اور انتقال کیا جیسا کہ تاریخ فرخ آباد میں ہے۔

ایک وضاحت تذکرہ نگار "کوڑہ" کا املا مختلف طریقوں سے کرتے رہے ہیں حضرت شاہ علاء الدین نے "سیر سالاری" میں کہیں "کھوارا" تحریر کیا کہیں "کوارہ" لکھا۔ بحر ذخار کے مصنف نے بیاض الاولیاء کے حوالہ سے اس بستی کا نام

[۱۷۵] نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۱۸۱

"کرہ" درج کیا مفتی ولی اللہ فرخ آبادیؒ نے بھی اپنی کتاب "تاریخ فرخ آباد" میں "کوڑہ" کا املا "کرہ" ہی کیا ہے۔

"کوڑہ اور "کٹرہ" مشرقی دوآبہ گنگ وجمن کے دو مشہور ومعروف قصبے ہیں۔

"کڑہ" کسی زمانہ میں مسلمان بادشاہوں کا صوبہ رہا ہے اور "کوڑہ" کی حیثیت ایک ضلع کی تھی، جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہند نے نئی بستی "الہ آباد" نامی بسا کر اس کو صوبائی حیثیت دی "کڑہ" کی حیثیت ایک ضلع کی رہ گئی اور اب تو وہ ایک ویران قصبہ ہے، لیکن "کڑہ" کا نام حضرت قطب الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کی وجہ سے قائم و برقرار ہے۔ اسیطرح کوڑہ کی شہرت حضرت سید قطب الدین سالار بڈھؒ کیوجہ سے قائم و برقرار ہے۔

یہ وضاحت میں نے اسلئے کردی کہ تذکرہ نگاروں کے املا کی وجہ سے "کڑہ" کو "کوڑہ" نہ سمجھا جائے بلکہ "کڑہ"! .... بضم کاف املا "کوڑا" ہے۔

جہاں تک مؤرخین کا تعلق ہے انھوں نے "کوڑہ" کا املا صحیح کیا ہے[۵۵]

حکیم سید ابوالحسن

ابوالحسن بن عبدالسلام بن میر علی بن نورالہدےٰ بن ملا محمد واصل بن شاہ حزم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی بن شاہ بہاءالدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ۔

---

[۵۵] آئین اکبری اور منتخب التواریخ نیز تاریخ فرشتہ ملاحظہ ہو۔

تعلیم کوڑہ ہی میں تعلیم حاصل کی، پھر فن طب کی طرف متوجہ ہوئے تکمیل کے بعد قضا و قدر کے ہاتھوں ریاست مرشد آباد پہونچے نواب مرشد آباد نے آپ کو شاہی طبیب کے عہدہ پر سرفراز کیا اور "خان" کے خطاب سے نوازا[176]

خصوصیات باوجود دولت و ثروت عزیزوں اور ہموطنوں کے ساتھ کبھی کبر و نخوت سے پیش نہیں آئے کوڑہ سے کوئی بھی عزیز یا ہم وطن پہونچتا تو اس کا اکرام کرتے اور اس کی آمد سے بہت خوش ہوتے تھے۔

تعمیرات ان کو تعمیرات سے بھی شغف تھا ایک کوٹھی ایک آصفی طرز کا امام باڑہ، ایک فیل خانہ اور پختہ محل تعمیر کرائے۔ چینی اور شیشہ کے آلات و ظروف بہت فراہم کئے تھے، چینی کے ایک پیالہ کی یہ خصوصیت تھی کہ مسموم غذا اگر اس میں رکھ دی جاتی تو یہ پیالہ رِسنے لگتا تھا جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اس غذا میں زہر ہے، یہ پیالہ اس گھرانہ میں حکیم سید زین العابدین کی حیات تک موجود تھا[177]

اندیشۂ گرفتاری اور فرار یہ واضح نہیں ہو سکا کہ ریاست میں کس بنیاد پر آپ کو اپنی گرفتاری اور شاہی عتاب کا اندیشہ پیدا ہوا۔ جس کا تذکرہ انھوں نے اپنے عزیز سید امداد علی سے کیا جو ان کے مختار عام بھی تھے۔ حکیم صاحب

---

[176] آئینہ سالاری [177] بروایت پروفیسر محمد کمیل صدیقی ایم اے پی ڈی لکھنؤ

صدر دروازہ کوٹھی حکیم سید ابوالحسن صاحبؒ

امام باڑہ سید ابوالحسن
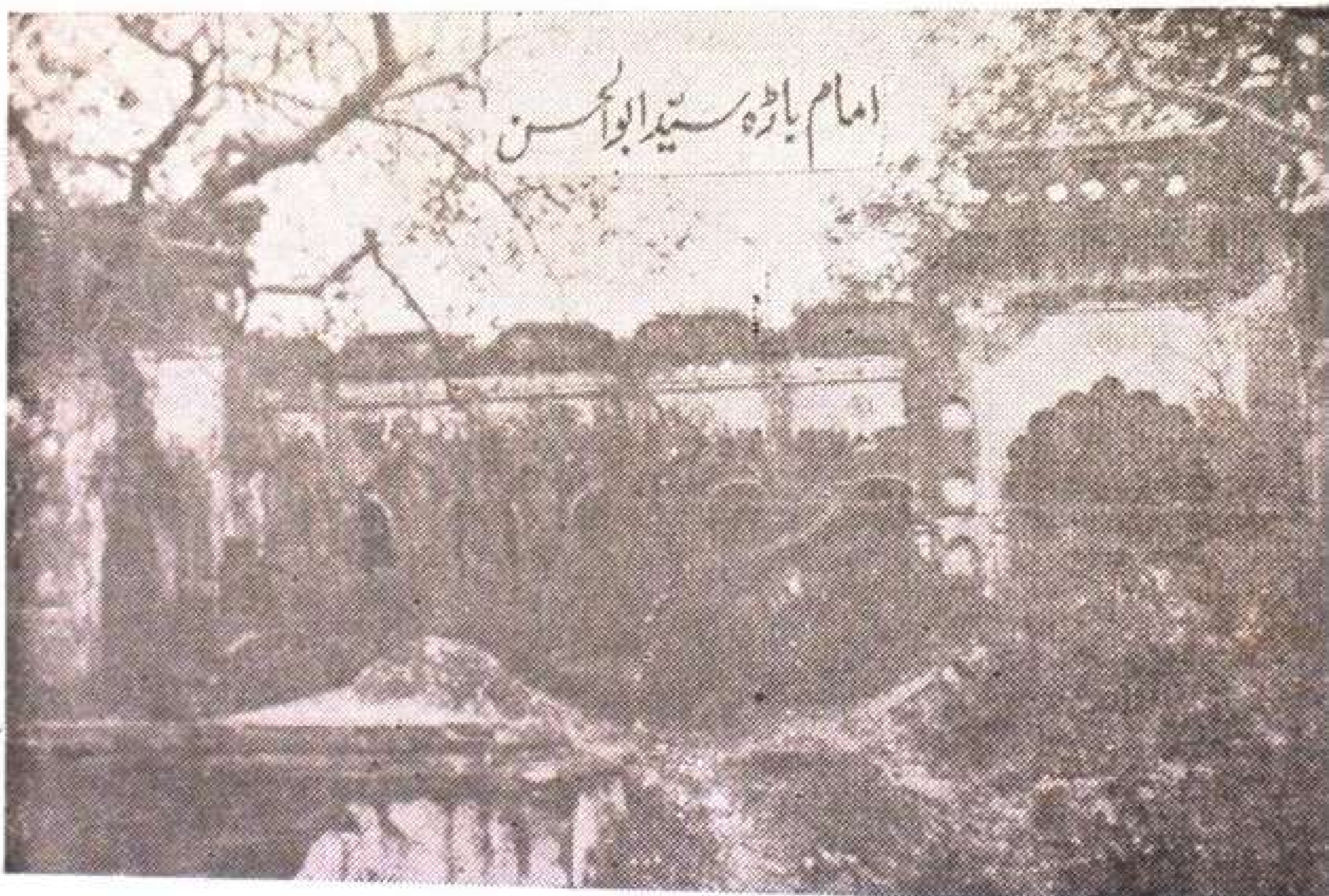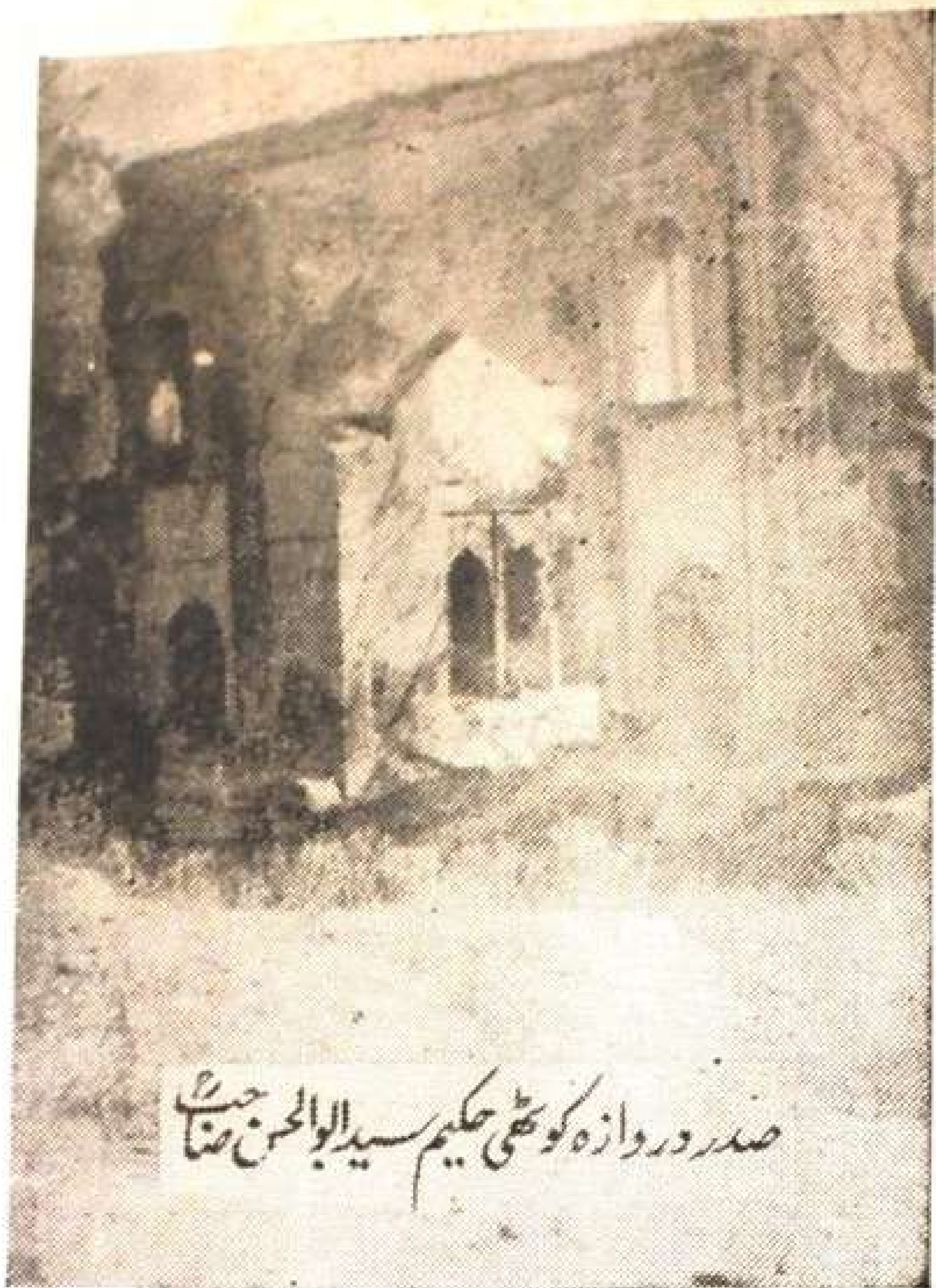
کی فرمائش پر سید امداد علیؒ نے ان کو روپوش ہونے میں مدد دی، ریاست کی جانب سے ان کی گرفتاری کے لئے دوش پہونچی تو سید امداد علی نے لاعلمی ظاہر کی، کارکنانِ ریاست نے انہی کو گرفتار کرکے قید و بند میں ڈال دیا، سختی بھی کرتے رہے اور لالچ بھی دیتے رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی مجبوراً ان کو رہا کر دیا گیا، رہا ہونے کے بعد سید امداد علیؒ موقعہ کے منتظر رہے۔ حکیم سید ابوالحسن کو ساتھ لیکر وہ ریاست سے فرار ہوئے اور کوڑہ پہونچ گئے۔[178]

ریاست مرشد آباد دوبارہ آمد

جس طرح عتاب شاہی اور گرفتاری کے احکام کی کوئی وضاحت آئینہ سالاری کے فاضل مرتب نہیں کر سکے اسی طرح حکیم صاحب کے دوبارہ مرشد آباد جانیکی کوئی وضاحت "آئینہ سالاری" میں موجود نہیں، راقم سطور کا ذاتی خیال ہے کہ مذکورہ قضیہ اختلاف مذہب کی وجہ سے تھا اور اب حکیم صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر تشیع قبول کر لیا جس کی وجہ سے ریاست میں ان کا اعزاز بڑھ گیا غالباً ایسا انھوں نے کسی مصلحت کی وجہ سے کیا۔ انھوں نے اپنی اولاد کو تشیع پر مجبور نہیں کیا۔[179]

اس موقع پر بھی سید امداد علیؒ ان کے رفیق رہے ان کے انتقال کے بعد ۱۲۰۸ھ مرشد آباد سے واپس ہوگئے۔[180]

---

[178] آئینہ سالاری ص۹۱ [179] آئینہ سالاری ص۹۱ [180] سید امداد علی بن رستم علی بن رحمت اللہ بن شاہ صبغۃ اللہ بن مخدوم جہانیان تا لیث بن شاہ محمد فیروز (باقی اگلے صفحہ پر)

اعقاب آپ کی شادی بی بی افتخار النساء، دختر غلام امام عرف بجاگو میاں کے ساتھ ہوئی جن سے ایک صاحب زادے عشرت حسین پیدا ہوئے۔ عشرت حسین کی شادی اعجاز النساء، عرف رجن بی بی دختر محمد حسین عرف طوطے میاں سے ہوئی جن سے دو بیٹے ہوئے عشرت حسین اور مسرت حسین نیز ایک صاحبزادی ہاجرہ بی بی پیدا ہوئیں جن کی شادی حکیم سید زین العابدین سے ہوئی۔

وفات تاریخ وفات تو معلوم نہیں ہو سکی، مرشد آباد ہی میں انتقال ہوا۔ نواب صاحب مرشد آباد نے اپنے صرفہ سے جنازہ کربلائے معلیٰ بھیج کر تدفین کرائی[181]

مولوی سید عاشق علی عاشق علی بن سید امداد علی بن رستم علی بن رحمت اللہ بن شاہ صبغۃ اللہ بن مخدوم جہانیاں ثالث بن شاہ محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ

تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد تعلیم و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ فارسی کے علاوہ عربی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ

[181] آئینہ سالاری۔ ص ۹

متوسطات تک تعلیم دیتے تھے[۱۸۲]

حکیم سید زین العابدین کے ہم عمر و ہم سبق دونوں میں باہم اتحاد تھا۔ حکیم صاحب کی جائیداد کے مختار عام بھی تھے۔

بیعت واجازت: بڑے متقی، زاہد اور متورع حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے دست گرفتہ اور مجاز بھی، محلہ میں یا باہر کہیں بھی خلاف شرع امور کے ارتکاب کی اطلاع پاتے لاٹھی اٹھا کر ... پہنچ جاتے۔

منکرات کے خلاف جدوجہد: منکرات کے خلاف جدوجہد نے انکی دھاک بیٹھا رکھی تھی، ایسے مواقع پر لوگ مولوی صاحب سے ڈرتے اور کانپتے تھے۔

ایکبار مولوی صاحب کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ حضرت ملا عبدالرسول کی مسجد میں بیٹھے تعزیہ بنا رہے ہیں مولوی صاحب نے لاٹھی اٹھائی اور چل دیے یہ تعزیہ دار بھی بیخبر نہیں تھے ان کو اطلاع مل گئی کہ مولوی صاحب آرہے ہیں۔ وہ کھلبلاہٹ میں سازوسامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مولوی صاحب کو ان تعزیہ داروں میں سے تو کوئی بھی نہ ملا لیکن تعزیہ کا ڈھانچہ اور دوسرا سامان ملا جسکو انہوں نے لاٹھی سے توڑ پھوڑ ڈالا اور مسجد کے پھاٹک کو اینٹ اور مٹی سے بند کرادیے، تاکہ آئندہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔

شیخ مجتبیٰ حسین صدیقی مخدوم زادوں سے رشتہ کی وجہ سے کوڑہ میں رہ پڑے تھے یہ بھی شیعی رسوم کا شکار تھے عشرہ محرم میں کسی دن مجلس کرایا کرتے تھے۔ ایک بار ان کو مجلس کے لئے تخت کی ضرورت پڑی

---

[۱۸۲] متوسطات تک تعلیم دینے کی شہادت راقم الحروف کو ملی ممکن ہے کہ اس سے اونچی کتابیں بھی پڑھاتے ہوں۔

تو متعدد گھروں پر آدمی بھیجکر معلوم کیا، لیکن کسی کے یہاں نہ نکلا، یہ سوچکر کہ چونکہ مولوی صاحب سے ہماری رشتہ داری ہے وہ خود ان کا تخت مانگنے کے لئے آئے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مولوی صاحب میری آمد اور حاضری کی لاج رکھ لیں اور تخت دے دیں، لیکن یہاں تو "ولا تعاونوا علے الاثم والعدوان" پر عمل تھا۔ انکار ہی نہیں کیا بلکہ بگڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ تمہاری مجلس و جلیس سب ختم کر دوں گا۔ یہ رنگ دیکھکر شیخ صاحب واپس آگئے۔ شیخ صاحب کے بعد ان کے گھرانہ میں مجلس کی یہ رسم مجھے نظر نہ آئی۔

ذخیرہ کتب مرحوم کے پاس فقہ و حدیث اور تفسیر کی عربی مطبوعات و مخطوطات کا قابل لحاظ ذخیرہ تھا جس کو چھوٹے چچا مرحوم کبھی کبھی دھوپ دکھایا کرتے تھے لیکن یہ ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا، غالباً سارے کا سارا دیمک کی نذر ہوا۔

اولاد و احفاد مولوی صاحب کی اولاد نرینہ میں چھوٹے چچا مولوی سید محمد عبدالقدیر نسابہ کے سوا کوئی زندہ نہ رہا، کچھ تو بچپن میں فوت ہوئے، سید حبیب علی عین عنفوان شباب میں اللہ کو پیارے ہوئے، اس حادثہ سے پورا گھر بیحد متاثر ہوا، مولوی سید محمد عبدالقدیر نسابہ ہی سے ان کی نسل چلی، جو آج بھی موجود ہے۔

وفات ۱۹۰۷ء میں انتقال ہوا، صاحب زادہ گرامی مولوی سید عبدالقدیر نسابہ نے تاریخ کہی جس کا صرف تاریخی مصرعہ پیش ہے۔

ع : گو - باوج خلا رفت عاشق علی ۱۹۰۷

مولوی صاحب کے سانحہ ارتحال سے پوری بستی متاثر ہوئی، لوگ عرصۂ دراز تک ان کو یاد کرتے رہے۔ غفر اللہ لہ و رحمہ،

مولانا حکیم سید زین العابدین

اصل نام مشرف حسین عرف مٹن میاں لیکن دوسرے نام زین العابدین سے مشہور ہوئے[۱۸۳]

زین العابدین بن حکیم سید واجد حسین بن عبد السلام بن میر علی بن نور الہدیٰ بن نور الحق بن ملا محمد واصل بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین (عرف مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہار الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھؒ رحمہم اللہ۔

تعلیم و تربیت

کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی پھر مولانا لطف اللہ علیگڑھی سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کر کے کوڑہ واپس آئے فن طبابت کی تعلیم اپنے والد گرامی مولوی حکیم سید واجد حسین سے حاصل کی۔

کوڑہ میں آپ کے ہم سبق و ہم درس مولوی عاشق علی رحمۃ اللہ علیہ تھے، علیگڈھ میں مولانا ظہور الاسلام رح بانی مدرسہ اسلامیہ فتح پور آپ کے ہم سبق تھے۔

ذکی و ذہین، فنون پہ گہری نظر رکھتے تھے، مطالعہ بہت وسیع

---

۱۸۳ آئینہ سالاری ج ۹

تھا طبابت خدمت خلق کا ایک مشغلہ تھی۔

علمی خدمت

کوڑہ میں نوابین اودھ نے اپنے عہد اقتدار میں علماء و مشائخ کی جاگیریں ضبط کر لی تھیں، اپنے مذہب اور رسوم و رواج کی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے۔ جس نے تبدیل مذہب کے امکانات پیدا کر دیئے تھے۔ حکیم زین العابدین کے چچا حکیم سید ابو الحسن نے نواب مرشد آباد سے تعلق قائم ہو جانے کے بعد شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا، جس کا حکیم زین العابدین کو قلق اور ملال تھا، جس کی بنا پر انھوں نے شیعی خرافات کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ تردید کی ان کی کتاب "یہدی السبیل الی رب الجلیل" اس موضوع پر کامیاب تصنیف ہے جو ۱۳۲۵ھ میں مطبع انوار احمدی الہ آباد سے شائع ہوئی جس میں وہ لکھتے ہیں:

"اب یہاں کے رہنے والے کچھ شیعہ مذہب ہیں کچھ سنی اور یکے بادیگرے قرابت دار ہیں اکثر یکجدی، میں بھی انھیں میں سے ہوں والد مرحوم میرے سنی متعصب اور چچا مغفور شیعہ غالی تھے[۱۸۴]"

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر کتاب و سنت تاریخ و رجال نیز ہفوات شیعہ پر بہت گہری تھی مولانا نے شیعی عقائد و مزعومات کی تردید زیادہ تر انہی کی کتابوں

۱۸۴؎ یہدی السبیل الی رب الجلیل ص ۲

سے کی ہے۔

مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں امام اہلسنت نے اس دور میں اپنے والدگرامی کے ساتھ کوڑہ ہی میں مقیم اور زیر تعلیم تھے۔ مولانا اور مولانا وارث حسن رحمہا اللہ نے سید مظہر حسین عرف للھن میاں سے فارسی درسیات کی تکمیل کی تھی، کچھ عجب نہیں کہ مولانا عبدالشکور علیہ الرحمۃ شیعی عقائد و مزعومات کے سلسلہ میں کوڑہ کی علمی مجالس سے ابتدائی طور پر متاثر ہوئے ہوں پھر لکھنؤ آکر شیعہ مخالف تحریک کا آغاز کیا ہو۔ تحریر و تقریر بحث و مناظرہ، اخبار و رسائل نیز ادارۂ دارالمبلغین کے ذریعہ شیعیت کے خلاف انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا جس کی کوئی مثال پہلے اور بعد کے دور میں نہیں ملتی۔

سیر سالاری مولوی حکیم سید زین العابدین نے حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب "سیر سالاری" کے قلمی نسخہ کی کسی خوشخط سے نقل بھی کرائی تھی لیکن مشغولیت نے ان کو دونوں میں مطابقت اور اصلاح کی فرصت نہ دی جس کی وجہ سے اس منقولہ نسخہ میں غلطیاں رہ گئیں اور غالباً حکیم صاحب ہی کے اس صاف شدہ نسخہ سے مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی اصل سے مطابقت کا موقع ان کو بھی نہ مل سکا۔

وقف اوپر لکھ آیا ہوں کہ مولانا حکیم سید زین العابدینؒ جب مولانا لطف اللہ علیگڑھیؒ کے پاس معقولات کی

تکمیل کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ کے رفقاء درس میں مولانا ظہورالاسلام رحمۃ اللہ بھی تھے، فراغت کے بعد جب مولانا نے فتح پور میں مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اسکے لئے آراضی حکیم صاحب اور ان کے چچیرے بھائی مولانا عشرت حسینؒ نے وقف کی جس پر مدرسہ اسلامیہ فتحپور سے متعلق کئی عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں۔

ازدواج و اعقاب آپ کی شادی ہاجرہ بی بی دختر سید عشرت حسین سے ہوئی تین بیٹیاں اور چھ بیٹے تولد ہوئے۔ سعید فاطمہ اور صغیرہ دو بیٹیاں خوردسال فوت ہوئیں۔ اسی طرح پانچ بیٹے خوردسال فوت ہوئے۔ سید حسن نورالحسن، صدیق حسن، واحد حسن پانچویں بیٹے کا نام پڑھا نہیں جا سکا صرف ایک صاحب زادی عابدن بی بی اور سید نصرت حسین بقید حیات رہے[185]

وفات مولوی عاشق علی رحمۃ اللہ کوڑہ میں آپ کے ہم سبق تھے، آپ کی جائیداد کے مختار عام اور دینی و مذہبی امور میں آپ کے معاون و مددگار سنہ ۱۹۰۷ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو حکیم صاحب اس حادثہ سے بہت متاثر ہوئے، روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ میرا داہنا بازو ٹوٹ گیا، یہ جدائی اتنا سے زیادہ برداشت نہ ہو سکی۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں جان جہان آفرین کے سپرد کی۔

---

[185] آئینہ سالاری ص ۱۷ و ۱۸

تذکرہ نگار کی نظر میں

"مولانا حکیم سید زین العابدین عالم محقق، طبیب حاذق، فلسفی و منطقی تھے، بہت اقبال مند، بڑے بڑے لوگ دردولت پر حاضر رہتے، اہالیان کوڑہ جہان آباد، ہمہ وقت اپنی ضرورتوں پر آپ سے فریاد کرتے، حکام بھی بوجہ علم و فضل حاضر آتے، الغرض ان کے مثل کوئی دوسرا نہ تھا، آپ نے کوڑہ میں سکنہ داری بھی قائم کرائی۔" [۱۸۶]

سید محفوظ علی ڈپٹی کلکٹر

محفوظ علی بن دبیر علی بن بشیر علی بن فیض اللہ بن احسان اللہ بن محمد عاشق بن مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب دانشمند بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانی بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ

تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے، فراغت کے بعد تحصیلدار ہوئے پھر ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ کانپور، اور ایٹہ میں رہے، ریٹائر ہو کر فتحپور آ گئے۔

حلیہ سفید داڑھی، چھریرہ بدن، گندم گوں، سر پر ہلکے بال، باوقار معلوم ہوتے تھے۔

خصوصیات مرحوم عزیز نواز اور اقربا، پرور تھے، اپنے عہدہ اور اثرات سے بھی لوگوں کو فائدہ پہونچاتے تھے۔

سوء وقتی سے ایک موقعہ پر چند مخدوم زادے نیل گائے

۱۸۶؎ آئینہ سالاری ص ۱۸

کے تشکار کے سلسلہ میں ماخوذ ہو گئے، پولیس نے مقدمہ درج کرلیا
مرحوم نے ان کو ایسے مشورے دیئے کہ پہلی ہی پیشی میں شناخت
کی کارروائی کے موقعہ پر عدالت نے مقدمہ خارج کردیا۔
۱۹۳۱ء میں کانپور کے ہندو مسلم فساد کے موقعہ پر متعدد
مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کی، نیز متعدد مقدمات جو مسلمانوں
کے خلاف دائر ہوئے تھے اپنے اثر ورسوخ سے ان کو ختم کرایا۔
کوڑہ اور فتحپور کے حضرات شیعہ نے رائے بہادر دیا سرن سنگھ
کے خلاف منالال عرف حیدر بخش کی موقوفہ جائیداد کی بازیابی
کا جو مقدمہ دائر کیا تھا اس کی کامیابی میں مرحوم کا بڑا ہاتھ تھا۔
اسلامیہ کالج فتح پور کے کچھ عرصہ تک منیجر بھی رہے۔

سیر سالاری

جاڑوں کے زمانہ میں ایک بار کوڑہ آئے تو داروغہ
لطف اللہ مرحوم کے مکان کے سامنے میدان
میں مخدوم زادوں کی دھوپ میں صبح وشام نشست ہوتی تھی۔ اسی
کم سنی کے باوجود بڑوں کی اس مجلس میں راقم سطور بھی پہونچ جاتا تھا
ایک دن ان کو معلوم ہوا کہ عم گرامی مولوی سید محمد عبدالمقتدر نسابہ
کے پاس "سیر سالاری" کا اصل نسخہ ہے اس کو منگوایا دیکھا، چوما
کھڑے ہو گئے سر پر رکھ کر رقص کرتے رہے، اپنی بزرگی کا دباؤ ڈال
کردہ نسخہ انھوں نے عم گرامی مرحوم سے لے لیا جواب ٹنڈو آدم
(پاکستان) میں رشید احمد عرف بتن مرحوم کے صاحب زادگان کے
پاس ہے۔ یہ نسخہ ۲۲ × ۱۸ سائز میں کالپی کے کاغذ پر تحریر ہوا تھا۔
جس کو راقم سطور نے ۱۹۵۸ء میں دیکھا تھا اس وقت بھی اس کی روشنائی

میں چمک تھی گو کا غذ مٹیالا ہو گیا تھا۔

عقد ازدواج و اعقاب مرحوم کی شادی صغریٰ بی بی دختر شیخ علی رضا انصاری سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے سید محمد اختر اور دو صاحب زادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام معلوم نہ ہو سکے[187]

مولوی سید لیاقت حسین لیاقت حسین بن جمال علی بن کرم علی بن رحمت اللہ بن شاہ صبغۃ اللہ بن مخدوم جہانیان ثالث بن شاہ محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن حضرت قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ

پیدائش ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے والد کا انتقال کم سنی ہی میں ہو گیا تھا اپنے نانہال قصبہ بندکی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر کوڑہ آکر تکمیل کی دوران تعلیم والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

تعلیم و تدریس اور تجارت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ انگریز کی نگاہ عتاب مسلمانوں ہی پر زیادہ تھی۔ یہ دور مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور معاشی پریشانیوں کا تھا جس سے یہ خانوادہ بھی متاثر تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولوی لیاقت حسینؒ تلاش معاش میں کانپور چلے گئے کانپور اس وقت ترقی پذیر شہر تھا۔ جہاں کی زیادہ تر

---

[187] انصاری سے مراد انصاری قدیم ہیں۔

آبادی آفاقیوں پر مشتمل تھی۔ انگریزوں کی فوجی چھاؤنی کی وجہ سے لوگ بالعموم اس کو کمپو کہتے تھے ہندو اور مسلمانوں کے مخلوط محلے تھے بیگم گنج اور طلاق محل جو آج خالص مسلم محلے ہیں ان میں بھی مخلوط آبادی تھی۔ ناظر باغ، ہمایوں باغ، سعید آباد، چمن گنج جیسے مسلم محلوں کا اس وقت وجود نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے بعض بعض محلوں کے درمیان خاصہ فصل تھا اور خاصی مسافت طے کرنا پڑتی تھی۔

مولوی سید لیاقت حسین مرحوم نے کانپور پہونچکر تعلیم وتدریس اور تجارت کا شغل اختیار کیا۔ عرصہ دراز تک کانپور میں رہے۔

کانپور میں ان کی تعلیمی اور تجارتی مشغولیت کی وجہ سے ان کا ایک حلقہ اثر تھا ان کے تلامیذ اچھی اچھی ملازمتوں میں انہی کی سعی وکوشش سے منسلک ہو گئے تھے، عزیزوں ہی نے نہیں غیروں نے بھی ان کے اثرات وتعلقات سے فائدہ اٹھایا اور ہمیشہ ان کے ممنون رہے۔

حلیہ اور وضع قطع میرے شعور نے جب آنکھیں کھولیں تو میں نے ان کو کوڑہ ہی میں پایا، کشادہ پیشانی چوڑا چکلہ چہرہ، گٹھا ہوا جسم، سر پر مولویت کا شعار بنے، دوپلی ٹوپی، کرتہ، چوڑی مہری کا پاجامہ اور انگرکھا پہنتے دیکھا، بعد میں شیروانی پہننے لگے تھے سردیوں میں گرم شیروانی کے ساتھ صافہ بھی باندھتے، پیروں میں لدھیانہ کا جوتا، کہیں جانا ہوتا تو ہاتھ میں لاٹھی ہوتی، اس عہد کے مولویوں کا اکثر وبیشتر میں نے یہی لباس وشعار دیکھا۔

ذوق مطالعہ کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ کا بھی ذوق تھا میں نے اپنے کم سنی میں سب سے پہلے ریاض الصالحین

مترجم انھیں کے ذخیرہ کتب میں دیکھی تھی، اوپر متن اور بین السطور میں ترجمہ۔
گھر میں متعدد اخبار اور رسائل آیا کرتے تھے۔ ہفت روزہ دلچسپ نوید، خطیب، روزنامہ "الامان" زمیندار، ہمت، پہلے خود مطالعہ کر لیتے اس کے بعد محلہ میں جہاں بھی عزیزوں کی نشست ہوتی۔ اخبار لے کر پہونچ جاتے اور تمام خاص خبریں سب کو سنا کر چلے آتے،

گھر کے کام

گھر کے سارے کام خود کرتے تھے، بازار سے اشیاء کی خریداری کے لئے خود جاتے، مزدور کے سر پر سامان لدوا کر لاتے اور گھر میں رکھوا کر جس نے جو بھی فرمائش کی ہوتی اس کو اس کا پورا حساب سمجھا کر باقی پیسے حوالہ کر دیتے۔

شیعیت سے بیزاری

خاندان میں تو تب بدعت کا مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا جتنا اہم تشیع اور تسنن کا مسئلہ تھا۔ مولوی حکیم زین العابدینؒ کے چچا حکیم ابوالحسن مرشد آباد کی ریاست کے شاہی طبیب تھے انھوں نے شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا جس پر ان کے بھتیجے مولوی حکیم زین العابدینؒ کو "ھدایۃ السبیل الی رب الجلیل" نامی کتاب شیعیت کے رد میں لکھنا پڑی۔ مخدوم زادوں کی دوسری شاخ میں ملا عبدالرسولؒ کے گھرانہ کی ایک شاخ نے تشیع اختیار کر لیا تھا۔ اسیطرح محلہ سید واڑہ کا سادات گھرانہ جس سے مخدوم زادوں کی رشتہ داریاں تھیں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک حصہ تو ہمیر پور منتقل ہو گیا تھا جہاں ان کو حکومت کی جانب سے قضا کا عہدہ ملا۔ اور جو شاخ کوڑہ میں رہ گئی وہ بعد میں اودھ کے نوابوں کے زیر اثر آکر شیعہ ہو گئی۔ مرحوم کی شادی ہمیر پور کی شاخ میں ہوئی تھی، اس اعتبار سے کوڑہ کی شاخ

ایک نوع سے ان کی سسرالی شاخ تھی۔
لیکن مولوی سید لیاقت حسینؒ کو نہ اپنی شاخ کے شیعوں کی مجلس میں دیکھا گیا اور نہ سید واڑہ میں دیکھا گیا۔ میرا حافظہ جہاں تک کام کرتا ہے وہ شیعہ تقریبات میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، حالانکہ کوڑہ کے یہ شیعہ گھرانے بس نام ہی کے شیعہ تھے سنی برادری کے اثرات اتنے وسیع اور دور رس تھے کہ وہ کوئی خاص خیال تبرا وغیرہ کا ذہن میں لا ہی نہیں سکتے تھے لیکن برائے نام شیعہ ہونے کے باوجود کھانے پینے پان پتے میں کچھ ملا دینے کی جو ہوا عام تھی یہ اس کا اثر تھا کہ مولوی سید لیاقت حسینؒ شیعی تقریبات سے ہمیشہ گریزاں ہی رہے۔

بیٹے کے لئے دعائیں صاحب زادہ کا تعلق جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ اور جمعیتہ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ آگرہ سے تھا وہ اپنے تبلیغی اور دعوتی اسفار کے دوران کسی نہ کسی پیش رفت کا تذکرہ مرحوم کے نام خطوط میں کرتے رہتے تھے۔ اور دعا کی درخواست بھی۔ مرحوم اپنے خطوط مغرب کی نماز سے کچھ پہلے مسجد میں اعزا کو سناتے اور دعا کے لئے کہتے۔

دستگیری مرحوم ضرورت مندوں کے کام آتے تھے، گھر والوں سے چھپا کر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ بظاہر تو ان کی رقم ڈاک خانہ کے سیونگ بینک میں رہتی جب ضرورت ہوتی تھی نکالتے تھے، لیکن اسکے علاوہ ان کے پاس ایک بڑا بکس تھا جس میں دوسری اشیاء کے علاوہ روپئے سے بھری ہوئی دو گٹھریاں رہتی تھیں بالعموم انہی میں سے لوگوں کو دیتے رہتے تھے۔ لینے والے جب واپس

کرتے تو وہی بکس کھولکر جس گٹھری سے رقم نکالی ہوتی اس میں رکھ دیتے۔
دیتے دلاتے تو میں نے دیکھا لیکن گٹھری نکال کر کبھی شمار کرتے نہ دیکھا۔

جائیداد

سرائے بارے میں کچھ جائیداد راقم سطور کے نام سے خریدی اور کچھ حصہ انھوں نے والد صاحب علیہ الرحمۃ کے نام سے خریدا۔ موضع پتاری میں چار آنہ کا حصہ والدہ مرحومہ کے نام تھا جن کے انتقال کے بعد دادا مرحوم نے یہ حصہ شرعی میرے اور والد صاحب علیہ الرحمۃ کے نام داخل خارج کرا دیا تھا۔ جس کی تحصیل وصول کا انتظام والد صاحب ہی کرتے تھے جس کو میں نے پہلے تو وقف علی الاولاد کیا زمینداری ابالیشن کے موقع پر جب وقف علی الاولاد ازروئے قانون ذاتی ملکیت میں محسوب ہوا تو میں نے اسکو وقف علی الخیر کر دیا، یہ وقف علی الخیر تو رہ گیا جس کی انیوٹی ملتی رہی لیکن سوا سو بیگھے کی جائیداد ہاتھ سے نکل گئی، جس میں بڑا دخل اس دور میں زمینوں کی بے وقعتی کو تھا۔ اور آج جس کی قیمت لاکھوں سے متجاوز ہے۔

علالت اور وفات

آخر عمر میں علیل ہوئے تو والد صاحب علیہ الرحمۃ نے پورے قافلہ کو کانپور بلالیا، علاج معالجہ کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن دادا مرحوم نے والد صاحب کو بلا کر کہا کہ "میرے اب یہ آخری دن ہیں مجھے تم کوڑہ لے چلو میں وہیں مروں گا، مجھکو وہیں دفن کرنا" یہ بات انھوں نے کچھ ایسے انداز میں کہی کہ والد صاحب اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے، بلکہ کوڑہ کی تیاری شروع کر دی، دوسرے دن لاری کے ذریعہ پورا قافلہ کوڑہ روانہ ہوگیا۔ والد صاحب اپنے تعلق کے کسی طبیب کو لیکر کوڑہ پہونچے جنھوں نے

نبض دیکھی نسخہ لکھا اور والد صاحب سے علیحدگی میں کہا کہ جس وقت
بھی یہ حادثہ ہو جائے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ موجودہ صورت حال میں آپ
کا اب کانپور جانا بالکل مناسب نہیں۔ حکیم صاحب تو یہ کہکر کانپور واپس گئے
اور اسکے دوسرے دن یعنی ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء یکشنبہ مطابق ۱۲ ربیع الاول
سنہ ۱۳۵۹ھ کو یہ جونی ہو گئی۔ جس کی اطلاع مجھے دیوبند میں مولانا سید معظم علی
نجیب آبادی علیہ الرحمۃ سے ملی۔

اعقاب مرحوم کی شادی جلال پور کے سادات گھرانہ میں مولوی نام علی
کی صاحب زادی معصوم بی بی سے ہوئی تھی جن سے
دو بیٹے ایک بیٹی، بڑے بیٹے شرافت علی کا انتقال عنفوان شباب میں
ہو گیا تھا دوسرے بیٹے محمد عبد الحئ جو بعد میں الحاج سید محمد عبد الحئ
ہوئے، صاحب زادی کنیز فاطمہ کا عقد اناؤ میں منشی کرامت علی وکیل
کے صاحب زادے، منشی امتیاز علی سے ہوا جو لاولد فوت ہوئیں۔

مولانا سید شاہ وارث حسنؒ وارث حسن بن امتیاز حسن بن محمد حسن
بن عزیز الدین حسن ثانی بن عشق حسین
بن محمد اکبر بن نور الدین حسن بن شاہ ابو سعید دانشمند بن شاہ خرم بن شاہ محمد باشم
بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین (مخدوم جہانیان ثانی) بن شاہ بہاء الدین علی
بن مخدوم قطب الدین سالار بدہ رحمہم اللہ۔

ولادت سنہ ۱۲۸۲ھ میں اپنے آبائی وطن کوڑا جہان آباد میں پیدا
ہوئے۔

تعلیم ابتدائی تعلیم کوڑا ہی کے مدرسہ میں حاصل کی میر منظہر حسین عرف
لٹھن میاں مرحوم سے مروجہ فارسی نصاب کی تکمیل کی اس

مرحلہ پر مولانا عبدالشکور فاروقیؒ آپ کے ہم درس و ہم سبق رہے۔

مروجہ فارسی نصاب سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں سے سنہ ۱۳۱۲ھ میں سند فراغ حاصل کی۔

بیعت و اجازت قطب وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے مسلسل ڈھائی سال مرشد گرامی کے زیر تربیت رہ کر وطن مالوف واپس تشریف لائے۔

درس و تدریس حکیم سید ابوالحسن کے امام باڑہ میں عربی کا مدرسہ قائم کیا جس میں عرصہ تک تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا سید محمد عبدالحیٔ اور مولوی سید محمد عبدالقادر یہ نسابہ نیز ایک شیعہ عزیز سید جعفر حسین قبائی فتحپوری تھے، بقیہ تلامذہ کا علم نہیں ہو سکا۔

کوڑہ سے تعلیم و تدریس کی خدمت کے لئے مدرسہ ہدایت المسلمین بنارس پہونچے جہاں تقریباً دس بارہ سال مقیم رہے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ تلخیص المیزان اور تلخیص المنشعب بنارس کے تدریسی زمانہ ہی کی یادگاریں ہیں۔

لکھنؤ آمد یہ دور وہ تھا کہ سر سید احمد علیہ الرحمۃ کی تعلیمی تحریک اپنے شباب پر تھی۔ علی گڑھ کالج کے علاوہ خود اجنبی حکومت کے اسکول اور کالج نیز یونیورسٹیاں ہندوستانی باشندوں کو نگو نظر اور دین و مذہب کی راہ سے دور کر کے ملحد و بے دینی بنا رہی تھیں اس صورت حال سے خاندان کے خاندان متاثر ہو رہے تھے علماء ہی کا نہیں

دین اور شعائر دین کا بھی مذاق اڑایا جاتا تھا سر سید علیہ الرحمہ کے
افکار و خیالات اور تاویلات فاسدہ نے مسلم تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بہت
متاثر کیا تھا اسلامی احکام و شعائر کو تنگ نظری کہکر ٹال دیا جاتا تھا۔
جدید تعلیم کی افادیت و عدم افادیت پر بحث و مناظرہ کی نوبت
آتی تھی۔

ان حالات میں کوڑہ کے بے یار و مددگار بوریہ نشین مرد مومن نے
اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر لکھنؤ میں اپنے اصلاحی کام کا آغاز فرمایا۔
حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمہا اللہ کے تربیت یافتگان
جہاں بھی رہے ممتاز رہے اور انھوں نے دین کی جو بھی خدمت کی واقعہ
یہ ہے کہ اپنا کوئی نظیر و مثیل نہیں چھوڑا، اگر ایک طرف قادیانی فتنہ کی سرکوبی
کے لئے مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے محاذ قائم کیا تو دوسری طرف اجنبی
حکومت کے خلاف مولانا حسین احمد مدنیؒ مرجع تھے۔ اگر ایک طرف
مولانا اشرف علی تھانویؒ بدعات کے لئے سینہ سپر ہوئے تو دوسری
طرف مولانا شاہ وارث حسن نے جدید تعلیم سے پیدا شدہ الحاد و دہریت
کی سرکوبی میں امتیاز حاصل کیا۔ پڑھنے کی خواہش رکھنے والوں کو پڑھانا
تو کچھ مشکل نہیں لیکن جو پڑھنا ہی نہ چاہتے ہوں ان کو پڑھا دینا کسی استاذ
کی قابلیت اور اس کی فہم و فراست کی دلیل ہے۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ
بتا دینا آسان ہوتا ہے لیکن ایسے گمراہ جو سیدھی راہ پر چلنا ہی نہ چاہتے ہوں
ان کو راہ پر لگا دینا انتہائی دشوار اور مشکل ہوتا ہے مولانا کی اصلاح
و تربیت کا یہی امتیازی وصف تھا دین کا مذاق اڑانے والوں کو دین
کا پابند بنایا، مذہب سے دور بھاگنے والوں کو مذہب کی راہ پر لگایا۔

مولانا کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے سے قبل جس کو کسی نوع سے بھی مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا تھا حلقہ ارادت میں آنے کے بعد کسی طرح بھی ان کے بارہ میں یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ماضی میں یہ محض بے دین اور ملحد تھے یا کم از کم اسلامی خصوصیات سے ناآشنا تھے جو کبھی موذن کی آواز پہ کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ مولانا سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان کی پیشانیاں مالک حقیقی کے سامنے آلودۂ خاک ہوتی تھیں، اور ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر۔ جن کے لئے ایک وقت کی نماز پہاڑ ہو جاتی تھی مولانا سے رابطہ قائم ہونیکے بعد نہ صرف وہ سنن و فرائض کے پابند ہو جاتے تھے بلکہ اوابین نوافل و تہجد بھی ناغہ نہ ہوتی تھی بلکہ غرض کبھی جن کی بے دینی کی قسم کھائی جاسکتی تھی۔ مولانا سے مربوط ہونیکے بعد ان کی دینداری کی قسم کھائی جانے لگتی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ مولانا کی اس اصلاح سے صرف غرباء یا متوسط طبقہ ہی متاثر ہوا ہو، امراء، تعلقہ داران، رؤساء، حکام اعلیٰ عہدیداران بھی متاثر ہوئے جس پہ مولانا کی نظر کیمیا اثر پڑی اس میں انقلاب پیدا ہوا۔ اہل لکھنؤ تو صرف ایک محمد نسیم (ایڈوکیٹ) کو جانتے ہیں، مولانا کا حلقہ دہلی، کلکتہ، الہ آباد، گورکھپور، علیگڈھ، اجمیر، کراچی، بمبئی اور خدا جانے کہاں کہاں تھا اور ان مقامات پہ نہ جانے کتنے ہی محمد نسیم ایڈوکیٹ تھے اور کتنے ہی چیف جسٹس، یہ واقعہ ہے کہ جن کی رسائی مولانا کے کمالات اور خصوصیات تک نہ تھی ان کے ذہن میں یہ آتا ہی نہ تھا کہ یہ انقلاب جو برپا ہو رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ نیز اللہ کے کچھ مخصوص بندوں کی اس انقلاب پر

خصوصی توجہ اور لگاؤ بھی ہے۔[۱۸۹]

معمولات معمول تھا کہ آنے والا جب آتا تو سلام و مصافحہ کے بعد نام دریافت کیا جاتا اور غرض پوچھی جاتی اسکے بعد قرآن کریم کی آیت اور اسکے مناسب کوئی حدیث سناتے اور مختصر سی تقریر فرمائی جاتی جو دلوں میں گھر کر لیتی۔ آنے والا رخصت چاہتا تو اجازت دے دی جاتی تعویذ طلب کرتا تو اپنے خادم یوسف مرحوم کو بلاکر ہدایت کردی جاتی کہ فلاں کو تعویذ دے دو۔

اصلاح معاملات اور تزکیۂ نفس کا بڑا اہتمام تھا۔ مولانا کا وجدان اور احساس اس قدر لطیف تھا کہ دقیق سے دقیق خطرات کی بھی نگرانی فرماتے تھے جس کو لوگ مولانا کی کرامت پر محمول کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

ایک واقعہ ایک خانصاحب نے جو ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے راقم الحروف سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ:

"ایک بار میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے حکم دیا" کہ کٹرہ ابوتراب خاں جاکر عاشق صادق کے یہاں سے میری نواڑ کی چارپائی لے آؤ" میں "بہت اچھا" کہکر چلنے لگا تو فرمایا" دیکھ اپنے سر پر رکھ کر لانا" وہ کہتے تھے کہ میں "بہت اچھا"

---

[۱۸۹] حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا رحمہ کے اصلاحی کاموں سے صرف دلچسپی ہی نہ تھی بلکہ کئی بار حضرت نے مولانا کی ہمت افزائی بھی کی۔

کہکر چل پڑا لیکن مولانا کا یہ جملہ "دیکھا اپنے سر پر رکھ کر لانا" دلمیں خلش پیدا کرنے لگا اور میں اس تصور ہی سے کہ چارپائی سر پر رکھکر خاص اور میڈیکل کالج سے گزروں گا ممکن ہے کوئی جاننے والا راستے ہی میں مل جائے تو مجھے اس حال میں دیکھکر کیا سوچے گا۔ سردی کا زمانہ ہونے کے باوجود میرے پسینے چھوٹ گئے اسی خلفشار میں کٹرہ ابوتراب خاں پہونچا تو یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ یہاں سے مزدور کے سر پر رکھوا کر میڈیکل کالج کے آخری گیٹ تک لے جاؤں گا وہاں سے پھر اپنے سر پر رکھ لوں گا ادھر چونکہ ویرانہ ہے اسلئے شاید کوئی جاننے والا نہ ملے۔

چنانچہ عاشق صادق کے مکان پر پہونچکر آواز دی اور ان کو مولانا کا حکم سنایا، عاشق صادق صاحب چارپائی اندر سے لے آئے اور میرے حوالہ کر دی۔

خانصاحب کہتے تھے کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر میں نے اپنی سوچی ہوئی متبادل صورت اختیار کی تو ممکن ہے کہ مولانا کو اطلاع ہو جائے اور میں سزا کا مستحق قرار پاؤں، اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنی شیروانی اتاری سر پر رکھی پھر چارپائی لاد کر وہاں سے

چل دیا، اب میں بھول چکا تھا کہ کوئی جانے
پہچاننے والا مل گیا تو کیا ہوگا اور یہ بھی بھول
گیا کہ میں فلاں ضلع کا ڈپٹی کلکٹر ہوں قبیل
حلاوہ ایک ذوق اور ایک کیفیت تھی کہ جو مجھے
کشاں کشاں لئے جا رہی تھی ٹیلہ جب پہونچا
تو دیکھا کہ مولانا دیوار کے پاس کھڑے مسکرا رہے
ہیں، میں نے چارپائی اتاری اور خدمت میں
حاضری دی، مولانا نے مجھے اس کیفیت میں
دیکھ کر فرمایا:

"اچھا ہوا اگر مزدور کے سر پر لدوا کر لاتا تو
تیری خیریت نہ تھی۔"

رمضان المبارک میں مولانا کے معمولات عام دنوں کی نسبت کچھ
بڑھ جاتے تھے، راقم السطور نے مغرب کی نماز کے معاً بعد حلقہ کرتے
دیکھا مسترشدین جمع ہو جاتے مولانا مختصر سی تقریر فرما کر بیٹھ جاتے
مریدین و مسترشدین کو توجہ دیتے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں چلے
جاتے۔ اس حلقہ میں شرکت کی سعادت راقم سطور کو کئی بار حاصل
ہوئی حالانکہ میری عمر کا یہ وہ دور تھا کہ نہ میں مولانا کی تقریر ہی سے
استفادہ کر سکتا تھا اور نہ "توجہ" ہی سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا
تھا تاہم شریک ضرور ہوتا تھا۔
ذکر بالجہر سے تو مسجد کے بام و در گونجتے ہی رہتے تھے۔ شاید ہی کوئی
وقت ایسا خالی جاتا ہو جس میں مسترشدین کی کوئی جماعت ذکر بالجہر

میں مشغول نہ رہتی ہو یا تلاوت ونوافل سے بہرہ ور نہ ہو رہی ہو۔

حضرت مولانا کا ایک حلقہ فجر کی نماز کے بعد بھی ہوتا تھا نماز اور دعا سے فراغت کے بعد مولانا چھڑی کی ٹیک لگا کر کھڑے ہو جاتے، مریدین ومسترشدین حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ۱۵-۲۰ منٹ تک مولانا کی تقریر جاری رہتی فارغ ہو کر مولانا حجرہ میں چلے جاتے اور لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مشغول ہو جاتے۔

ملی تحریکات اور مولانا رحمہ

مولانا علیہ الرحمۃ کا سیاست حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں تھا وہ تصوف وسلوک رشد وہدایت میں مشغول تھے لیکن ملک کی مختلف دینی اور تعلیمی تحریکات میں کسی نہ کسی نوع سے دلچسپی بھی لیتے تھے۔ ندوۃ العلماء کی تعلیمی تحریک "اصلاح وتجدید نصاب" کے مؤید تھے۔ ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ پٹنہ سنہ ۱۹۰۰ء میں مولانا بھی شریک تھے ایک موقعہ پر منتظمین کی جانب سے چندہ کی اپیل ہوئی تو مولانا نے اپنا عمامہ چندہ میں پیش کیا تبرک سمجھ کر جس کی بڑی قیمت لگائی گئی[۱۸۹]

ندوۃ العلماء سے مولانا کا تعلق اور ندوہ کا مولانا سے تعلق تاحیات قائم رہا۔ ناظم صاحب ندوۃ العلماء ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا سے قرب واختصاص حاصل تھا، ایک بار ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں حضرت مولانا کی مجلس کا اہتمام کیا، مولانا ندوہ تشریف لائے تو درسگاہوں سے حضرات اساتذہ کرام اور طلبہ جوق در جوق نشست گاہ میں پہونچ گئے، حضرت مولانا نے اپنے

۱۸۹؎ روداد اجلاس ہفتم ندوۃ العلماء منعقدہ سنہ ۱۹۰۰ء بمقام پٹنہ ص ۴۷

مخصوص انداز میں قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرماکر حدیث کی روایت کی کم و بیش ایک گھنٹہ تک تقریر فرماتے رہے، پھر دعا فرمائی اور مجلس برخاست ہوئی۔

جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کا پورا جس کا مرکزی دفتر اس زمانہ میں شہر انبالہ میں تھا جس کی صوبائی شاخ آگرہ میں جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ جات متحدہ کے نام سے قائم تھی حضرت مولانا مرکزی جمعیۃ کے نائب صدر اور صوبائی جمعیۃ کے صدر و نائب صدر رہے، قصبہ کوڑا جہان آباد کی انجمن تبلیغ الاسلام اور اس سے ملحق مدرسہ دارالارشاد کے سرپرست و معاون رہے علماء کرام بالعموم ان ہی کے دولت کدہ پر قیام پذیر ہوتے، قصبہ میں مولانا سید محمد عبدالغنی رحؒ کی سعی سے ایک تبلیغی کانفرنس سنہ ۱۹۲۸ء میں ہوئی، دوسری کانفرنس سنہ ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ دونوں مواقع پر دور دراز سے چل کر حضرات علماء شرکت کے لئے تشریف لائے جن کی مہمان نوازی حضرت مولانا ہی نے فرمائی۔

قلمی اور مطبوعہ متروکات

مولانا جب لکھنؤ تشریف لائے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے کوڑہ کے رفیق درس مولانا عبدالشکور فاروقیؒ مستقل طور پر شیعوں کیخلاف علمی طریقہ سے خدمات انجام دے رہے ہیں اسی زمانہ میں ایک واقعہ مولانا فاروقی مرحوم کی تکفیر کا بھی پیش آیا اور چونکہ مولانا وارث حسنؒ مرجع خلائق تھے اسلئے ان کے سامنے بھی یہ استفتاء پیش کیا گیا جس کو آپ نے یہ فرماکر کہ

"اگر مولانا عبدالشکور کافر ہو گئے تو پھر لکھنؤ

میں کوئی مسلمان نہیں ہے"

نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ چاک کر کے پیش کرنیوالے کے حوالے کر دیا۔

(۱) لکھنؤ کے ان حالات سے متاثر ہو کر ہی مولانا نے مسند امام احمد بن حنبلؒ اور موطا امام مالکؒ سے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات کا انتخاب کیا اور ان کی شرح لکھنے کا آغاز فرمایا، مولاناؒ کی یہ علمی خدمت اگر مکمل ہو کر طبع ہوگئی ہوتی تو ایک بڑا کارنامہ ہوتا اور مفید خدمت انجام پاتی لیکن افسوس کہ مولانا کی مشغولیت اور مصروفیت اس کام کی تکمیل میں حائل ہوگئی۔

(۲) درس نظامی کی ابتدائی کتابیں میزان الصرف اور میزان منشعب کی آپ نے فارسی ہی میں تلخیص المیزان اور تلخیص المنشعب کے عنوان سے تلخیص فرمائی تھی یہ دونوں کتابیں طبع ہو کر شائع ہوئیں ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

(۳) ایک مختصر رسالہ "مسائل النکاح" کے عنوان سے نکاح وطلاق اور خلع نیز مفقود الخبر جیسے فقہی مسائل پر مشتمل تحریر فرمایا تھا جو طبع ہو کر شائع ہوگیا۔

(۴) "اسرار سالاری" کے نام سے جد اعلیٰ حضرت شاہ قطب الدین اور حضرت شاہ بہاء الدین رح کے اوراد و اذکار حضرت شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی نے فارسی میں تحریر فرمائے تھے، مولانا علیہ الرحمہ نے جس کا "اسرار جہانی" کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا جو مطبع کلیمی کلکتہ سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا۔

(۵) "شمامتہ العنبر" کے نام سے مولانا علیہ الرحمہ کے ملفوظات گرامی ان کے خلیفہ خاص جناب ذوقی شاہ رح نے شائع کرائے، یہ مولانا کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں آنے والوں کے سامنے ان کے مناسب حال فرمائی گیئں شریعت اور تصوف کے اہم سے اہم امور سادہ اور سلیس زبان میں مختصر طریقہ سے سامعین کے ذہن نشین فرمائے ہیں، یہ ملفوظات توحید و رسالت سے لیکر ذکر و اذکار تک مختلف عناوین پر مشتمل ہیں تمثیلات و تشبیہات، حکایات و واقعات سے بھی استدلال کیا ہے۔

چونکہ مولانا کا حلقہ مغرب زدہ جدید تعلیمیافتہ طبقہ تھا جو دین و شریعت یا تصوف و حقیقت کے مسائل عشق و محبت، جذب و شوق، کی راہ سے سمجھنے کے بجائے عقل کی راہ سے سمجھنا چاہتا تھا اور یہی طریقہ اس طبقہ کو دین سے مانوس کرنے کے لئے، مفید بھی تھا یہ مسائل روزمرہ کے مشاہدات و احساسات کی راہ سے عقلی طور پر سمجھائے گئے ہیں۔ اس کتاب کے تین ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔

عقد زواج و اعقاب مولانا مرحوم نے تین شادیاں کیں پہلی اہلیہ رقیہ بی بی ہمشیرہ سید منظر عباس دارانگری جن سے ایک صاحب زادے سید واعظ حسن اور دو بیٹیاں قریشہ بی بی اور قدسیہ بی بی تولد ہوئیں۔

دوسری شادی کرثہ ہ سادات کے قطبی خاندان میں ذکیہ بی بی سے ہوئی جن سے دو بیٹے اور ایک بیٹی سید فاضل حسن عرف تشفی میاں

سے واصل حسن عرف تسلی میاں آصفیہ خاتون عرف بٹن بی بی تولد ہوئیں۔

مولانا کا تیسرا عقد چھپرا صوبہ بہار کی ایک مسماۃ کے ساتھ ثا سے واپس ہوتے ہوئے جہاز پران کے شوہر کے انتقال کی وجہ ے مسماۃ کا محرم بننے کے لئے ہوا۔

وفات حضرت مولاناؒ ذیابطیس شکری کے مریض تھے گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تو میڈیکل کالج علاج کے لئے داخل ہوئے لیکن کوئی نفع نہ ہوا، کہ وقت موعود آپہونچا، ۱۶ رجمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۳۶ء کو وفات پائی

ٹیلہ سیلاب کے پانی سے گھرا ہوا تھا سامنے کی سڑکیں زیرآب ھیں شہر میں کسی نہ کسی طرح اطلاع پہونچ ہی گئی آہستہ آہستہ ر کے بہت بڑا ہجوم جمع ہوگیا۔ جنازہ کی چارپائی میں بلیاں لگادی گیئں مولانا عبدالشکور فاروقی علیہ الرحمہ نے میدان میں جنازہ کی نماز پڑھائی لوگ کاندھا دینے کے لئے ٹوٹے پڑرہے تھے۔ کہ کاندھا دینے کے شرف سے محروم نہ رہ جائیں۔ ٹیلہ کی مسجد کا جنازہ نے کئی بار طواف کیا منتظمین کی جانب سے اگر عجلت نہ کی جاتی توشاید جنازہ ساری رات طواف ہی کرتا رہتا لکھنؤ کی سرزمین نے محبوبیت و مقبولیت کا یہ منظر شاید ہی کبھی دیکھا ہو جو راقم الحروف کی نظر سے گزرا۔

معاصر تذکرہ نگار کی نظر میں صاحب نزہتہ الخواطر تحریر فرماتے ہیں:

الشیخ العالم الصالح وارث حسن وارث حسن بن امتیاز حسن حسینی

بن امتیاز حسن الحسینی الحنفی
الکوروی احد العلماء
العاملین وعباد اللہ الصالحین
ولد ونشأ ببلدۃ کورۃ
(بالراء العجمیہ) بلدۃ
من اعمال فتح پور وسافر
للعلم فقرأ الکتب
الدرسیۃ علی اساتذۃ
المدرسۃ العالیہ بدیوبند
ثم ذھب الی گنگوہ
واخذ الحدیث والطریقۃ
عن الشیخ رشید احمد
الحنفی الگنگوھی ثم
سافر الی الحجاز وزار
وصحب الشیخ امداد اللہ
ابن محمد امین التھانوی
المھاجر زمانا ورجع
الی الھند تولی التدریس
ببلدۃ بنارس ثم مظفرپور
فدرس وافاد مدۃ من
الزمان ثم ترك البحث

جنش کوروی اللہ کے نیک بندوں
اور باعمل علماء میں سے ایک
تھے۔ کوڑہ میں پیدا ہوئے
پرورش پائی۔ حصول علم
کے لئے سفر کیا درسی کتابیں
مدرسہ عالیہ دیوبند کے اساتذہ
سے پڑھیں، پھر گنگوہ
جاکر مولانا رشید احمد
گنگوہی سے حدیث کی سند
لی انہی سے بیعت و مجاز
ہوئے اور حضرت حاجی
امداد اللہ بن محمد امین تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ کی عرصہ
تک صحبت اٹھائی پھر ہندوستان
واپس آکر بنارس میں درس
دینے لگے پھر مظفرپور میں
پڑھاتے رہے عرصہ تک درس
وافادہ میں مشغول رہے پھر
پڑھنا اور پڑھانا چھوڑ کر
مختلف مقامات پر مشائخ سے
فیض حاصل کیا۔ شیخ حسین بن علی

والاشتغال ودار البلاد و
لقی المشائخ واخذ عن
الشیخ حسین علی النقشبندی
وعن غیرہ من المشائخ
بالھند ودثم سکن
ببلدۃ لکھنؤ فی
الجامع الکبیر تبل الشیخ
پیر محمد اللکھنوی
وحصل لہ القبول العظیم
وانتفع بہ خلق کثیر
اکثرھم من المحامین
والقضاۃ والموظفین
الکبار واھل الوجاھۃ
وحسنت احوالھم واخلاقھم
وعمرت اوقاتھم
بالاوراد والاذکار۔
وکان عندہ
توسعا فیما تقید بہ
مشائخ البلاد من الولائم
والرسوم کالفاتحہ
والاعراس وغیر ذلک۔

نقشبندی اور دوسرے مشائخ
سے بھی اجازت حاصل کی پھر
مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد لکھنؤ
میں سکونت اختیار کی ان کو
بڑی مقبولیت حاصل ہوئی،
زیادہ تر وکلاء، جج اور اعلیٰ
عہدہ دار نیز رؤسا اور
امراء نے ان سے استفادہ
کیا جن کے حالات اور اخلاق
اچھے ہو گئے اور ان کے اوقات
ذکر و فکر اوراد و ظائف سے
سے معمور ہو گئے۔

مولانا کے نزدیک مختلف مقامات
کے مشائخ کے میلے ٹھیلے رسوم
ورواج مثلاً عرس و فاتحہ وغیرہ
کی پابندی میں توسع تھا۔

کانت وفاته فی الیوم السادس عشر من جمادی الاولی سنة خمس وخمسین وثلاث مائة والف وصلی علیه جمع کبیر ودفن فوق التل امام المسجد	آپ کی وفات سولہ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۵ھ میں ہوئی جنازہ کی نماز بڑے مجمع نے پڑھی ٹیلہ پر مسجد کے سامنے مدفون ہوئے۔

(نزہتہ الخواطر ج ۸ ص ۱۲۵)

فاضل تذکرہ نگار کی یہ نگارش "وکان عندہ توسعًا فیما تعتقد به مشائخ البلاد من العوائد والرسوم کالتفاتحة والاعراس وغیر ذلک" سمجھ میں نہ آسکی۔

عمر کے چھٹے یا ساتویں ہی سال سے راقم سطور کی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا دن کے مختلف حصوں میں آنا جانا مجلس میں بیٹھنا، گھنٹہ دو گھنٹہ گزارنا پھر ندوہ کی طالب علمی کے زمانہ میں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مولانا کی خدمت میں حاضری دیتے رہنا ایک معمول سا تھا لیکن مذکورہ "توسع" کا میں نے دور دور تک نشان نہ پایا۔

باین خیال کہ میری عمر ہی کیا؟ اور یہ کہ مولانا کی زندگی کا کتنا حصہ میں نے پایا ہی اپنے بعض بزرگوں سے بھی اس بارہ میں دریافت کیا سب ہی نے لاعلمی ظاہر کی۔

تاریخہائے انتقال

ابرار فتحپوری مرحوم نے مولانا کے انتقال کی تاریخ کہی:

وحید زمان افتخار وطن — روان شد چو باد بہار از چمن
برائے سن وصل ابرار گفت — مکین جنان شاہ وارث حسن

۱۳۵۵ھ

اس سانحہ سے متاثر ہو کر راقم الحروف نے ایک نظم لکھی تھی جو ضائع ہوگئی تاریخی مصرعہ یاد رہ گیا جو پیش ہے

آہ۔ گل ہو گیا چراغ ہند

۱۳۵۵ھ

مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹا

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

تعلیم نصرت حسین نام مولانا حکیم سید زین العابدین کے صاحب زادے ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی پھر دہلی، لاہور، کانپور میں پڑھتے رہے سند فراغ دیوبند جاکر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۲۵ھ میں حاصل کی، لکھنؤ میں طب کی تعلیم پائی۔ کوڑہ میں مطب شروع کیا، کھاتے پیتے زمیندار گھرانے کے فرد تھے، ملکی سیاست اور حالات کے نشیب و فراز سے آشنا کوڑہ کے عزیزوں میں ان کا مولوی سید اخلاق احمدؒ سے گہرا تعلق تھا، فارغ اوقات اکثر انہی کے پاس گذارتے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دستار بندی کے جلسہ کے موقع پر ہی بیعت ہو گئے تھے۔ زیادہ تر اپنے شیخ ہی کا تذکرہ کرتے۔

حضرت شیخ الہند رح کی نگرانی میں استخلاص وطن کی جو سعی و کوشش دہلی

دیوبند اور سرحد پار کے علاقوں میں چل رہی تھی اس سے واقف و آگاہ تھے، اپنے اندر کچھ کر گزرنے اور مر مٹنے کا جذبہ رکھتے تھے۔

انگریزی

دیوبند سے فراغت کے بعد کوڑہ ہی میں کچھ انگریزی زبان سے بھی واقفیت حاصل کرلی تھی ان کی یہ واقفیت موقعہ موقعہ سے اسیران مالٹا کے کام بھی آتی رہی۔

تحریک استخلاص وطن

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریک اجنبی اور کافر حکومت سے استخلاص وطن کی تحریک تھی، ربانی علماء کا یہ جذبہ کوئی نیا جذبہ نہ تھا، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں سعی کر چکے تھے پھر ۱۸۵۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہ رح مولانا محمد قاسم نانوتوی رح مولانا رشید احمد گنگوہی رح حضرت حافظ محمد ضامن شہید رح شاملی کے میدان میں داد شجاعت و مردانگی دے چکے تھے۔ اسی کی بازگشت تھی جس سے دارالعلوم دیوبند کے درو دیوار اور ہندوستان کے دوسرے مقامات گونج رہے تھے۔

حضرت شیخ الہند رح چاہتے تھے کہ ایک اسلامی وفاق افغانستان ایران، ترکی پر مشتمل حجاز تک بن جائے اس غرض کے لئے انھوں نے مولانا منصور انصاری غازی، مولانا عبید اللہ سندھی، اور اپنے دیگر تلامذہ کو تیار کیا تھا، مولانا کے اس منصوبہ میں مولانا ابوالکلام آزاد ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسرت موہانی وغیرہ بھی شریک تھے مولانا حکیم نصرت حسین رح کو اپنے استاذ و مرشد کی اس مہم کی اطلاع تھی، اور یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت شیخ وقت آنے پر اس وفاق کو زیادہ سے زیادہ یقینی بنانے کے لئے حجاز مقدس کا سفر بھی فرمائینگے۔ کوڑہ میں

رہ کر وہ اپنے شیخ کے اسی سفر کے منتظر تھے، تاکہ اس سلسلہ میں وہ بھی کوئی مناسب خدمت انجام دے سکیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا سفر حجاز

۲۹ ر شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۰ ر ستمبر ۱۹۱۵ء کو حضرت شیخ الہندؒ کی دیوبند سے روانگی ہوئی، بمبئی میں چند دن قیام فرمانے کے بعد ۲ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۸ ر ستمبر ۱۹۱۵ء کو "اکبر" نامی جہاز سے حجاز مقدس کا سفر شروع ہوا جسکی اطلاع کوڑہ کچھ تاخیر سے پہونچی، اور کچھ انتظامات میں بھی دیر لگی۔

مولانا اپنے پھوپھی زاد بھائی مولانا سید محمد ہاشم جل اللیلؒ کے ساتھ کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ دونوں حضرات براہ عدن پورٹ سوڈان اور مکلا ہوتے ہوئے آخر ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ میں مکہ معظمہ پہونچے اپنے شیخ کے ساتھ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

حجاز مقدس

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب شریف مکہ نے انگریزوں کی شہ پر حجاز مقدس کی ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے "اسلامی وفاق" کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا تھا اور اب معاملہ حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی ذات کا آپڑا تھا، ہمہ وقت گرفتاری کا اندیشہ تھا شریف مکہ کی اس بغاوت کی وجہ سے مدینہ منورہ کے راستے بند تھے۔ جس کی وجہ سے یہ حضرات مدینہ منورہ نہیں جا سکے۔

مشاغل

حج سے فراغت کے بعد حرم شریف میں طالبان علوم کے اصرار پر مولانا حسین احمد مدنیؒ حدیث کا درس دینے لگے تھے۔

دن میں حضرت شیخ الہندؒ اپنی اقامت گاہ پر بخاری شریف کا درس دیتے تھے اور مغرب کے بعد حرم مقدس میں حضرت کی مجلس ہوتی تھی جس میں علمی بحثیں اور دینی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔

شریف مکہ کے خلاف فتاویٰ

ادھر ہندوستان میں شریف کی بغاوت کی اطلاعات پہونچ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ بدنام ہو رہا تھا اسکے خلاف فتاویٰ شائع ہو رہے تھے۔

ترک حکومت کیخلاف استفتاء

ان ہی دنوں اورنگ آباد دکن کے رہنے والے خان بہادر مبارک علی خاں زمانۂ حج میں مکہ مکرمہ پہونچے شریف کی خدمت میں باریاب ہوئے اور یہ تجویز رکھی کہ ایک استفتاء مرتب کیا جائے جس میں ترکوں کے عیوب ظاہر کئے جائیں اور ان کے مستحق خلافت و حکومت ہونے کی تردید کے ساتھ ساتھ ان کی تکفیر بھی ہو۔ موجودہ انقلاب کی ضرورت اور اسکے فوائد بتائے جائیں۔ عرب قومی حکومت کا استحقاق ثابت کیا جائے۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں شریف نے اپنے علماء کو یہ مہم سر کرنے کے لئے لگا دیا، استفتاء مرتب ہوا حرم مقدس اور مکہ معظمہ کے دوسرے علماء پر دباؤ ڈال کر ان سے دستخط کرائے گئے۔ آخر میں یہ استفتاء دستخط کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پیش ہوا، چونکہ اس استفتاء کا عنوان تھا:۔ من علماء المملکۃ المحکومۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی۔ حضرت مدنیؒ نے یہ سرخی دیکھکر شعیب العلماء کو جو شیخ الاسلام

مفتی عبداللہ سراج کے فرستادہ تھے اچھی طرح سمجھایا کہ اس استفتار کا تعلق ہندی علمار سے نہیں صرف ان علمار سے ہے جو حرم مکی میں مدرس اور یہیں کے باشندے ہیں، مولانا کے اس انکار کی شہر میں شہرت ہوگئی۔ جس کو شریف مکہ نے اپنی توہین و تذلیل سمجھا اسکو غصہ تو بہت آیا لیکن چونکہ یہ حضرات برٹش حکومت کے باشندے تھے اس لیئے اپنی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کر سکا خان بہادر مبارک علی خان کا سارا پلان ختم ہو گیا۔

حکومت موقتہ ریشمی رومال

دوسرا ایک منظر بھی ملاخطہ ہو، مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا منصور انصاری کے لکھے ہوئے ریشمی رومال پر خطوط جسمیں حضرت شیخ الہندؒ کو یہ اطلاع دی تھی کہ "کابل میں حکومت موقتہ قائم کرنے میں ہملوگ کامیاب ہو گئے، اس حکومت موقتہ نے افغانستان سے معاہدہ کر لیا ہے دوسرے مسلم حکمرانوں کے پاس سفارت بھیجی جا رہی ہے اس سلسلہ میں درخواست ہے کہ ترکی حکومت سے ربط و ضبط پیدا کرنے میں حکومت موقتہ کی مدد کی جائے"

یہ خطوط ایک مہاجر طالب علم عبدالحق کے حوالے کئے گئے تھے کہ حیدرآباد سندھ میں شیخ عبدالرحیم کے حوالہ کئے جائیں وہ ان کو حضرت شیخ الہندؒ کے پاس پہونچانے کا نظم کرینگے۔ معلوم نہیں کن حالات سے مجبور ہو کر اس شخص نے خان بہادر رب نواز خاں کو جن کا یہ ملازم رہ چکا تھا دیدیئے اور جس نے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈوائر کے حوالے کر دیئے، اس طرح حکومت کو حضرت شیخ الہندؒ مولانا عبیداللہ اور

دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہوگئے اور افراد سے بھی شناسائی ہوئی بڑے پیمانے پر تفتیش اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں[190]

گرفتاری کا حکم

ایک روز شریف مکہ کرنل ولسن سے جو حکومت برطانیہ کے جنگی معاملات کا منتظم تھا ملنے کے لئے جدہ گیا، دوران گفتگو کرنل ولسن سے شریف مکہ کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے دیگر رفقاء حکومت برطانیہ کو مطلوب ہیں، اس نے جدہ ہی سے شیخ الاسلامؒ اور اپنے ماتحت لوگوں کو مکہ مکرمہ حکم دیا کہ

"ہندی عالم اور ان کے رفقاء کو جدہ بھیجکر ان کو برطانیہ کی حفاظت میں دے دو ۔۔" [191]

حضرت مولانا مدنیؒ نے اپنے تعلقات و وسائل سے بھرپور کوشش کی کہ شیخ کی گرفتاری نہ ہو لیکن ناکام رہے، جھنجلاکر انھوں نے یہ سوچا کہ حضرت شیخ کو مخفی کر دیا جائے، پھر ہمارا جو حشر ہو دیکھا جائیگا۔ ان کے تعلقات بہت وسیع تھے، رات میں حضرت مدنی نے اپنی تجویز پر عمل تو کر لیا لیکن شیخ کی تلاش میں پولیس کے آدمی پہونچ گئے، یہ معلوم ہو کر کہ وہ موجود نہیں ہیں حضرت مدنی کو لے گئے اور جیل میں ڈالدیا پھر پولیس نے دوش کی ان حضرات کی قیام گاہ کی تلاشی لی اب صرف مولانا عزیر گلؒ اور مولانا نصرت حسینؒ رہ گئے تھے پولیس

---

[190] تحریک شیخ الہندؒ ص ۰

[191] سفرنامہ اسیر مالٹا ص ۲۷

افسر نے شریف کے حکم سے ان کو ہدایت کی کہ عشا تک حضرت کو برآمد کرو ورنہ گولی سے اڑا دیئے جاؤ گے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کو اپنے مخفی مقام پر مولانا حسین احمدؒ کی گرفتاری اور حکومت کی جانب سے ان دونوں حضرات کو گولی مار دینے کی تہدید کی اطلاع ہو گئی۔ مولانا نے اسکو پسند نہ کیا کہ ان کی وجہ سے ان کے رفقا پر کوئی آنچ آئے اس لئے وہ شب میں عشاء کے وقت بحالت احرام اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ یہاں پولیس کا عملہ موجود تھا حضرت شیخ الہندؒ اسیر ہو گئے ساتھ میں دونوں رفقا بھی رات ہی میں ان حضرات کو جدہ کے لئے روانہ کر دیا گیا۔[192]

مولانا مدنی کی رفاقت

مولانا مدنی کو حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کی اطلاع صبح کو جیل میں ہوئی تو انھوں نے حکومت کو درخواست روانہ کی کہ مجھے حضرت شیخ کی رفاقت کی اجازت دی جائے۔

شریف مکہ مولانا مدنی سے گھبراتا تھا، اس نے مولانا کی یہ درخواست قبول کر لی، اس نقطۂ نظر سے کہ نہ یہ یہاں رہیں گے اور نہ کوئی ہنگامہ اٹھے گا۔ اس طرح مولانا مدنی بھی جدہ پہونچ گئے۔

قاہرہ روانگی

تیئیس یوم جدہ میں قیام کے بعد یہ قافلہ بحری جہاز کے ذریعہ قاہرہ پہونچا جہاں ان حضرات کے بیانات لئے گئے، ساتویں دن مولانا حضرت حسین کے اظہار ہوئے

---

[192] اسیران مالٹا ص ۲۰۱

انہوں نے جم کر بیان دیا، ترکوں کی ستائش کی شریف کی حکومت کے نقائص بیان کئے، سب ہی حضرات کا بے قصور ہونا ثابت کیا اظہار لینے والے آفیسر نے جب ان سے کہا کہ آپ پر کوئی الزام نہیں ہے آپ اگر ہندوستان جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں اس کا جواب انہوں نے دیا کہ بے قصور میں بھی بے قصور یہ لوگ بھی چھوڑنا ہے تو سبکو چھوڑیئے میں تنہا جانے کے لئے تیار نہیں"

مصر سے مالٹا ۱۶ر جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۳ر ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو یہ حضرات مصر پہونچے تھے وہاں سے اسیروں کا یہ قافلہ بحری جہاز کے ذریعہ ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۵ر فروری ۱۹۱۷ء کو روانہ ہوا، ۲۹ر ربیع الثانی مطابق ۲۱ر فروری کو جہاز مالٹا میں لنگر انداز ہوا یہ حضرات قلعہ میں پہونچا دیئے گئے۔

مولانا حسین احمد مدنی رح حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدینہ منورہ میں عرصۂ دراز سے حدیث کا درس دے رہے تھے ان کے تلامذہ کی تعداد خاصی تھی ان کے تعلقات اور وسائل بھی خاصے تھے، یہ سہولت اس قافلہ کے دوسرے بزرگوں کو حاصل نہیں تھی، غالب پاشا گورنر حجاز سے اپنی منشاء کی تحریر حاصل کر لینا انور پاشا اور جمال پاشا سے حضرت شیخ کی ملاقات کرانا اور ان سے خطوط حاصل کرنا یہ انھیں کا کام تھا۔

مولانا حکیم نصرت حسین رح دوسری طرف انگریز حکام سے ملنا جلنا ان سے بات کرنا رفقاء کے لئے سہولتیں حاصل کرنا ان کے دماغوں کو ہولڈ کرنا اور جم کر سب کی رہائی کی فرائش

کرنا یہ مولانا حضرت حسین ہی کے بس کی بات تھی، یہ کام دوسرے بزرگ نہیں کر سکتے تھے۔ اپنی یہ خدمت انھوں نے بے داغ طریقہ سے انجام دی، اور ذرا بھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

مالٹا کی اسیری کے زمانہ میں بھی ایک موقع اس قسم کا آگیا تھا "اسیران مالٹا" کے مؤلف مولانا محمد میاں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ان حضرات کی گرفتاریوں کا علم ہوا تو
ہندوستان میں ان کی رہائی کے لئے کوشش
کی گئی جن حضرات کا حکومت سے تعلق تھا
انھوں نے اپنے تعلق سے کام لیا۔"

حضرات علماء کا ایک وفد صوبہ یوپی کے گورنر مسٹر مسٹن سے ملا اور رہائی کی سفارش کی مسٹن گورنر کا چیف سکریٹری اپنے وطن لندن جارہا تھا اس نے اسی کو مامور کیا کہ وہ مالٹا میں ٹھہرے اور ان حضرات سے گفتگو کرے، اور ان کے خیالات و رجحانات کا جائزہ لے چنانچہ مسٹر برن مالٹا پہونچا اس نے ان حضرات سے گفتگو کی۔ حضرت مدنی اس ملاقات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وہ سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اس نے
حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا اور ادھر ادھر کی
باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تم پر کوئی الزام نہیں
پاتا اور تم کو چھوڑ سکتا ہوں ہندوستان اب
ابھی جا سکتے ہیں اسی کے قریب ان سے بہا الدین
انسپکٹر سی آئی ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا

مگر انھوں نے اس وقت بھی اکیلے چھوٹ
جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی یہ کہا کہ
آپ کو ہم سبھی کو چھوڑنا چاہیے، اس نے
جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر
تمہارا امر میرے اختیار میں ہے" انھوں
نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان
چلا گیا تو تمام ہندوستان والے مجھ کو کہا
جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو
چھوڑ کر اکیلے چلے آئے ___ میں اکیلا ہرگز
نہیں جانا چاہتا۔ [۱۹۳]

مولانا نصرت حسینؒ کا موقف

اصلاً تو مولانا نصرت حسین صاحب کی نظر اس دنیا کی آسائش و آرام پر نہیں تھی، آخرت کی زندگی انکی نگاہ میں زیادہ اہمیت رکھتی تھی تصوف وسلوک کے سارے منازل حضرت شیخ الہندؒ کے رفاقت وخدمت میں رہ کر طے کرلینا چاہتے تھے، ہندوستان واپس چلے جانے سے یہ نعمت میسر نہ آتی جو ان کو مالٹا کے دوران قیام بہت جلد میسر آگئی۔

(۲) مولانا حکیم نصرت حسین رح بحالتِ اسیری اپنے بزرگ رفقا کی زبان تھے اور ان کی زبان بنے بھی رہنا چاہتے تھے۔

---

[۱۹۳] اسیران مالٹا ص ۲۱۱

(۳) یہ صحیح ہے کہ مولانا نصرت حسین نے جب مقصد کے لئے ہندوستان سے حجاز کے طویل سفر کی مشقت گوارا کی تھی وہ ان کے حجاز پہونچنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ اہل قافلہ پر حکومت کی سازش اسکی سختیوں کی وجہ سے نازک گھڑیاں آگئی تھیں ایسے میں ان کا جان بچاکر نکل جانا ان کی شرافت و مروت، شیخ کے ساتھ تعلق و محبت کے منافی تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو سمجھایا اور ان سے فرمایا تھا کہ تم ہندوستان جاکر ہماری رہائی کے لئے کوشش کر سکتے ہو، لیکن وہ جانتے تھے کہ ہندوستان کے اکابر علماء، زعماء اور عوام سب ہی اس جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں میرے رہا ہو جانے سے اس جد و جہد، سعی کوشش میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہو سکتا۔ بالفرض کوئی اضافہ ہوا بھی تو اس کا امکان قوی ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد، فضل الحسن حسرت موہانی، مولانا خلیل احمد اور دیگر علماء، وزعماء جس طرح نظر بند ہیں اسیطرح مجھے بھی نظر بند کر دیا جائے گا۔ ممکن ہے مولانا سید محمد ہاشمؒ کا تجربہ بھی ان کے پیش نظر ہو کہ وہ کس طرح یہاں سے گئے اور کیونکر وہ جیل میں ڈالے گئے ان پر مقدمہ چلایا گیا تو جو خدمت حضرت شیخ و دیگر رفقاء کی مجھ سے ہو رہی ہے وہ موقوف ہو جائے گی اور میں نہ ادھر کا رہوں گا نہ ادھر کا۔ یہی وجوہ ہوں گے کہ وہ حضرت شیخ کا سمجھانا بجھانا بھی قبول نہ کر سکے۔

سلوک و مدارج

اللہ والوں کے درجات قید و بند کی حالت میں زیادہ ہی بلند ہوتے ہیں۔ مولانا نصرت حسین رح

کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہوا، اسارت اور پھر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ
کی موجودگی نے ان میں چار چاند لگا دیئے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
لکھتے ہیں،

"۔۔ جملہ امور تعلیم کردہ مولانا مرحوم پر عمل کرنا
شروع کر دیا عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات
جاری رہتا تھا، اور کچھ معینہ اوقات میں
مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے ۔۔۔[۱۹۴]"

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"۔۔ بعد مولانا مرحوم کے ہماری جماعت میں
کوئی بھی باوقات شب خیز، تہجد گذاران
سے زیادہ نہ تھا۔"

آگے بڑھئے:

"۔۔ بلکہ تمام کیمپ اسرار مالٹا میں بھی کوئی
ایسا نہ تھا، مولانا کی نظر عنایت بھی ان پر
بہت تھی ۔۔۔۔۔ یہ اپنے اوقات قرآن
شریف، دلائل الخیرات، ذکر، مراقبہ وغیرہ
میں صرف کرتے تھے ۔۔" [۱۹۵]

ان شہادتوں کے بعد مولانا نصرت حسین صاحب کے ترقی
مدارج کے سلسلہ میں اور کچھ لکھنے کی بظاہر ضرورت نہیں معلوم ہوتی

---

۱۹۴ اسیران مالٹا ۲۱۲ ۱۹۵ ایضاً

تاہم آپ کچھ اور بھی سن لیں۔

علالت ۱۵ رجب ۱۳۳۶ھ سے رتے، ولازہ کے عارضہ میں مبتلا ہوئے، علاج شروع ہوا، شعبان گزرا، رمضان المبارک میں روزے رکھے آخر رمضان میں ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا، اس کی دواؤں سے جب فائدہ نہ ہوا تو مجبوراً ڈاکٹر کی ہدایت پر اسپتال میں داخل کیا گیا، رفقاء ہر تیسرے دن عیادت کے لئے جاتے اور دیکھتے کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت ان کے علاج میں مصروف رہے اور بہت توجہ سے کام کر رہے ہیں، ان کی چارپائی قبلہ رخ کردی گئی ہے کہ اشاروں سے نماز پڑھ لیا کریں اٹھنے اور چلنے کی اجازت نہیں تھی۔

یہ تو سن لیا آپ نے اب آگے پڑھیئے حضرت مدنی کیا لکھتے ہیں:

> "مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ رات کو چارپائی
> سے اتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے۔"[۱۹۶]

حضرت شیخ الہندؒ کے رفقاء نے درخواست دی کہ ہم میں سے کسی ایک کو مولانا کے پاس رہنے کی اجازت دی جائے حکیم صاحب نے بھی اسی مضمون کی درخواست گزاری لال فیتہ شاہی نے آخر شوال سے لیکر ۷ ذی قعدہ تک اجازت نہیں دی، دی بھی تو ناقص

وفات ۹ ذی قعدہ کو صبح صبح جب یہ حضرات اسپتال پہونچے تو معلوم ہوا کہ شب کو صبح کے قریب انتقال ہو گیا۔

---

۱۹۶ اسیران مالٹا ص ۲۱۴

کمانڈار اسرا، نے حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا کو بلا کر کہا کہ چونکہ نمونیہ کا مرض امراض متعدیہ میں سے ہے اسلئے نعش آپ کو قبرستان میں ملے گی دور ہی سے نماز پڑھ لینا تابوت کے پاس بھی نہ جانا، ان حضرات نے جواب دیا کہ غسل دینا اور کفن پہنانا ضروری ہے یہ ہماری شریعت کا حکم ہے۔ آدھ گھنٹہ تک ردو قدح ہوتی رہی، جب اس پر راضی نہ ہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں گے کفن تو پہنا دیں، جب اس پر وہ راضی نہ ہوا تو حضرت شیخ ناراض ہو کر لوٹ جانے کے لئے آمادہ ہو گئے تب اس نے کفن پہنانے کی اجازت دے دی۔ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ اس بہانہ سے ہم ان کو تیمم کرا دیں گے اور کفن بھی دینگے۔ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکٹروں نے دوا کے پانی سے خوب نہلا دیا تھا، مولانا نے فرمایا گروہ کافی تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ طریق مسنون پر ان کو نہلائیں۔

پھر جنازہ کی مشایعت کے لئے پچاس ساٹھ آدمیوں کے جانے کی اجازت طلب کی کمانڈار نے اجازت دے دی۔

مولانا مدنی لکھتے ہیں:

"ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں
وہاں نہیں ہو سکا تھا۔"[1]

حضرت شیخ الہند رح نے جنازہ کی نماز پڑھائی دروازہ کے قریب ہی ان کی قبر تیار تھی اسی میں دفن کر دیئے گئے۔ حضرت

---

[1] اسیران مالٹا ص ۲۱۵

شیخ الہندؒ کے ایماء پر کرنل اشرف بیگ نے مولانا کی قبر کے سرہانہ ایک پتھر کندہ کرا کر لگوا دیا، جس کی عبارت درج ذیل ہے:

هوالباقی

هذا قبر الحكيم السيد نصرت حسين من اهل كوڑا جهان آباد الهند اسر بمكة المكرمه مع حضرة العلامة مولانا شيخ الهند محمود حسن صدر المدرسين بكلية ديوبند في الحرب العمومي وتوفي اسيرًا في تاسع ذي قعدة ١٣٣٧ سنه من هجرة النبي سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم رحمه الله رحمة واسعة ولله الفاتحة۔[1]

حضرت شیخ الہندؒ کو حکیم صاحب کے سانحۂ ارتحال سے بڑا صدمہ پہونچا، اسی رنج و غم کی حالت میں علیحدہ علیحدہ قافیہ اور ردیف میں اشعار کہے، میں انتخاب پیش کر رہا ہوں:

فغان کہ مولوی نصرت حسین حامی دیں ۔۔۔ کہ بود جامع فضل و کمال و لطف و کرم

بہ اسر مالٹہ درعین عنفوان شباب ۔۔۔ قدم ز قید فرنگ و حیات زد بعدم

---

[1] اسیران مالٹا ص ۲۱۵

بہ شوق خلد گر آنجناں شدی مضطر — کہ ہر دو قید بہ یکبار گذری برہم
جدا شدیم چو از یار و از دیار کنون — کجا روم چہ کنم حال دل کرا گویم
بچشم اشک فشاں و بخاطر غمگین — بحال حزن و تاسف چو سر فرو کردم

سروش گفت چہ نالی گر نمی بینی
رہائی یافتہ از ہر دو قید در یکدم

(۲)

نو بادہ گلشن سیادت — از پا بسر افتادہ صد حیف
آن نصرت حسین راحت دل — رو سوئے عدم نہادہ صد حیف
سرمایہ لطف و شادمانی — صد داغ بہ دل نہادہ صد حیف
خاک رفقائے بیکس دکو — صد حیف بباد دادہ صد حیف
از قید فرنگ آمدہ تنگ — پا سوئے عدم نہادہ صد حیف
زیں بزم گریز ناگزیر است — در دہر کسیکہ زادہ صد حیف

زیں زمزمہ بہ صداست گوشم
شمشاد ز پا فتادہ صد حیف [۱۹۹]

خطوط حکیم صاحب علیہ الرحمۃ کے تعلقات عم گرامی سید اخلاق احمد رح سے بہت گہرے اور بے تکلفانہ تھے۔ حکیم صاحب

---

۱۹۹ حیات شیخ الہند رح ص ۱۴۶

اپنے فارغ اوقات کا بڑا حصہ چچا مرحوم ہی کے پاس گذارتے تھے۔ دینی اور سیاسی گفتگو گھنٹوں چلتی رہتی تھی۔ حضرت شیخ الہند رح کی تحریک کے سلسلہ میں منصوبے بنتے رہتے تھے۔ چچا مرحوم ہی سے مجھے حکیم صاحب علیہ الرحمۃ کے چند خطوط ملے، معلوم ہوا کہ متعدد خطوط ضائع ہو گئے، ہیں ان خطوط کی بھی نوعیت یہ ہے کہ اکثر کی روشنائی اڑ گئی صحیح طریقہ سے پڑھے بھی نہیں جاتے ہر خط پر تاریخ درج نہیں زیادہ تر ان خطوط میں حکیم صاحب نے اپنی جائیداد کے نظم و نظام کے سلسلہ میں لکھا ہے ایک خط ان کا انگریزی میں ہے، ایک خط میں چچا اخلاق احمد علیہ الرحمہ سے یہ فرمائش کی ہے کہ جس طرح میں نے آپ کو انگریزی میں خط لکھا ویسے ہی آپ مجھے انگریزی میں خط لکھیں، انگریزی میں لکھے ہوئے خطوط جلد پہونچتے ہیں اور اردو میں لکھے ہوئے خطوط دیر میں پہونچتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان مکاتیب کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں:

مکتوب ۱: جس پر تاریخ نہیں لیکن مصر سے مالٹا پہونچکر لکھا اس طرح گویا یہ مالٹا سے لکھا ہوا پہلا مکتوب ہے تحریر فرماتے ہیں:

جناب بھائی اطہر حسین، اخلاق احمد و عبدالہادی

و وجاہت صاحبان دام مجدہ،

بعد سلام مسنون التماس ہے کہ میں خیریت دعا نیت

سے ہوں، مصر ہوتا ہوا مالٹا پہونچا، لیکن یہ امر

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں میرے گھر کی واپسی جلد

نہیں ہو سکتی گھر میں کوئی نگرانی کرنے والا نہیں خصوصاً

بچوں کی تعلیم کا از حد خیال ہے اس واسطے میں نے
یہ مناسب سمجھا کہ میں ساری جائیداد کا انتظام
ایک کمیٹی کے سپرد کر دوں اور میں نے ایک
تحریر حسب ضابطہ گورنمنٹ مالٹا کی معرفت ہندوستان
بھیجی ہے اور ایک براہ راست لفٹنٹ گورنر کو
اور ایک کلکٹر کو جس میں یہ تحریر کیا ہے کہ میری ساری
جائیداد کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد کیا جائے
جس کے ممبر امیر حسن خاں وکیل اطہر حسین ناظلاق علیہ
وجاہت احمد عبدالہادی صاحبان ہوں اور مکان
کے خرچ کے لئے ۳۰ روپے ماہوار اور سال بھر
کا غلہ' یا بچاس روپے ماہوار دیا جائے بچوں
کی تعلیم کے لئے ایک حافظ اور ایک اردو کا مدرس
مقرر کیا جائے باقی روپیہ قرض میں دیا جائے
اور جمع رکھا جائے۔" وغیرہ وغیرہ

مکتوب ۲ مؤرخہ ۲۷ دسمبر سنہ درج نہیں۔

"جنگ عظیم ختم ہو چکی ہے اور اب ہم لوگوں کی
رہائی کا زمانہ قریب ہے لیکن قبل صلح عمومی کے
میری رہائی میں میرا وطن واپس ہونا ممکن نہیں
ہے ہم لوگوں کی حالت یہاں نہایت اطمینان کی
ہے گورنمنٹ ہم لوگوں کو ۲۷ روپیہ ماہوار
دیتی ہے یہ روپیہ ہماری خوراک کے لئے ایسا

کافی ہے، یہاں چیزیں نہایت گراں ہیں ہم لوگ
اپنے علم کے مشاغل میں مشغول ہیں، حضرت نے
قرآن پاک کا ترجمہ ختم کر دیا ہے اب ہم اسس
ترجمہ کو حضرت کی زبانی سنتے ہیں انشاءاللہ ترجمہ
قرآن کی تعلیم کا سلسلہ اپنے یہاں آکر قائم
کریں گے۔"

مکتوب ۳: جائیداد کے انتظامی امور سے متعلق تاریخ درج نہیں۔
مکتوب ۴: ۹ر جنوری سنہ ۱۹۱۸ء ابتدائی کچھ کمیٹی سے متعلق اسکے بعد
تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا صاحب و مولانا حسین احمد صاحب
مولوی عزیز گل صاحب مولوی وحید احمد صاحب
آپ تمام لوگوں کو سلام کہتے ہیں، آپ میرا
سلام میرے تمام بزرگوں اور دوستوں کو
پہونچا دیجئے، میں نہایت خوش اور اطمینان سے
ہوں۔"

مکتوب ۵: بلا انگریزی تاریخ مذار د جائیداد کے انتظام سے متعلق ہے۔

سانحۂ ارتحال کا ردعمل

مولانا حکیم نصرت حسین شہید مالٹا کے سانحہ ارتحال کی اطلاع جب کوڑہ پہونچی تو کوڑہ جہان آباد کے مسلمان رنج و غم میں مبتلا ہو گئے، گھرانہ پر جو اثر ہونا چاہیے وہ ہوا حسب تحریر مصنف آئینہ سالاری:

"عزیزان خاص نے بالکل رائے قائم کی کہ سب

مدینہ شریف چل کر رہو چنانچہ موضع نونارہ فروخت
کرکے گھر کا گھر بمعہ عورت مرد بچہ سب کے سب
مدینہ رخصت ہوگئے، اور اس خیال سے گئے
کہ اب واپس نہ آئیں گے باقی جائیداد بھی فروخت
کر دینگے لیکن ان کا آب و دانہ وہاں کا نہ تھا، اکثر
عزیزوں کی کوشش بالخصوص مولانا محمد ہاشم
صاحب کی کوشش سے یہ قبیلہ پھر ہندوستان
واپس آگیا۔ [۲]

ازواج و اعقاب سید شاہ ابوالقاسم جعفری عریضی کانپوری کی صاحب زادی جویریہ خاتون سے عقد ہوا، جن سے دو صاحب زادے پیدا ہوئے سید صدیق حسن سید شبیر حسن، موخر الذکر لاولد فوت ہوئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

منشی سید عنایت احمد عنایت احمد بن صفت احمد بن عادل علی بن غلام ضامن بن مولوی عبد الغفور دانشمند بن محمد عادل بن محمد شاکر بن مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب دانشمند بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین (مخدوم بہا نیان ثانی) بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ

ولادت و تعلیم ۱۸۰۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ میں حاصل کی عربی و فارسی تعلیم کے لئے مولوی عاشق علی

---

[۲] آئینہ سالاری ص ۱۹

رحمہ اللہ سے رجوع ہوئے، پھر عصری تعلیم گاہ میں داخلہ لیا۔ امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے، مرحوم بڑے کامیاب خطاط اور خوش رقم تھے۔ دینی کتابوں اور رسائل کے مطالعہ کا ذوق تھا۔

یہ وہ دور تھا کہ جب کوڑہ میں تحصیل قائم تھی اور مولانا عبدالرحیم فاروقی رح (والد گرامی مولانا عبدالشکور فاروقی رح) وہاں کے تحصیلدار تھے مولانا عبدالشکور فاروقی رح اور مولانا سید وارث حسن رح سید منظہر حسین عرف لمحن میاں سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مولانا عبدالشکور فاروقی رح سے منشی سید عنایت احمد کے تعلقات ان کے کوڑہ کے دوران قیام ہی میں قائم ہوئے، لکھنؤ جب کبھی آتے تو مولانا عبدالشکور فاروقی رح سے ملنے ضرور جاتے تھے۔

سرکاری ملازمت

مولانا عبدالرحیم فاروقی رح نے سید عنایت احمد رح کو امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے کی بنا پر تحصیل میں اہلمد کی حیثیت سے مقرر کرا دیا۔ اس عہدہ سے ترقی کرتے ہوئے ضلع کلکٹر کے چیف ریڈر ہو گئے اور اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔

حضرات علماء سے تعلق

بچپن ہی سے اہل علم اور حضرات علماء کی صحبت میں رہے اس لئے اصحاب علم و فضل سے گہری عقیدت اور تعلق رکھتے تھے، ان کے خلاف کسی قسم کا نقد و تبصرہ برداشت نہیں کرتے تھے۔

خلافت اور تبلیغ و تنظیم کی تحریکوں کے زمانہ میں اس قسم کے مواقع کم پیش آتے تھے لیکن کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافی دور میں مسلمانوں

کے دو گروپ ہو گئے تھے۔ ایک گروپ کانگریس کا حامی تھا دوسرا گروپ مسلم لیگ کا۔ اسی زمانہ میں حضرات علمار کرام پر نقد و تبصرہ زیادہ چلتا تھا جو مرحوم کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ ایسے افراد کے ساتھ وہ سختی سے پیش آتے تھے۔

وضعداری وسادگی حلیم، بردبار، سادہ وضع، چہرہ پر نور برستا تھا، گھر کے لئے ملازم کی موجودگی کے باوجود بازار سے سامان خود لینے جاتے کبھی ضرورت پیش آجاتی تو صاحب زادگان میں سے کسی کو ساتھ لے لیتے۔

مولوی سید لیاقت حسین سے گہرے تعلقات تھے دن کے کسی نہ کسی حصہ میں ان کے پاس ضرور پہونچتے۔ اسی طرح مولوی سید لیاقت حسینؒ ان کی مجلسوں میں پہونچتے رہتے تھے، یہاں اور وہاں دونوں جگہ مختلف موضوعات پر باہم گفتگو چلتی رہتی، ایسی وضعداری اور ایسا تعلق بہت کم دیکھنے میں آیا۔ مولوی سید لیاقت حسینؒ اپنی آخری علالت کے دوران زیادہ تر سید عنایت احمد ہی کو یاد کرتے تھے۔

رائے کی پختگی سید عنایت احمد جب کسی معاملہ میں کوئی رائے قائم کر لیتے تو کوئی عزیز قریب بھی ان کی رائے سے ان کو منحرف نہیں کر سکتا تھا

۱۹۴۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کا الکشن ہوا تو ان کے قریبی عزیز حسن احمد شاہ ایڈوکیٹ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے لئے کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے لیکن سید عنایت احمد مرحوم کا ووٹ ان کے خلاف گیا۔

اعقاب

ان کی شادی سیدہ الطاف حسین مرحوم سابق مدارالمہام ریاست بھوپال کی پوتی سید یوسف حسن مرحوم عرف بھلو میاں کی بڑی دختر سیدہ فاطمہ عرف بشریٰ بی بی سے ہوئی تھی جو حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی دست گرفتہ تھیں جن سے بچے ہوئے دس لڑکے اور چار لڑکیاں لیکن چار لڑکوں کے سوا باقی اولاد کم سنی ہی میں اللہ کو پیاری ہوئی، ان چار لڑکوں میں سید صدیق احمد، سید سعید احمد، مولوی سید اقبال احمد ندوی، سید جمال احمد بقید حیات رہے۔ سید سعید احمد کا ــــــ ۴۱ سال کی عمر میں انتقال ہوا سید صدیق احمد پاکستان منتقل ہو گئے ۷۱ سال کی عمر میں انتقال ہوا مولوی سید اقبال احمد صاحب ندوی اور سید جمال احمد ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔

وفات

۱۳۴۹ھ میں معمولی علالت کے بعد وفات پائی، مولوی سید عبدالقدیر فنا نے تاریخ وفات نکالی۔

داد ریغا کہ ازیں دار فنا ۔۔۔ رفت در ربست عنایت احمد
یافت از فکر و تردد مجذوب ۔۔۔ سال ترحیل بعید امجد
حرف بالف برسہ گو نم زد
بجناں رفت عنایت احمد ۱۳۴۹ھ

مولوی حکیم سید وجاہت احمد

ولادت

منشی سید عنایت احمد کے چھوٹے بھائی ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں حاصل کی پھر فرنگی محل میں پڑھتے رہے، وہاں سے فارغ ہو کر مدرسہ تکمیل الطب میں طب کی تعلیم حاصل کرتے رہے، کوڑہ آکر اپنا مطب شروع کیا،

ذہین وذکی، نباض اپنے فن میں حاذق تھے، مریض کو اگر کچھ دن روکنے کی ضرورت سمجھتے تو اس کی رہائش کا انتظام بھی کرتے تھے

سادہ مزاج، سادہ طبیعت، خوددار دین کے معاملات میں بہت حساس ذکی الطبع ایسے کہ معاملہ کی تہہ تک فوراً پہونچتے اور اپنی بھی تُلی رائے دیتے، فقہی مسائل میں لوگ زیادہ تر انہی کی طرف رجوع ہوتے،

علماء اور طلبہ کا اکرام کرتے چھوٹوں کو آگے بڑھانے کی فکر رکھتے تھے، حافظہ اتنا قوی تھا کہ راقم سطور نے ضعیفی کی حالت میں بھی بعض کتابوں کی عبارتیں زبانی سناتے دیکھا اور سنا تھا۔

ملی اور دینی تحریکات

تحریک خلافت کا دور آیا تو اس تحریک میں حصہ لیتے رہے تنظیم وتبلیغ کے دور میں بھی سرگرم رہے، انجمن تبلیغ الاسلام کوڑہ کے سکریٹری تھے۔

شورائی تنظیم

قصبہ کوڑہ کے محلہ میاں ٹولہ میں دینی اور ملی مسائل کے حل کے لئے ایک شورائی تنظیم تھی جس کے ارکان میں مولانا سید محمد ہاشم صاحب جل اللیل، مولانا سید محمد عبد الحئی

مولوی سید اخلاق احمدؒ، مولوی حاجی حبیب اللہ، شاہ عبدالہادیؒ قابل ذکر ہیں اسی شورائی تنظیم کے ایک ممتاز رکن مولوی حکیم سید وجاہت احمد بھی تھے، جس میں کوڑہ جہان آباد اور اسکے مضافاتی مقامات کے دینی وملی مسائل پیش ہوتے غور اور مشورہ کے بعد فیصلہ ہوتا اور نفاذ بھی

مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹاؒ نے اپنی جائیداد کی دیکھ ریکھ، نظم وانتظام کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس کی اطلاع انھوں نے مالٹا کے گورنر کے ذریعہ حکومت ہند کو کی تھی اس کمیٹی کے ایک رکن حکیم سید وجاہت احمد بھی تھے۔

دینی تعلیم سے دلچسپی صوبائی جمعیتہ تبلیغ الاسلام کی زیرنگرانی مدرسہ دارالارشاد میں عربی سکشن کھولا گیا اور مولانا محمد یونس علیہ الرحمہ کی خدمات حاصل کی گئیں تو عربی طلبہ کے قیام کے لئے علیحدہ ایک مکان میں انتظام کیا گیا مولانا محمد یونس رحمہ اللہ ہی جس کی نگرانی بھی کرتے تھے، حکیم صاحب مغرب کے بعد اس اقامت گاہ میں اکثر وبیشتر تشریف لے آتے۔ مولانا محمد یونس رحمہ سے علمی اور تاریخی مذاکرات ہوتے رہتے اور کبھی کبھی طلبہ کو بلا کران سے امتحاناً سوالات بھی کرتے رہتے۔

سیاسی چپقلش تبلیغ وتنظیم کے دور کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ کی آویزش شروع ہوگئی مخدوم زادوں کے دو گروپ ہوگئے، جوان عمر مخدوم زادے تو مسلم لیگ کی حمایت پر سرگرم ہوئے اور بوڑھے حضرات علماء

کی پاسداری کرتے رہے۔ اسی گروہ میں حکیم سید وجاہت احمد بھی تھے۔

۱۹۴۵ء میں جب الیکشن کا زمانہ آیا تو ملک میں سیاسی ہماہمی بڑھ گئی، کانگریس، جمعیۃ العلماء اور اسی ذیل میں حضرات علماء پر نقد و تبصرہ کا دروازہ کھل گیا لیکن حکیم وجاہت احمد اپنی جگہ پر رہے وہی سنجیدگی وہی متانت انھوں نے اپنی زبان کو کسی پر بہتان تراشی یا کسی کی عیب جوئی سے آلودہ نہیں کیا، اور نہ انھوں نے کسی کی جنبہ داری کی۔

مطب

حکیم صاحب علیہ الرحمہ بعد اشراق کے مطب میں آجاتے، جاڑا، گرمی، برسات کوئی بھی موسم ہوتا حکیم صاحب کے اس معمول میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، کبھی تو مریض پہلے سے موجود ہوتے تھے اور کبھی حکیم صاحب کے مطب پہونچنے کے بعد مریضوں کی آمد شروع ہوتی، دن کے گیارہ بارہ بجے تک بالعموم مطب ہی میں رہتے، پھر سہ پہر کو دو بجے ڈھائی بجے سے مطب شروع ہوتا، مفردات سے علاج کرتے قرابادینی مرکبات کے سوا جو تقریباً ہر نسخہ کا جز ہوتے ہیں کبھی کبھی خود بھی دوا تیار کرکے استعمال کراتے تھے، ان کا اپنا کوئی دواخانہ نہیں تھا اور نہ وہ کوئی فیس لیتے تھے، ان کے تجویز کردہ دواؤں کی نسخہ سازی بالعموم جہان آباد کے ایک عطار کے یہاں ہوتی تھی، کبھی کوئی شبہ اگر ان کو ہو جاتا تو دوا واپس بھی کرا دیتے تھے، دوسرا نسخہ بندھواتے، صرف کوڑہ اور جہان آباد ہی کے مریضوں کے مسیحا نہیں تھے مضافاتی علاقوں کے لوگ آتے

تشخیص و تجویز اور دوا کے استعمال کے بعد شفایاب ہوتے۔

سانپ کے کاٹے ہوئے ایک طالب علم پر بارش ہی کے موسم میں دورہ سا پڑتا تھا منہ سے جھاگ نکلتے تھے، بدن اینٹھتا تھا ایک بار وہ دورہ ہی کی حالت میں نیم کی تازہ پتیوں کو پیس چھان کر خاصی مقدار میں پلایا گیا وہ طالب علم ٹھیک ہو گیا اور پھر کبھی اس پر دورہ نہیں پڑا۔

سوداوی امراض کے علاج کے ساتھ یہ ہدایت بھی کرتے تھے کہ مٹھے میں گڑ ملا کر جتنا زیادہ سے زیادہ پلا سکو پلاتے رہو۔ اپنے مخصوص نسخے انھوں نے اپنے خویش حکیم مختار احمد مرحوم کے حوالے کر دیئے تھے۔

اعقاب سید یوسف حسن عرف بھلو میاں کی صاحبزادی عابدہ خاتون سے عقد ہوا جن سے چار بیٹیاں اور ایک صاحب زادے تولد ہوئے (۱) شمسیہ خاتون (۲) رضیہ خاتون (۳) صالحہ خاتون (۴) حفصہ خاتون صاحب زادے عثمان احمد، حکیم صاحب کے اعقاب میں سب سے بڑے تھے۔

ملک کی تقسیم ملک کی تقسیم مخدوم زادوں میں کسی کے لئے بابرکت ثابت ہوئی ہو تو ہوئی ہو لیکن حکیم مولوی وجاہت احمد مرحوم کے لئے سدا کا دکھ درد بن گئی ایک ہی صاحب زادے عثمان احمد جو ملکی تقسیم کے پہلے ہی مرحلہ میں پاکستانی بن گئے وہاں سے وطن آئے تو حکیم صاحب ان کو نیشنلٹی دلانے میں مقدمہ بازی کے سلسلہ میں خاصے زیر بار ہوئے مگر

ان کو اپنے بیٹے سے صبر ہی کرنا پڑا، صاحب زادے اپنے والد گرامی کی کوئی خدمت نہ کر سکے باڈری سفید پٹی باپ بیٹے کے لئے دہار دار تلوار بن گئی جس نے دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جس کی اذیت وکلفت صاحب اولاد ہی محسوس کر سکتا ہے اس سانحہ نے ان کو بہت زیادہ مضمحل کر دیا عجب نہیں کہ ان کا یہ دکھ اور غم ہی ان کی وفات کا سبب بنا ہو۔

وفات ۱۴ر جنوری ۱۹۶۰ء میں بعمر پچھتر سال وفات پائی غفراللہ لہ ورحمہ

مولوی حاجی سید حبیب اللہ حبیب اللہ بن سید عبداللہ بن حسین بن علی بن غلام اللہ بن صبغۃ اللہ بن شہاب الدین بن فیض اللہ بن شاہ محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

تعلیم ابتدائی تعلیم کوڑہ میں حاصل کی پھر فرنگی محل پہونچے، فراغت کے بعد حضرت شاہ جمال اولیاء کے مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا ضیاء الدین حسن آسیونی رح (خلیفہ حضرت شیریں رقم" بھوپالی) سے بیعت ہوئے دین اور شعائر دین کا احترام، طاعات و عبادات کا ذوق و شوق ان کے مزاج میں بدرجہ اتم تھا۔

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون

کے نمونہ دینی معاملات میں بڑے غیرت مند لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کے مصداق مخدوم زادوں کے پیش امام چھوٹے بڑے سب ہی ان کا اکرام کرتے، خوش وقتہ۔ خوش عقیدہ، جذبہ جہاد کے حامل، شب میں دو بجے بیدار ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، ذکر اور مراقبہ کا سلسلہ چلتا، جاڑوں کی سرد راتوں میں وضو تو وضو غسل بھی ٹھنڈے پانی سے کرتے تھے۔

دینی وملی سرگرمیاں

کوڑہ اس دور میں دینی وملی تحریکات کا مرکز تھا جہاں علما، وصلحاء نیز زعماء ملت کی آمد و رفت رہتی تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ حضرت مدنیؒ مولانا عزیز گلؒ مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید بالاکوٹؒ کی تعزیت کے سلسلہ میں تشریف لائے تین دن قیام فرما کر فتحپور تشریف لے گئے، مولانا مفتی نثار احمد کانپوریؒ، مولانا محمد فاخر الہ آبادیؒ بھی کوڑہ تشریف لائے اور تین دن قیام فرما کر واپس گئے، تبلیغ و تنظیم کی تحریک کے زمانہ میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، ہدایت حسین بیرسٹر کنور عبد الوہاب خاں مرحوم بھی آئے ۳۰-۱۹۲۹ء میں کوڑہ میں جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کی جانب سے تبلیغ کانفرنس ہوئی جس میں ہر بار حضرات علماء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، ان سرگرمیوں کی سربراہی مولانا سید محمد ہاشم جبل اللیلؒ اور مولانا سید محمد عابدؒ کے ذمہ تھی۔ دوسرے مخدوم زادوں کے ساتھ مولانا حاجی حبیب اللہؒ بھی سرگرم رہتے تھے

حج سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیم میں اعمال کے اخفا کی بڑی اہمیت ہے

مرحوم چار مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے، ایک حج تو ان کا ایسا تھا کہ اعزا تو اعزا گھر والوں کو بھی اطلاع نہ ہوئی کہ کہاں گئے؟ اور کس طرح گئے؟ جو کپڑے پہنے ہوئے تھے ان ہی کپڑوں میں ایک عدد بغیر سلی لنگی گلے میں ڈال کر حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ گھر والوں نے تلاش و جستجو کی مگر پتہ نہ چل سکا، سفر حج سے جب واپس ہوئے تب ہی معلوم ہوا کہ حج کے لئے گئے تھے۔

فارسی ادب کا ذوق

فارسی ادب کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے حافظہ قوی تھا ضعیفی کی حالت میں بھی ان کو قدیم فارسی شعراء خاقانی، عراقی، سعدی، حافظ کے کلام کا بڑا حصہ یاد تھا، جس کا مجھے صحیح اندازہ کانپور کے دوران قیام ہوا، کرشن سہائے ہتکاری وکیل اردو کے شاعر، ادیب تھے وحشی تخلص کرتے تھے، فارسی ادب و شعر میں بھی دخل تھا، والد صاحب علیہ الرحمہ کے پاس کسی مقدمے کو سمجھنے کے لئے گھر آئے، چچا مرحوم کو موجود دیکھکر فارسی کا ایک شعر پڑھا جس کا جواب ملا پھر جو جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ چلا ہے تو وحشی صاحب کو اعتراف کرنا پڑا اور حیرت کے ساتھ انھوں نے کہا کہ آپ کے حافظہ کا میں مقابلہ نہیں کرسکتا اس ضعیفی میں بھی اساتذہ کا کلام آپ کو یاد ہے۔

عزم و ہمت

عزم و ہمت اور حوصلہ میں وہ اپنی مثال آپ تھے ان کے ایک حج کا واقعہ تو آپ پڑھ چکے ۱۹۳۱ء کی بات ہے کہ محرم کے جلوس کے سلسلہ میں کانپور میں ہندو مسلم فساد شروع ہوا جس کی بازگشت سے جوار کے قصبات گونج اٹھے

ہندو مسلم فساد کے خطرات یہاں بھی پیدا ہو گئے، کوڑہ جہان آباد کے قریب موضع ننارا میں فساد ہوا راؤ برادر دیا سرن سنگھ نے اپنے مواضعات سے اپنے آدمی بلوا کر مشرقی اور مغربی سمت سے کوڑا جہان آباد کو محاصرہ میں لے لیا اس موقع پر مولانا عبدالحیؒ نے ایک وفد راؤ بہادر کے پاس لے جانا چاہا لیکن شدید کشمکش دلی کی وجہ سے اعزا نے خطرات کے پیش نظر ان کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا تو مولانا اکیلے تنہا جانے کے لئے تیار ہوئے ایسی حالت میں کوئی بھی عزیز رفاقت کا حوصلہ نہ کر سکا مرحوم اپنی کبرنی اور ضعف کے باوجود لاٹھی اٹھا کر ان کے ساتھ ہو لئے تفصیل مولانا عبدالحیؒ کے تذکرہ میں آئے گی۔ تاہم یہ بتا دوں کہ یہ سفارت کامیاب ہی اور مسلمانوں کے سر سے خوف و اندیشہ کے بادل چھٹ گئے۔

تبلیغی جماعتوں سے وابستگی مرحوم پر دین کی بڑی گہری چھاپ تھی تبلیغی جماعتوں میں کئی بار نکل چکے تھے، ایکبار حلیم مسلم کالج میں تبلیغی اجتماع ہوا مرحوم اس اجتماع کی ہر نشست میں شریک ہوئے، پیدل جانے والی ایک جماعت میں اپنا نام بھی لکھوا دیا گو اپنی علالت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے جا نہ سکے لیکن یہی کیا کم تھا کہ انھوں نے اپنا نام لکھوایا، اور نہ جا سکنے کی حسرت بھی رہی۔

ٹربجڈی مرحوم کے اوصاف و خصائل، دین کے ساتھ وابستگی سرگرمی، جوش و خروش حوصلہ و ہمت کے بارہ میں جو کچھ بالائی سطور میں لکھا گیا اسکو پیش نظر رکھیے، ان کی زندگی کی یہ

ٹریجڈی بھی آپ کے علم میں آئے کہ مرحوم کی شادی مخدوم زادوں کے شیعہ گھرانہ میں ہوگئی تھی جس نے ان کے لئے ایک مسئلہ پیدا کردیا افہام وتفہیم کی سعی بلیغ کے باوجود یہ مسماۃ اپنے مسلک سے تائب نہ ہوسکیں۔ مرحوم ذہنی وفکری کشمکش میں مبتلا رہے، کچھ عرصہ کے بعد ان مسماۃ کا انتقال ہوا تو قبر ان کو قبول نہ کرسکی اگل دیا، دوبارہ پھر تدفین کرنا پڑی غالباً یہی وہ ٹریجڈی تھی جس کی وجہ سے مرحوم نے پھر دوسری شادی نہیں کی۔

اعقاب ان خاتون سے ایک لڑکی زبیدہ خاتون نامی تھیں جو اپنے آبائی مسلک پر رہیں شادی ہوئی بچے ہوئے لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی جوانی ہی میں انتقال ہوا۔

مولوی سید اخلاق احمد

محمد یونس عرف اخلاق احمد بن ادریس علی بن مخدوم بخش بن حفیظ اللہ بن فرحت اللہ بن حکمت اللہ بن شہاب الدین بن فیض اللہ بن شاہ محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ

نام وعرفیت محمد یونس نام لیکن شہرت اخلاق احمد کی عرفیت کو ہوئی۔

تعلیم ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی پھر لکھنؤ جاکر فرنگی محل کے مدرسہ سے فارغ ہوئے۔

ملازمت:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ

کے ذریعہ ریاست نانپارہ میں "داروغہ بیوتات" کے منصب پر
پر فائز ہوئے لیکن کوڑہ کی یاد دامنگیر رہی استعفیٰ دے کر چلے آئے۔

دینی و ملی تحریکات

یہ زمانہ تحریک خلافت کا تھا ہندو مسلمان، سب ہی یک جہت تھے اس صورت حال سے "کوڑہ" بھی متاثر ہوا۔ مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید ان سے عزیزانہ تعلق کے سوا گہرے مراسم تھے۔

جذبۂ حریت آزادی کی جو آگ حضرت شیخ الہند کی صحبت سے مولانا حکیم سید نصرت حسین رح کے سینہ میں لگی تھی، اس کی تپش سے یہ بھی جھلس رہے تھے جس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا رہتا تھا، یہی وہ دور تھا کہ کانگریس اور خلافت کمیٹی کا اتحاد ہوا تھا ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعرے لگتے تھے۔ خلافت کمیٹی نے عدم تعاون کی تحریک چلائی تو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے "نان کوآپریشن" کی تجویز منظور کی۔ ارباب کوڑہ ملی اور ملکی تحریکات سے بہر حال متاثر اور مقامی طریقہ سے جم کر حصہ لے رہے تھے انہی میں ارباب کوڑہ کے ایک فرد مولوی حاجی سید اخلاق احمد بھی تھے۔

تبلیغ و تنظیم

ہندو مسلم اتحاد کی یہ لہر زیادہ دن نہ رہ سکی، پنڈت مدن موہن مالویہ اور سوامی شردھانند نے شدھی "سنگھٹن" کی تحریک چلادی جس نے خلافت اور کانگریس کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

مسلمانوں نے "شدھی سنگھٹن" کے دفاع کے لئے "تبلیغ و تنظیم" کی تحریک چلائی "تنظیم" کی سربراہی ڈاکٹر سیف الدین کچلو کر رہے تھے اور "تبلیغ" کے سربراہوں میں کنور عبدالوہاب خاں، سید غلام بھیک

نیرنگ کے ساتھ کوڑہ کے ایک مخدوم زادے مولانا سید عبدالحئیؒ صوبائی اور مرکزی دونوں جماعتوں کے روح رواں تھے۔

ان حضرات کی ساری سرگرمیاں مولانا سید شاہ وارث حسنؒ کی صدارت اور مولوی حکیم سید وجاہت احمدؒ کی سکریٹری شپ میں انجام پاتی تھیں، مولوی حاجی سید حبیب احمد، مولوی سید اخلاق احمد شاہ عبدالہادی اور دوسرے بزرگ خاندان جس کے رکن تھے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تھا کلمہ پڑھانے اور دین کی ابتدائی تعلیم دینے کی خدمت شاہ عبدالہادیؒ اور مولوی سید اخلاق احمدؒ انجام دیتے تھے

حسن تدبیر ۱۹۳۱ء میں تعزیوں کے سوال پر کانپور میں ہندو مسلم فساد ہوا اسکے معاً بعد کوڑہ کے قریب موضع نوتارہ میں ہندو تحصیلدار کو ایک مسلمان کاشتکار نے اس کی مار پیٹ اور سختی سے ناراض ہو کر قتل کر دیا جس کا اثر کوڑہ پر بھی پڑا، راجہ بہادر ادیا نرائن سنگھ نے اپنے مواضعات سے ایک ہزار مسلح دیہاتیوں کو بلا کر کوڑہ کے مشرقی اور مغربی سمت میں متعین کر دیا اس طرح کوڑہ کے مسلمان دونوں طرف سے محصور ہو گئے۔

مولوی سید اخلاق احمدؒ نے قریبی محلوں کی مسلمان عورتوں اور بچوں کو اپنے گھروں میں پناہ دی ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا مردوں کو لاٹھی، ڈنڈے، بلم وغیرہ دے کر مغربی سمت اپنے گھر کے سامنے اور مشرقی سمت مولانا محمد عبدالحئیؒ کے گھر کے سامنے متعین کر دیا دونوں مکانوں کی چھتوں پر کچھ لوگوں کو بندوقیں دے کر متعین کیا

تاکہ اگر مغرب کی سمت سے حملہ ہو تو ان کے مکان پر متعین لوگ دفاع کریں اور مشرق کی سمت سے حملہ ہو تو مولانا عبدالحی رح کے مکان پر متعین لوگ دفاع کریں۔

یہ ان کی حسن تدبیر تھی اسکے سوا کوئی چارہ نہیں تھا مولانا عبدالحی رح کے بروقت کوڑہ پہونچ جانے کے بعد جس کی ضرورت پیش نہیں آئی فریق مخالف کی غلط فہمیاں رفع ہو گئیں۔ واقعہ کی دوسری تفصیلات مولانا سید محمد عبدالحی رح کے تذکرہ میں آئیں گی۔

دعوتِ اسلام ۱۹۳۲ء کی بات ہے راقم سطور گرمیوں کی تعطیلات میں ندوہ سے کوڑہ آیا تو معلوم ہوا کہ عم گرامی سید اخلاق احمد نے گاندھی جی کو قبول اسلام کی دعوت دی ہے ایک دن موقعہ پا کر اخلاق چچا سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ :

> میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں گاندھی جی کو قبول اسلام کی دعوت دے رہا ہوں اس لئے انتہائی دل سوزی کے ساتھ میں نے ان کو خط لکھا اور قبول اسلام کی دعوت دی جس کا ان کے پرائیویٹ سکریٹری پیارے لال نے جواب دیا کہ :
>
> آپ کا خط گاندھی جی کو مل گیا وہ پڑھ کر متاثر ہوئے اور مجھے ہدایت کی کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں کسی موقع سے وہ آپ کو

خط لکھیں گے ..."

ان کا یہ خواب واقعی تعبیر کا جامہ تو نہ پہن سکا لیکن جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کی سعی سے ۱۹۳۶ء میں گاندھی جی کا لڑکا ہیرالال گاندھی ضرور دائرہ اسلام میں داخل ہوا جس کے قبول اسلام نے ہندوستان کی ساری غیر مسلم اقوام کو ہلا کر رکھ دیا۔

مدرسہ اسلامیہ ۱۹۳۷ء میں مولانا محمد عبدالحیؒ کی کان پور منتقل کے بعد کوڑہ میں یہ تنہا رہ گئے' مدرسہ اسلامیہ کی ذمہ داری انہی کو قبول کرنا پڑی، مرحوم نے عمومی عطیات کے سوا مدرسہ کی آمدنی کا ایک طریقہ چنگی کی شکل میں نکالا، جمعہ کے دن چنگی کا یہ آٹا گھر گھر سے لیکر جمع کرکے فروخت کردیا جاتا اور اس کی قیمت مدرسہ کے فنڈ میں جمع ہو جاتی اس طرح مدرسہ کی کارکردگی کو انھوں نے عرصہ دراز تک نہ صرف بحال رکھا بلکہ اسکو ترقی بھی دی۔

بیعت و معمولات حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ سے بیعت تھے حضرات علماء کی عزت اور قدر کرتے اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت سے لرزہ بر اندام اور اس کے فضل و کرم کے جویا رہتے، سادہ دل، سادہ مزاج، سادہ طبیعت ان کا گھر مسافروں اور غریب الوطنوں کا مہمان خانہ تھا مہمان نوازی میں معروف بستی میں جب کوئی اجنبی آتا تو اسکو لوگ انہی کا مکان بتا دیتے اور وہ بڑے شوق و جذبہ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے اس کی خدمت کرتے اسکی ضرورت پوری کرکے اس کو رخصت کرتے۔

ناوقت اگر کوئی آجاتا اور گھر کی خادمہ موجود نہ ہوتی تو بھی مرحومہ کو کھانے کی تیاری کی زحمت دیتے۔ مہمان کو کھلا کر خوش ہوتے اتنے اہتمام وانتظام محنت ومشقت بہتر سے بہتر چیز فراہم کر دینے کے باوجود مہمان سے کچھ نہ کر سکنے کی معذرت بھی کرتے۔

نوافل وذکر آخر شب نوافل وذکر کے عادی تھے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے توبہ واستغفار کرتے بلک بلک کر روتے ایسے میں جس کی بھی آنکھ کھل جاتی وہ ان کے گڑگڑانے اور رونے پر ترس کھاتا۔

تعلق خاطر مولانا سید عبدالحیؒ ان سے عمر میں چھوٹے تھے لیکن تعلق ومحبت اور یگانگت ضرب المثل بنی یہ بات دونوں گھروں میں عام تھی کہ کیسا ہی معاملہ ہو اخلاق احمد عبدالحیؒ سے رائے مشورہ کے بغیر اور عبدالحیؒ اخلاق احمد سے رائے مشورہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے دونوں حقیقی بھائی ہوں۔

حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں بیسویں صدی کے یہ چار افراد ایک دوسرے سے اتنے منسلک اتنے مربوط اتنے یک جہت تھے کہ شاید وشاذ ہی اس ڈھنگ کے نمونے کسی دوسرے خاندان میں نظر آتے ہوں یہ چاروں بزرگ خود ہی اپنا نمونہ تھے۔

سب سے بڑے مولوی حاجی سید حبیب اللہ، پھر مولوی سید اخلاق احمد پھر مولانا سید عبدالحی پھر مولوی سید محمد عبدالقدیر تسابہ ایک لڑی میں پروئے ہوئے درجہ بدرجہ ایک دوسرے کا

لحاظ ایک دوسرے کا خیال ایک دوسرے کے ہمدرد، بہی خواہ، کہیں جانا ہو ایک ساتھ جاتے کچھ کرنا ہو ایک ساتھ کرتے، دین کا کام ہو یا دنیا کا جب تک یہ سب کوڑہ میں مقیم رہے سب کا ایک حال رہا، واقعات تو بہت ہیں لیکن اب ان کے تذکرہ سے فائدہ نہیں بڑوں کی بڑائی بڑوں ہی کے ساتھ گئی چھوٹے رہ گئے کوتاہ قد کوتاہ اندیش، بقول جگر ؎

گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

عقد ازدواج مرحوم نے تین شادیاں کیں، پہلی اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دوسری اہلیہ سے ایک صاحب زادی رشیدہ خاتون جن کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا تیسری شادی صفیہ خاتون بنت مولوی قمر الدین سے ہوئی جن سے دو بیٹیاں سعیدہ خاتون، عزیزہ خاتون ایک صاحب زادے عبد اللہ عرف نیاز میاں پیدا ہوئے ماشاء اللہ سب بقید حیات ہیں۔

ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا کمسنی ہی میں انتقال ہوا۔

وفات کئی ماہ سے علیل تھے ۱۰ر صفر ۱۳۸۸ھ مطابق ۹ر مئی ۱۹۶۸ء شب پنجشنبہ کو انتقال ہوا ان کے انتقال کے بعد محلہ میاں ٹولہ کا جاہ و جلال، سیادت و قیادت، مرکزیت و مرجعیت، رہبری و رہنمائی ہر چیز قصۂ پارینہ بن گئی۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

غفر اللہ لہ، ورحمہ

مولانا سید محمد عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

ولادت و تعلیم

مولوی سید لیاقت حسین علیہ الرحمۃ کے دوسرے صاحب زادے ۱۸۹۵ء مطابق ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام منظور حسن نکالا گیا، شجرہ ان کے والد گرامی کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے۔

ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی، عربی تعلیم کے لیے مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہاں سے فارغ ہو کر کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں داخلہ لیا میٹرک کر کے تعلیم چھوڑ دی۔

فوجی ملازمت

جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی خلافت تحریک کا بھی آغاز ہو گیا تھا، مولانا نے ملٹری کے سپلائی ڈپارٹمنٹ میں ملازمت کے لیے درخواست گذاری جو منظور ہو گئی لیکن آپکے والد گرامی نے اپنے تعلقات سے کام لیکر اس منظوری کو منسوخ کرا دیا۔

عنفوان شباب کا زمانہ کچھ کرنے دھرنے کا محرک ہوتا ہے مولانا نے اپنے والد گرامی سے پوشیدہ رکھ کر پھر درخواست گزاری ۱۹۱۲ء میں میسوپٹامیہ (عراق) کے لیے بحری جہاز کے ذریعہ روانگی ہو گئی سال میں ایک دو بار کانپور اور کوڑہ آتے رہتے تھے۔

خلافت تحریک سے تعاون

بصرہ سے بمبئی جہاز کے ذریعہ آتے جاتے مولانا شوکت علی اور محمد علی علیہم الرحمہ سے تعلقات ہو گئے تھے تحریک خلافت کے مالی تعاون کے لیے فوجی کیمپ میں مسلمان ملازمین کو جمع کر کے تحریک کی ماہ بماہ مشاہروں کی تقسیم پر لوگ اپنے اپنے حصے کی رقوم لا کر مولانا کے

پاس جمع کرا دیتے اور مولانا کیمپ ہی کے پوسٹ آفس سے ہماشما کے نام سے یہ رقوم مولانا شوکت علی کے ذاتی نام پر ذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیتے جس کی وجہ سے فوج کے ہر مسلمان عہدے دار سے تعلقات ہو گئے تھے اور سب ہی مولانا کا اکرام و احترام کرتے تھے اپنے مفوضہ کارہائے منصبی میں مستعد رہتے، سپلائی کا اسٹاک بیلنس ہمیشہ صحیح رکھتے آفیسران ان سے خوش، مطمئن اور ان پر پورا بھروسہ کرتے تھے۔

مولانا کو ایک ایسے مستعد آدمی کی ضرورت تھی جس کے پاس خلافت کمیٹی کے لیے وصول شدہ رقوم رکھی جا سکتیں اور ان کے نام سے بمبئی روانہ کی جاتیں تاکہ یہ خود فوجی قانون کی زد میں نہ آسکتے۔

کریم بخش حجام مولانا نے اپنے آفیسر سے پرائیویٹ ملازم رکھنے کی اجازت حاصل کی کوڑہ آئے اور یہاں سے کریم بخش حجام کو اپنے ساتھ عراق لے گئے جنھوں نے مولانا کی اس خدمت کے ساتھ اپنے ہنر سے بھی فائدہ اٹھایا۔

تقریباً سات سال سپلائی کے انچارج کی حیثیت سے میسوپوٹامیہ کے فوجی کیمپ میں گذارے اور اب اس فوجی ملازمت سے علیحدگی کے اسباب پیدا ہونے لگے۔

ملازمت سے علیحدگی کے اسباب پہلی بات تو یہ ہوئی کہ چچا کریم بخش مرحوم کو کوڑہ کی یاد ستانے لگی اس کے ویرانے اور کھنڈر دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں میاں کے سامنے انھوں نے جس کا ذکر کیا میاں کے سمجھانے بجھانے پر انھوں نے کوڑہ جانے کیلئے رونا شروع کر دیا بالآخر مجبور ہوئے اور انکو وہاں سے رخصت کیا۔

کریم چچا کے نہ رہنے سے مولانا کی اس خدمت میں خلا پیدا ہو گیا تاہم مجلس خلافت کی معاونت بدستور جاری رہی۔ دوسرا سبب یہ پیدا ہوا کہ میرٹھ کے رہنے والے کیمپ کے مسلمان پوسٹ ماسٹر نے ایک دن مولانا کو ضروری بات کرنے کے لیے بلایا۔ مولانا گئے تو انھوں نے بتایا کہ فوج کے اعلیٰ سطحی آفیسروں نے رات پوسٹ آفس پر اچانک چھاپا ڈالا تلاشی لی ریکارڈ کی دیکھ بھال کی کچھ نہ ملا تو مایوس ہو کر چلے گئے آپ کے پاس اگر پوسٹل آرٹیکل رسیدات وغیرہ موجود ہوں تو آپ ان کو ضائع کر دیں۔

مولانا اپنے کیمپ میں آئے اور چن چن کر تمام کاغذات سوختہ کر دیئے آگے کیا ہوا یہ مولانا کی زبانی سنیئے:

"میں رات کو اپنے کیمپ کے سامنے چارپائی پر سو رہا تھا تقریباً ۱۲ بجے رات کو فوج کے اعلیٰ سطحی آفیسران کا میرے کیمپ پر چھاپہ پڑا یہ تلاشی دو گھنٹہ تک جاری رہی لیکن کوئی چیز ان کے ہاتھ نہ لگ سکی مایوس ہو کر چلے گئے۔"

صبح کو میں نے پوسٹ ماسٹر صاحب سے واقعہ بتایا تو انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ نظر میں آگئے ہیں اس لیے جس قدر جلد ممکن ہو سکے استعفیٰ منظور کرا کر فوجی ملازمت سے نکل جایئے ورنہ خدانخواستہ کسی دن کوئی ثبوت ان کے ہاتھ لگ گیا تو ضابطہ کے مطابق کورٹ مارشل ہی ہوگا۔

مولانا کا استعفیٰ:- مولانا کی دیانت و امانت اپنے کام میں جو کسی سپلائی کے اسٹاک بیلنس کے آپ ٹو ڈیٹ رکھنے کی وجہ سے ان کا سب آرڈیننٹ آفیسران پر اعتماد اور بھروسہ کرتا تھا ان کی ہر رائے اور تجویز کو بسر و چشم قبول کرتا تھا۔ مولانا نے اس سے والدین کی

علالت کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید خدمت سے معذوری ظاہر کی، اور یہ خواہش کی کہ میرے استعفے کی درخواست پر آپ سفارش کر دیں اس نے تجویز رکھی کہ آپ دو تین ماہ کی رخصت لے کر چلے جائیں علاج ومعالجہ کرائیں ان کی حالت قابل اطمینان ہو جائے تو واپس آجائیں، مگر مولانا اس کے لیے راضی نہ ہوئے مختلف مجلسوں میں اپنی بات دہراتے رہے مجبوراً اس نے ان کی درخواست پر سفارش کر دی۔

مولانا کی بغداد آمد اور استعفے کی منظوری

مولانا تین یوم کی رخصت لیکر بغداد آگئے جہاں جنرل کمانڈنگ آفیسر رہتا تھا جس کو ان کی درخواست منظور کرنا تھی، ایک مسلمان اس کے پیشکار اور مولانا کی ملی خدمات میں ان کے معاون تھے، مولانا نے ان کو صورتحال بتائی تو وہ چند منٹ سوچتے رہے، مولانا کی رائے سے انھوں نے اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ آپ آج اور کل ٹھہریں میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کا استعفیٰ منظور ہو جائے، ویسے کام کے آدمیوں کو جن کے بارے میں رپورٹ اچھی ہوتی ہے آفیسر چھوڑتا نہیں، مولانا رُک گئے، دوسرے دن پیشکار سے ملے تو انھوں نے درخواست کی منظوری کی مبارکباد دی اور کہا کہ آرڈر کی کاپی آپ لیتے جائیں اصل کاپی ڈاک کے ذریعہ کیمپ پہنچے گی۔

کیمپ میں مولانا کا سب آرڈینٹ آفیسر متفکر اور پریشان تھا کہ اگر ان کی درخواست نامنظور ہوئی تو جنرل کمانڈنگ آفیسر کی مجھ پر ڈانٹ پڑے گی کہ تم نے ان کے استعفے کی درخواست پر سفارش کیسے لکھی؟ مولانا جب کیمپ پہنچے اور آرڈر کی کاپی دکھائی تو اس کو اطمینان ہوا۔

ہندوستان واپسی اور سول ملازمت کی پیش کش

کیمپ میں چند یوم قیام کے بعد مولانا بمبئی پہونچے اور مولانا شوکت علیؒ سے ملے صورتحال بتائی اور کوڑہ واپس آگئے۔ چند روز کے بعد فتح پور کے ڈی ایم نے مولانا کو بلایا اور بتایا کہ حسن کارکردگی کے سلسلہ میں گورنمنٹ کا آرڈر آیا ہے کہ آپ کو کوئی اچھی ملازمت دی جائے اور دو بندوقوں کا لائسنس بھی، تو آپ یا تو پولیس کی سب انسپکٹری قبول کرلیں یا سب رجسٹراری۔ لیکن مولانا نے والدین کی علالت و خدمت کا عذر پیش کر کے ملازمت سے انکار کردیا۔ دو بندوقوں کے لائسنس کے بجائے ایک بندوق کا لائسنس لے لیا جس کو سال دو سال کے بعد واپس کردیا۔

صوبائی مجلس خلافت سے اعزازی وابستگی

مجلس خلافت کا صوبائی دفتر علیگڈھ میں تھا۔ نواب تصدق حسین خاں شیروانیؒ جس کے جنرل سکریٹری تھے، مولانا شوکت علی رحمہ اللہ کے کسی مکتوب کی بنا پر انھوں نے مولانا کو علیگڈھ آنے کے لیے خط لکھا جس پر مولانا علیگڑھ گئے، نواب صاحب نے صوبہ کی تمام خلافت کمیٹیوں کے لیے آنریری انسپکٹر کا عہدہ پیش کیا جس کو مولانا نے قبول کرلیا، یہ واقعہ ۱۹۲۱ء میں پیش آیا۔

مولانا کا معمول تھا کہ وہ اپنے معائنہ اور سفر کے اختتام پر صوبائی دفتر کو جو رپورٹ دیتے تھے اس کی ڈپلیکیٹ کاپی اپنے پاس رکھتے تھے۔ تقریباً دو ڈھائی سال مجلس خلافت کے اس عہدہ سے منسلک رہے ان کے ذخیرہ سے چند رپورٹوں کی کرم خوردہ کاپیاں مجھے مل سکیں صرف تین رپورٹیں

ایسی ہیں کہ جن پر تاریخ و سال دیمک کے چاٹنے سے بچ گیا ہے وہی پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ جھانسی ضلع مجلس خلافت کا معائنہ ۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء میں کیا رپورٹ پیش کی
(الف) ایک وفد صوبہ کے مقتدر لوگوں کا یہاں آکر جلسہ کرے اور لوگوں کو آمادہ کرے، بی اماں سے درخواست کی جاوے کیونکہ پبلک ان کی طرف بہت رجوع ہے میں نے ان سے جھانسی اسٹیشن پر مل کر درخواست کی تھی جب وہ بیجا پور تشریف لے جارہی تھیں، انھوں نے وعدہ فرمایا ہے۔ غرض کہ تبلیغ کی سخت ضرورت ہے اس کے بعد مجھ کو امید ہے کہ کام پورا پورا ہوگا انشاءاللہ
(ب) کوئی جماعت رضا کاران بھی یہاں بارڈولی ریزولیوشن کے بعد سے نہیں ہے دوسرے تبلیغ و اشاعت نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کا جوش بالکل سرد پڑ گیا ہے اور یہ نقصان جھانسی مجلس الخلافتہ کا ایسا ہوا ہے جس کی تلافی جب تک نہایت مستعدی اور تن دہی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت نہ کی جائے گی ممکن نہیں ہے۔
(ج) کوئی قومی عدالت مجلس الخلافتہ کے ماتحت قائم نہیں ہے۔

۲۔ دیمک لگنے کی وجہ سے سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ کس ضلع کی رپورٹ ہے تاہم جستہ جستہ فقرے پیش کر رہا ہوں یہ رپورٹ ۲۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء کی ہے۔
(الف) میں یہاں کے لوگوں سے ملا ہوں عوام پر پولیس کا خوف غالب ہے لوگ میدان میں نہیں آتے کچھ لوگوں کو یہ خیال ہوگیا ہے کہ خلافت کا کام اب بند ہوگیا، تبلیغ یہاں بالکل نہیں ہے حساب کا معائنہ میں نے شب میں ایک گوشہ میں بیٹھکر عجلت کے ساتھ کیا۔ ہے اس لیے کہ مقامی کارکنوں کا خیال تھا کہ پولیس تلاشی لیکر

سب کاغذات ضبط کرے گی

(ب) جھانسی میں مجھکو بی اماں سے معلوم ہوا کہ وہ عنقریب اس صوبہ کا دورہ شروع کرنے والی ہیں، لہٰذا میں درخواست کرتا ہوں کہ جو پروگرام بی اماں کا ہے اس میں بندیلکھنڈ کے سب اضلاع شامل ہوں اور ایک وفد ان اضلاع کا دورہ کرے اس کا مقصد سوائے تبلیغ کے اور کچھ نہ ہو چندہ کا نام بھی نہ لیا جائے، ان اضلاع کے جو بڑے بڑے لوگ ہیں اور پولیس کے خوف و ہراس کی وجہ سے اب تک خاموش ہیں ان کو بھی آمادہ کیا جاوے ورنہ جو اثر آج عوام پر ہے وہ کل نہ رہیگا اور یہ تمام محنت جو دو سال میں کی ہے رائیگاں جائے گی۔

۳۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ درج ذیل رپورٹ کس ضلع کی ہے ۴ رنومبر ۱۹۲۲ء کو لکھی گئی۔

"جھانسی، مہوبہ، باندہ، فتحپور، مرزاپور، غازیپور، جونپور کے کارکنان نے و نیز وہاں کے لوگوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں جناب مولوی عبدالماجد بدایونی، بی اماں، اور بیگم صاحبہ محمد علی صاحب اور مولوی آزاد سبحانی سے درخواست کروں کہ ان مقامات کا دورہ فرمائیں!"

صوبائی خلافت کمیٹی کی یہ خدمت اعزازی طریقہ سے مولانا نے دو ڈھائی سال تک انجام دی۔ راقم سطور سے فرماتے تھے کہ پورے صوبہ کی خلافت کمیٹیوں کا جب میں جائزہ لیتا تھا تو تقریباً سبھی کے حسابات مجھے مرتب ملتے تھے سوائے ضلع اعظمگڈھ کے سے خلافت کمیٹی جس کے سکریٹری

مولانا مسعود علی ندوی تھے ان کا حساب مجھے تیار نہیں ملتا تھا۔ میری موجودگی ہی میں وہ مرتب کرتے تھے، اسطرح مجھے دارالمصنفین میں ایک دو شب قیام کرنا پڑتا تھا۔

مولانا کی رپورٹوں کے مطالعہ کے بعد دو یا تین ابھر کر سامنے آئیں، ایک تو یہ کہ مولانا نے "تبلیغ و اشاعت" پر خاص طریقہ سے زور ڈالا ہے۔ دوسرے یہ کہ "قومی عدالتوں" کا قیام بھی ضروری سمجھا ہے اور جہاں جہاں جن جن مجالس خلافتہ میں یہ شعبے نہیں تھے ان کی نشاندہی کی ہے۔

ممتاز علماء و زعماء سے تعلق

عملی طور پر خلافت تحریک اور صوبائی مجلس خلافت سے منسلک ہو جانے کے بعد ہندوستان کے ممتاز علماء و زعماء سے مولانا کے تعلقات قائم ہوئے جو آزادی کی تحریک میں بھی پیش پیش تھے جن کی سیاسی بصیرت اور علمی قیادت پر ملک و ملت کو اعتماد تھا۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، حضرت مولانا مدنیؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد فاخر الٰہ آبادی وغیرہ وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں اسی طرح صوبہ یوپی کے تمام اضلاع کے اسفار کے دوران ہر مقام کے کارکن اور مخلص افراد ان کی نگاہ میں آگئے، جنھوں نے "تبلیغ و تنظیم" کے دور میں مولانا کی رفاقت کی ان میں کنور عبدالوہاب خاں، کنور الطاف علی خاں، مولوی سید محمد ٹونکی، حافظ محمد عثمان علیگڈھ قاضی منظور علی شمس آباد، سید مقصود علی معروف، مولانا سید ابوالبیان شمس آباد، مولوی وحید اللہ احراری غازی پور وغیرہ وغیرہ جیسے انتھک جدوجہد کرنے والے افراد کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

مولانا محمد ہاشم جمل اللیلؒ تو گھر ہی کے ایک فرد تھے۔ جنھوں نے تحریک خلافت اور "تنظیم و تبلیغ" کے دور میں بھی مولانا کی لفافت کی۔

تحریک خلافت کے سلسلہ میں مولانا کا دائرہ کار مجلس خلافت کی ہدایات تک ہی محدود نہ تھا وہ اور مولانا سید محمد ہاشم جمل اللیلؒ اپنے طور پر بھی مجلس خلافت کے کاز کو تقویت پہونچانے کے لیے مختلف مقامات کے دورے، جلسے اور تقریریں کرتے رہتے تھے جس کا سلسلہ کوڑہ ہی سے شروع ہوا تھا۔

سیاسی سرگرمیوں کی شکایت

ہر دو حضرات کی یہ سرگرمیاں پولیس کے ریٹائرڈ ایک عزیز بزرگ داروغہ لطف اللہ مرحوم کو ناگوار گذریں انھوں نے ڈی ایم تک بات پہونچائی۔

مولانا سید محمد ہاشمؒ اور مولانا سید محمد عبد الحئی دونوں ہی مال کو آپریٹر تھے، مولانا سید محمد ہاشم ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے تھے مقدمہ بھی چلا تھا۔ مولانا سید محمد عبد الحئی نے حکومت کی فوجی خدمت سے استعفیٰ دیا تھا۔ ڈی، ایم کی پیش کش کے باوجود کوئی سول ملازمت قبول نہیں کی تھی۔

وارنٹ گرفتاری

اس پس منظر میں دونوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا ڈی، ایم کو یقین ہو گیا، اور اس نے وارنٹ گرفتاری جاری کرا دیئے جس کی اطلاع تھانیدار نے سابق انسپکٹر پولیس داروغہ بسم اللہ کو دی، اور ان سے دونوں کی گرفتاری کے لیے مشورہ چاہا، مرحوم نے اس کو بتایا

کہ یہ دونوں یہاں کے معزز اور با اثر لوگ ہیں، ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں میں مقبول اور محبوب ان کے خلاف بغاوت کا الزام غلط لگایا گیا ہے تم نے اس وارنٹ پر اگر کوئی قدم اٹھایا تو تمہارا ٹرانسفر معمولی بات ہے دونوں فرقوں کے لوگ تمہاری جان کو آجائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم فائنل رپورٹ لگاؤ۔ کہ یہ لوگ باغی نہیں ہیں، جو شکایت پہونچی ہے وہ غلط ہے، تھانیدار تو تھانے چلا گیا، مرحوم نے مولانا عبد الحیؒ کو بلا کر پوری بات بتائی اور کوڑہ سے کچھ دن کے لیے باہر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات آگرہ چلے گئے، کچھ عرصہ بعد کوڑہ واپس آئے۔

ملی اور سماجی بورڈ

مولانا کی میسوپٹامیہ سے واپسی اور تحریک خلافت سے اعزازی وابستگی کے بعد کوڑہ میں دینی، ملی، تبلیغی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے ایک بورڈ بن گیا جو نہ صرف کوڑہ جہان آباد کے مسلمانوں کے مسائل حل کرتا تھا بلکہ مضافاتی مسلمان بھی اپنے مسائل اس بورڈ کے سامنے پیش کرتے تھے اور یہ بورڈ غور و فکر کے بعد اپنے فیصلہ کا نفاذ کرتا تھا جس کے اہم ارکان درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا سید محمد ہاشم جلیل الخلیل (۲) مولوی سید محمد عبد الحیؒ
۳۔ مولوی حکیم سید وجاہت احمد (۴) مولوی شاہ عبد الہادیؒ
۵۔ مولوی حاجی سید حبیب اللہ (۶) مولوی سید اخلاق احمد جہان آباد کے مسلمانوں

کے بھی دو نمائندے ہوتے تھے۔

اس بورڈ کے ارکان کی مخصوص وقت میں نشست ہوتی تھی معاملات و مسائل کا فیصلہ ہوتا تھا، مولانا سید محمد ہاشم کے حیدرآباد تشریف لے جانے کے بعد بھی یہ بورڈ اپنا کام عرصہ دراز تک کرتا رہا۔

شدھی تحریک کا پس منظر

اصلاً یہ تحریک سوامی دیانند سرسوتی نے ۱۸۷۵ء میں شروع کی تھی لیکن اس کی حیثیت صرف کنویسنگ یا دعوت کی حد تک تھی اسی زمانہ میں والئ کشمیر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۲۱ جلدوں میں ایک کتاب "رنبیر کرت پرائشچت مہانبندھ" تحریر کی جس میں ہندوستان کی تمام نومسلم اقوام کو ہندو بنانے کی بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت مخفی طور سے ہوئی تاکہ عوام الناس میں کسی قسم کا چرچا نہ ہو اور جب خواص کسی ایک طریقہ کار پر متفق ہو جائیں تب عوام الناس تک یہ کتاب پہنچے[۲۰۱]۔

اجتماعی طریقہ سے شدھی کا ایک دور ۱۹۰۸ء میں چلا، علاقہ بھرت پور میں آریہ سماج نے یہ کوشش کی کہ وہاں مسلمان راجپوتوں کو آریہ بنایا جائے اس کے بعد وقتاً نوقتاً اضلاع اٹاوہ کانپور، میرٹھ، مین پوری، فرخ آباد میں بھی اسی قسم کی کوششیں عمل میں آئیں لیکن دہلی کی انجمن ہدایت الاسلام اور دیگر انجمنوں

---

۲۰۱ غبار افق ص ۱۰

نے ان کی یہ کوشش ناکام بنادی [۲۰۲]

اس تحریک کے دم توڑ دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ تحریک صرف آریوں نے چلائی تھی اس وقت سناتن دھرمی ہندو محض تماشائی تھے ان کے نزدیک شدھی کے جائز ہونے کا کوئی ثبوت کسی شاستر میں نہیں تھا، گاندھی جی نے یہی بات اس موقع پر کہی تھی کہ:

"ہندو دھرم میں تبلیغ کا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جیسا مسیحیت اور اسلام میں ہے۔[۲۰۳]"

لیکن پندرہ سال مسلسل خفیہ طریقہ سے مسلمانوں کو زک پہونچانے زیر کرنے ان کے ملی تشخص کو ختم کرنے کی مہم چلتی رہی جس کے ہیرو سوامی شردھانند تھے جنھوں نے اپنے انکار و خیالات اور اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے ملک گیر اثر ڈالا تھا۔

شدھی کے جواز کا فتویٰ

شدھی جواب تک ناجائز تھی ۱۹۲۳ء میں وہ جائز ہو گئی تیرہ سناتن دھرمی پنڈتوں نے شدھی کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کا طریقہ درج کیا تھا۔ یہ فتویٰ لالہ دُنی چند گپتا بی۔ اے، ایل، ایل، بی سکریٹری سناتن دھرم سبھا لاہور کی جانب سے چھپ کر شائع ہوا تھا۔[۲۰۴]

---

۲۰۲ غبار افق ص ۱ ۲۰۳ غبار افق ص ۱۲ ص ۱۳

۲۰۴ غبار افق ص ۱۲

شدھی کرن کے موقع پر مسلمانوں سے یہ کہا جاتا تھا کہ تم ہمارے بھائی ہو باہر کے مسلمانوں کے زور اور ان کی زبردستی سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن تمہارے رسوم و رواج آج بھی ہندوانہ ہی ہیں اپنی حماقت سے اب تک ہم تم کو بھولے ہوئے تھے اب ہم اپنی غلطی پر نادم ہیں آؤ ہمارے گلے لگ جاؤ اور اپنے پرانے مذہب پر واپس آجاؤ۔

سنگٹھن کا پس منظر

آریوں اور سناتن دھرمیوں کو مجلس خلافت اور کانگریس کا اتحاد کھٹک رہا تھا وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر یہ اتحاد باقی رہا تو ملک پر حکومت میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمان بھی شریک ہو نگے کانگریس کی جدوجہد آزادی میں شریک سارے ہی ہندو صاف ذہن اور روشن خیال نہیں تھے ایسے بھی تھے جن کے ذہن فرقہ پرستی کے..... زہر سے مسموم تھے۔

پنڈت مدن موہن مالویہ بنارس یونیورسٹی کے لیکچرر اور کانگریس میں شریک تھے لیکن ہندو مسلم اتحاد کی بڑھتی ہوئی کیفیت دیکھکر ہندوستان میں ہندو قوم کے مستقبل کی فکر لاحق ہوئی، کانگریس سے علیحدہ ہوئے اور ہندو سنگٹھن کی بنیاد رکھی جس کو نہ صرف غیر کانگریسی ہندو دل کی حمایت حاصل تھی۔ بلکہ کانگریس کے بعض چوٹی کے لیڈر بھی "شدھی" اور "سنگٹھن" دونوں ہی کو ہندو قوم کے لیے بہتر اور مناسب سمجھتے تھے ایسے لوگوں کی فہرست طویل ہے صرف چند

معروف و مشہور لوگوں کے نام لکھوں گا۔

۱۔ پنڈت مدن موہن مالویہ	ہندوؤں کے سب سے زیادہ اثر رکھنے والے لیڈر
۲۔ سوامی شردھانند	بانی گروکل۔
۳۔ لالہ لاجپت رائے	پنجاب کے مشہور ترین لیڈر آریہ سماج و تحریک کانگریس۔
۴۔ جگت گرو شری شنکر آچاریہ	ہندوستان کے ہندوؤں کے روحانی پیشوا۔
۵۔ پنڈت موتی لال نہرو	آل انڈیا سوراج پارٹی اور کانگریس کے لیڈر
۶۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔	سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی
۷۔ ڈاکٹر مونجے۔	صوبہ متوسط کے کانگریسی لیڈر [۲۵]

غرض ۱۹۲۰ء کی ناکام شدھی تحریک نے سوامی شردھانند کی کوششوں سے سنگٹھن کی تحریک میں شامل ہو کر ایک نیا رخ اختیار کیا۔ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ صرف افغانستان یا بلوچستان سے آئے ہوئے مسلمان جن کی تعداد چند لاکھ ہے۔ باقی سارے ہی مسلمانوں کو شدھ کیا جائے۔ شری شنکر آچاریہ کے جانشین سوامی بھاسکر تیرتھ جی لکھتے ہیں:

---

[۲۵] غبار افق ص ۱۹ و ۲۰

"میں ملکانہ راجپوتوں کی شدھی کے پورے طور پر حق میں ہوں جتنے ہندو مسلمان ہو گئے ہیں وہ سب پھر سے ہندو بنا لیئے جائیں۔ سچا ہندو مسلم اتحاد اسی میں ہے۔ میرا یقین واثق ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں میں کچھ لاکھ مسلمان ہی ایسے ہیں جن کے بزرگ افغانستان یا بلوچستان سے آئے تھے باقی جملہ مسلمان ہندوؤں سے بنائے ہوئے ہیں۔ میں سوامی شردھانند جی کو اس عظیم الشان کام کے لیے ودھائی دیتا ہوں۔" ۲۰۲

اصل مقاصد اس تحریک کے مقاصد میں صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ جو راجپوت مسلمان پہلے ہندو تھے اور اب وہ صدیوں سے مسلمانوں کے زور و زبردستی سے مسلمان ہو گئے ہیں ان کو شدھ کر کے ہندو جاتی میں شامل کر لیا جائے بلکہ بات کچھ اس سے بھی اونچی تھی، ہندوؤں کے ایک عظیم رہنما مقیم سویڈن لالہ ہر دیال جی ایم اے، لکھتے ہیں۔

"ہندو سنگٹھن کا مقصد یہ ہے کہ بھارت ورش میں ایک ایسی مضبوط، زبردست، متحدہ اور بیدار سیاسی جماعت قائم کی جائے جو ایک آزاد ہندو ریاست کے آدرش تک پہونچنے کی کوشش کرتی رہے، ہندو سنگٹھن کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا ہندو قومی دل

---

۲۰۲ غبار افق ص ۵۹ (بحوالہ روزنامہ پرتاپ ۲۵ مارچ ۱۹۲۳ء)

قائم کیا جائے جو ایک آزاد قومی ریاست کی بنیاد ڈالے"۔ [۲۰۷]

ان ہی لالہ ہردیال ایم، اے کا دوسرا بیان پڑھیئے:

"میں کہتا ہوں کہ ہندو قوم اور ہندوستان اور پنجاب کا مستقبل ان چار آدرشوں پر منحصر ہے:

ا۔ ہندو سنگٹھن (۲) ہندو راج (۳) اسلام اور عیسائیت کی شدھی (۴) افغانستان اور سرحد کی فتح اور شدھی"۔ [۲۰۸]

شدھی سنگٹھن اور کانگریسی لیڈر

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے چوٹی کے لیڈروں کی بھی رائے اس تحریک کے بارے میں کیا تھی وہ بھی سن لیجئے موتی لال نہرو کے بیان کا ایک پیراگراف ملاحظہ کریں:

"مجھے روزانہ اخبار خلافت کے ایک مضمون کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو مولانا عبدالماجد صاحب کی طرف سے بھیجا گیا ہے جس میں انھوں نے اس تحریر کا حوالہ دیا ہے کہ جو ۲۰ مارچ کے اخبار "ہمدم" میں میری طرف سے شائع ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس تحریک کو جو ملکانہ راجپوتوں کو ہندو بنانے کے لیے جاری ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں............

---

[۲۰۷] غبار افق ص۲۲۰ [۲۰۸] غبار افق ص۱۹۹

میں نے ہمدم نہیں پڑھا ہے لیکن اس کی کوئی اصلیت
نہیں ہے کہ میں نے کہیں پر ایسا بیان کیا ہے بلکہ
اس کے برعکس میں نے اپنی تازہ تقریر دل میں
صاف طور پر کہدیا ہے کہ میں اس تحریک کو بالکل
..... جائز سمجھتا ہوں" [۲۰۹]

پنڈت جواہر لال نہرو سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے
ایک مکتوب بنام سوامی شردھانند کے چند اقتباسات بھی ملاحظہ
کریں یہ چھٹی بوجیہ سوامی جی کے خطاب سے شروع ہوتی ہے:

"پھر میں نے یہ کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک
آدمی کو حق ہے کہ وہ دوسرے کو سمجھا بجھا کر اپنی
طرف بلالے یا اس کی شدھی کرلے جو لوگ شدھ
کر رہے ہیں ان کو پورا اختیار اس بات کا ہے"

دوسرا فقرہ ملاحظہ ہو:

"میں نے کسی حالت میں نہیں کہا کہ جو شدھی
کرنے والے ہیں وہ دیش کے پکے دشمن ہیں اور نہ
میں نے کہا کہ ان لوگوں کو دشمن سمجھو"

تیسرا فقرہ بھی پڑھ لیجئے:

"اس بات کا یقین رکھئے کہ ایسی باتیں میں
ہرگز نہیں کہہ سکتا اگر میں نے کوئی نامناسب
بات کہی ہو یا لکھی ہو تو اسکی میں آپ سے معافی
چاہتا ہوں۔

آپ کا سیوک جواہر لال" [۲۱۰]

---

[۲۰۹] غبار افق سنہ ۱۳ [۲۱۰] غبار افق، ص ۹۹ تا ۱۰۱

سوامی شردھانند کی اس تحریک کے ابتدائی نتائج بھی اعداد و شمار کی روشنی میں دیکھ لیجیے:

(الف) بھارتیہ ہندو شدھی سبھا آگرہ ۱۳ فروری ۱۹۲۳ء کو قائم کی گئی تھی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۲ء تک سبھا کو مختلف ذرائع سے ایک لاکھ چالیس ہزار چار سو آٹھ روپیہ آمدنی ہوئی[۲۱۰]

(ب) مندرجہ بالا دس مہینوں میں سبھا کے ۵۶۴ صاحب کام کرتے رہے۔ ان میں سے ۲۵۰ آنریری پرچارک والنٹیئر ہیں اور ۲۶۵ تنخواہ دار۔ سبھا نے کام کو باقاعدہ اور آسانی سے کرنے کیلئے قریباً بیس شاخیں کھول رکھی ہیں۔ سبھا اب تک ۱۸۲ گاؤں میں شدھی کا عمل جاری کر چکی ہے۔ ان گاؤں کی تفصیل درج ذیل ہے:

ضلع آگرہ میں	۳۴ گاؤں	ضلع گڑگاؤں میں	۵۰ گاؤں
ضلع متھرا میں	۳۰ گاؤں	ضلع بڑودہ میں	۱۲ گاؤں
ضلع بہرائچ میں	۱۵ گاؤں	ضلع فرخ آباد میں	۳ گاؤں
ضلع بھرت پور میں	۱۶ گاؤں	ضلع یارد میں	۵ گاؤں

دہلی، الٰہ آباد، فیض آباد، بلند شہر اور علی گڑھ میں ۱۸ گاؤں[۲۱۱]

شدھی سنگٹھن تحریک کا نوٹس لیا جاتا ہے

ملک کے یہ حالات تھے ابنائے وطن مسلمانوں کے خلاف اپنے سیاسی مقاصد کی بجا آوری کے لیے مذہب

---

[۲۱۰] غبار خاطر، ص ۹۱ تا ۱۰۱ [۲۱۱] غبار خاطر، ص ۱۲۵ و ۱۲۶

کے نام پر اپنی قوم کا استحصال کر رہے تھے۔ ان کا سب سے پہلا نشانہ آگرہ، متھرا، بھرت پور، فرخ آباد، ایٹہ، مین پوری، کانپور، فتح پور کے قدیم مسلم راجپوتوں کی پہلے شدھی کرنا چاہتے تھے، شدھی سبھا کا ہیڈ کوارٹر آگرہ میں تھا۔

اخبارات میں ارتداد کی خبریں آنا شروع ہوئیں تو کنور عبدالوہاب خاں، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سید محمد عبدالحئی ۲۳ر جنوری ۱۹۲۳ء کو ارتداد کے علاقہ میں پہونچے حالات کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ جب تک متحدہ قوت سے اس صورت حال کا مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

چنانچہ کنور عبدالوہاب خاں نے انجمن اتحاد مسلم راجپوتان ہند کے سکریٹری کی حیثیت سے مجلس منتظمہ کا جلسہ طلب کرکے جملہ انجمن ہائے اسلامیہ کو خطوط لکھے، اخبارات میں بیان دے کر ۲۹ فروری ۱۹۲۳ء کو آگرہ میں جلسہ کی ۲۰ تاریخ مقرر کی۔ اس جلسہ میں ۴۹ انجمنوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

مجلس نمائندگان تبلیغ کا قیام

اور متفقہ طریقہ سے تحریک ارتداد کے دفاع کے لئے "مجلس نمائندگان تبلیغ" کے نام سے ایک بورڈ کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر مولانا عبدالماجد بدایونی رح ناظم کنور عبدالوہاب خاں رح نائب ناظم مولانا سید محمد عبدالحئی رح منتخب ہوئے جلسہ میں شریک انجمنوں نے اپنے اپنے مبلغین اس بورڈ کے پاس بھیجے علاقہ ارتداد میں تعلیم کا کام شروع ہوا۔

اعتراف خدمات

کنور عبدالوہاب خاں رح نے "مجلس نمائندگان تبلیغ" کی رپورٹ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۲۳ء

نتانیہ ۳۱ر جولائی ۱۹۲۳ء شائع کی جس میں مولانا کی خدمات کا درج ذیل الفاظ میں اعتراف کیا مولوی سید محمد عبدالحئی صاحب نائب ناظم "مجلس نمائندگان تبلیغ" ہمہ جان فشانیاں لائق داد و ستائش ہیں، تمام ذاتی ضروریات کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہمہ تن تبلیغ کے کام میں مشغول رہے میں مختصر یہ کہ اگر سید صاحب سا کام کرنیوالا مجھے نہ ملتا تو میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔[۲۱۰]

نمائندگان تبلیغ کے اس بورڈ کو بہت جلد تجربہ ہو گیا کہ مختلف جماعتوں، انجمنوں نیز مدارس کے نمائندگان پر مشتمل یہ بورڈ اس وقت تک صحیح طور پر خدمت انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کی اپنی مستقل حیثیت نہ ہو، اسکے مداخل و مخارج کارکن افراد کے مشاہرے کی ذمہ داری خود بورڈ پر نہ ہو۔

جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبجات متحدہ کا قیام

اس لئے ۲۵ر ستمبر ۱۹۲۳ء کے جلسہ منتظمہ میں ریزولیوشن نمبر ۴۴ کے ذریعہ "مجلس نمائندگان تبلیغ" کی موجودہ ہیئت ختم کر کے "جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبجات متحدہ" کے نام سے دوسری جمعیۃ کی تشکیل کی گئی اور اسکو "جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام" (انبالہ) سے ملحق کر دیا جو یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو سید غلام بھیک نیرنگ کی نظامت اور مولوی سر رحیم بخش کی صدارت میں وجود پذیر ہو چکی تھی، اس نئی انجمن یعنی جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبجات متحدہ کے ناظم کلیات کنور عبدالوہاب خاں رئیس مڈراک اور مولانا سید محمد عبدالحئی ناظم منتخب ہوئے۔[۲۱۱]

۲۱۰ه رپورٹ مجلس نمائندگان تبلیغ، ص ۴۳، ۴۴

۲۱۱ه " " " یکم اگست تا ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۳ء، ص ۵ و ۶

کوڑہ میں تنظیم کانفرنس

مولانا کا تعلق ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ان کی تحریک تنظیم سے بھی تھا۔ ۱۹۲۵ء میں کوڑہ میں مولانا نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو رح کی صدارت میں تنظیم کانفرنس بھی کرائی جس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر، ہدایت حسین بیرسٹر (کانپور) تھے جنھوں نے وقیع اور فکر انگیز خطبہ دیا جس کے آخر میں انہوں نے تحریر کیا:

"ہمکو مشکور ہونا چاہیے جناب مکرم مولانا عبدالماجد القادری بدایونی کا، ہمکو مشکور ہونا چاہیے مولوی غلام بھیک نیرنگ کا اور ہمکو شکریہ ادا کرنا چاہیے کنور عبدالوہاب خاں صاحب اور مولوی عبدالحیٔ صاحب کا جنہوں نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے، اپنا آرام کھویا اور دربدر محض مسلمانوں کی خاطر محض مسلمانوں کے قومی مفاد کی غرض سے گھومنا شروع کیا ہم کو اس تنظیم پر اپنے کامل اعتماد کا اعلان کر دینا چاہیے اور ہم کو وہ عملی کارروائی شروع کر دینا چاہیے جس سے کہ ہمارے دن پھلے ہوں اور ہماری قومی زندگی میں جان آوے۔" [۲۱۵]

کوڑہ میں تبلیغ کانفرنس

اسی سال مولانا کی سعی سے کوڑہ میں ایک تبلیغ کانفرنس اور دو جلسے مناظرے کے منعقد ہوئے۔ [۲۱۶]

---

۲۱۵ خطبہ استقبالیہ تنظیم کانفرنس، ص ۱۲

۲۱۶ روئداد جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ بابتہ ۱۹۲۶ء ص ۴

کوڑہ میں دُوسری تبلیغ کانفرنس

دوسری تبلیغ کانفرنس مولانا ہی کی کوشش سے ۱۹۲۷ء میں منعقد ہوئی جس میں حضرات علماء کرام نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔[۴۹]

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ تبلیغ ودعوت کے اس حلقہ میں کنور عبدالوہاب خاں (رئیس ملدارک) کو کنور صاحب کہا جاتا تھا، سید غلام بھیک نیرنگ ایڈوکیٹ پنجاب ہائیکورٹ میر صاحب کہلاتے تھے، مولانا سید محمد عبدالحئی رئیس کوڑہ جہان آباد سید صاحب کہکر مخاطب کئے جاتے تھے۔

کنور صاحب اور سید صاحب اپنے اپنے علاقہ کے زمیندار اور بڑے کاشتکار تھے، میر صاحب پنجاب ہائیکورٹ میں قانون کی پریکٹس کرتے تھے، مالی اور اقتصادی اعتبار سے تینوں بزرگ خودکفیل تھے لیکن جب تبلیغ ودعوت کے کام میں لگ گئے تو سب کچھ بھول گئے، کنور صاحب اور سید صاحب اپنی اپنی زمینداری اور کاشت کی طرف سے بے توجہ ہوگئے جس کی وجہ سے نقصان اٹھایا اور میر صاحب نے پریکٹس چھوڑدی جس کی وجہ سے وہ خاصے مقروض ہوگئے، تینوں بزرگوں کو جلد ہی تنبہ ہوا، اور مولانا نے اس صورت حال پر دو خط میر صاحب کو لکھے، میر صاحب نے شملہ سے ۹ جون ۱۹۲۶ء کو مفصل جواب تحریر کیا جو ذیل میں درج ہے:

میر صاحب کا تاریخی مکتوب سید صاحب کے نام!

[۴۹] روداد جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ ۱۹۲۷ء ص ۲

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مزاج شریف!

مجھکو سخت افسوس ہے کہ آپ کے دو نہایت ضروری خطوں کا جواب آج دیر کرکے لکھ رہا ہوں آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ میرے نواسے کا انتقال ۱۸ر مئی کو ہوا، اس حادثہ کی وجہ سے پریشانیاں پیش آئیں ضرورۃً کچھ دن کرنال میں رہا وہاں سے واپس ہوتے ہی یہاں چلا آیا، اہل وعیال کو ساتھ لے آیا ہوں، چار ماہ تک اہل وعیال کو یہیں رکھوں گا خود حسب ضرورت نیچے بھی جاتا رہوں گا۔

اول آپ کے نجی خط کا جواب دیتا ہوں میرے شملہ چلے آنے کی وجہ سے تبلیغ کے کام کا کچھ نہ کچھ حرج ہوگا کیونکہ دفتر انبالہ میں ہے اور میں یہاں ہوں وہاں سے ڈاک یہاں آیا کرے گی یہاں سے ہدایات وہاں پہونچیں گی پھر تعمیل ہوگی، سوچتا ہوں کہ اس کا تدارک کیا کیا جائے تا ہنوز کچھ سمجھ میں نہیں آیا دفتر اور عملے کو یہاں لاؤں تو زائد خرچ پڑتا ہے، بہرحال سوچ کر ہی کوئی طریقہ نکالوں گا۔

مجھکو بارہا خیال آچکا ہے کہ دو چار تبلیغی کارکنوں کی معاش کا حیدرآباد سے مستقل وظیفہ ہونا چاہیے۔ اس قسم کا ایک تذکرہ دوبار ڈاکٹر مجلو صاحب اور نواب صدر یار جنگ سے پہلے کیا تھا، انہوں نے

لکھا کہ خود ریاست کا کچھ کرنا تو ممکن نہیں کوئی درخواست
آئے تو اسکی تائید کرنے کے لئے آمادہ ہوں، گویا
ہمارے ارباب دولت کو یہ خیال خود بخود آ ہی نہیں
سکتا کہ قومی کام بھی کوئی کام ہے اسکے لئے قابل
جفاکش، دیانتدار لوگ دھن کے ساتھ معروف
محنت ہونے چاہئیں اور ایسے کارکنوں کی معاش
کی سبیل ہونی چاہیئے ان لوگوں سے وظائف
ملتے بھی ہیں تو ان مولویوں اور پیروں کو جو صرف
دعاگوئی کے قابل ہیں اور کچھ کرتے دھرتے نہیں
میں نے اس مضمون پر بہت کچھ سر کھپایا مگر کوئی
صحیح راستہ نہیں سوجھا، درخواست بھیجی جائے
تو بھی کچھ زیادہ توجہ کی امید نہیں۔

میں اس خیال سے بارہا نہایت تکلیف محسوس
کرتا ہوں کہ تبلیغ کے کام میں اپنا وقت صرف کرنا
چاہتا ہوں مگر معاش کی ضرورتیں وکالت کے کام
کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہیں نتیجہ یہ کہ دونوں
کام ادھورے رہتے ہیں، نہ اس میں برکت نہ اس
میں برکت۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں کام بند ہوا تھا یہ پہلے سوچ لیا
تھا کہ قرض لیکر گذارہ کروں گا اور سال بھر میں
نظام تبلیغ اور سرمایہ تبلیغ کے لئے اس قدر کام
کروں گا کہ سنہ ۱۹۲۵ء سے پھر وکالت شروع کرسکونگا
اسوقت قرض اتار دوں گا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

(ا) میں نے نیا کام لینا بند رکھا اس سے تقریباً آٹھ ہزار روپئے کا نقصان اٹھایا۔

(ب) تین چار ہزار روپیہ تین مختلف شخصوں سے قرض لیا اس میں سے دو شخصوں کو آخر ماہ مئی ۲۶ء تک بیباق کر چکا ہوں تیسرے شخص کے نوسو روپئے ابھی باقی ہیں۔ گویا ڈھائی ہزار ادا کر چکا۔

(ج) جس عرصہ تک کام بند رکھا تبلیغ کو پورا وقت اس واسطے نہ دے سکا کہ پہلے سے جو مقدمات لے چکا تھا اور جن کی فیس واپس کر کے بے تعلق ہو جانے کیلئے روپیہ موجود نہ تھا انکے واسطے کام کرنا پڑا۔

(د) میں نے اشتہار دینا مناسب نہ سمجھا کہ میں بڑا صاحب ایثار ہوں، میں نے تبلیغ کے واسطے وکالت چھوڑ دی ہے مگر پبلک کو اس حد تک معلوم ہوا، اس پر اس بات کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا بلکہ تعجب نہیں کہ بدگمانی ہی پیدا ہوئی ہو کہ وکالت چھوڑی ہے تو تبلیغ سے کسب معاش کرتا ہوگا۔

(ہ) نتائج بالا کو دیکھتے ہوئے آخر کار یکم جنوری ۱۹۲۵ء سے پھر وکالت شروع کر دی اس وقت سے اب تک یہ حالت ہے کہ تقریباً نصف وقت وکالت میں اور نصف تبلیغ وغیرہ قومی کاموں میں صرف کرتا ہوں مگر وکالت کا کام اکھڑ چکا ہے اور اب اچھی طرح جم نہیں سکتا جب تک پہلے کی طرح وقت

نہ دوں، پورا وقت دے نہیں سکتا کیونکہ تبلیغ کو میری طبیعت نہیں چھوڑتی۔

ان باتوں پر غور کر کے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ ریاستوں سے اور ارباب دولت سے امید رکھنا تو فضول ہے (اگرچہ کوشش کرنے کا مخالف نہیں ہوں) بہتر یہی ہے کہ اپنے ہی قوت بازو سے کچھ کیا جائے۔

ایک مرتبہ مسلم ہائی اسکول کیلئے میں نے یہی کیا تھا لوگ چندہ دیتے ہوئے بہت پہلو تہی کرتے تھے در بدر اور دوکان بدوکان پھر کر بڑی ذلت کے ساتھ کچھ جمع ہوتا تھا آخر میں نے عزم کیا کہ میں اپنی آمدنی سے فی روپیہ ایک آنہ مسلم ہائی اسکول کے واسطے نکالا کروں گا اور چندہ جمع کرنے کے واسطے میں نہیں جاؤنگا، کیونکہ جس قدر اس ذلت سے جمع ہوتا ہے اس سے زیادہ میں اس طور سے کر لوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اس سے کئی سال تک مسلم ہائی اسکول کو امداد پہونچی اور اس وقت بند ہوئی جب میں نے تبلیغ کی وجہ سے کام بند کیا، اب بھی میں یہی کہتا ہوں کہ کم از کم اپنا اور ایک تبلیغی کارکن کا خرچ میں خود کما سکتا ہوں پھر کیوں پبلک چندے پر یا کسی ریاست کی مشکوک فیاضی پر آپکا یا اپنا دار و مدار رکھا جائے میں چاہتا ہوں کہ آپ مرکزی دفتر میں آکر کام سنبھالیں حسب ضرورت باہر بھی جائیں جب آپ ایسا کریں گے تو مجھ کو وکالت کے واسطے کچھ زیادہ وقت

مل جائے گا گویا آپ کی امداد کی وجہ سے میں کچھ زیادہ
کما سکوں گا اور جب میری اس زائد آمدنی کا باعث آپ
ہوں گے تو آپ کا حق ہوگا کہ میں آپ کی کچھ خدمت کروں
لہذا میں خود اپنے پاس سے آپ کی خدمت کر دونگا، خلاصہ یہ
کہ آپ میرا کام کریں اور میں آپ کی خدمت کروں۔
بندہ سید غلام بھیک نیرنگ

مولانا نے اس تجویز کے بارہ میں کیا جواب دیا کچھ کہا نہیں جا سکتا اس لئے
کہ انبالہ میں جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کا سارا ریکارڈ ۱۹۴۷ء میں ہند
پاک کی تقسیم کے وقت شر پسندوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مخلص علماء و زعماء اور خادمان ملت جن کو دینی کاموں کی لگن ہوتی
ہے وہ کس طرح کام کرتے ہیں اور کام کے دوران ان کے کیا کیا احساسات
ہوتے ہیں۔ مشکلات اور رکاوٹوں پر وہ کس طرح قابو پاتے ہیں اور ملت
کا ان کے ساتھ کیا رویہ ہوتا ہے یہ مکتوب ایک عمومی جائزہ ہے جو سید
غلام بھیک نیرنگ مولانا سید محمد عبدالحی یا کنور عبدالوہاب خاں ہی کے
ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ان سے پہلے کے افراد بھی ان ہی حالات سے گذر رہے
ہیں۔ اور آج بھی ملی کام کرنیوالے افراد ان ہی حالات سے گذر رہے ہیں۔

پہلا سفر حج

۱۹۲۹ء میں مولانا نے پہلا حج سید غلام بھیک
نیرنگ کی رفاقت میں کیا جس کی روئداد
ماہنامہ تبلیغ میں میر صاحب رح ہی کے قلم سے کئی قسطوں میں شائع ہوئی
افسوس ہے کہ ساری قسطیں دستیاب نہیں ہو سکیں۔

اسی سفر حج میں مولانا حضرت مولانا شفیع الدین (مہاجر مکی) رحمۃ اللہ علیہ (مجاز حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) سے بیعت ہوئے۔

دوسرا سفر حج دوسرا حج ۱۹۳۰ء میں تنہا کیا، اسی موقع پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے ان کو اپنا مجاز تعلیم بنایا اور اپنے بعض منتسبین و متوسلین کو تعلیم کے لئے آپ سپرد کیا، راقم سطور صرف چند افراد سے واقف ہے۔

(۱) حاجی عبدالرؤفؒ: یہ بزرگ حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد اناث سے تعلق رکھتے تھے مولانا سے عمر میں بڑے لیکن دونوں کے درمیان گہرے تعلقات تھے خوش اوقات ہمہ وقت تلاوت اور نوافل میں مشغول رہتے تھے۔

۱۹۳۷ء میں مولانا اپنے ملازم محمد ظہیر خاں عرف منّا کو ساتھ لیکر کسی تبلیغی ضرورت سے بمبئی تشریف لے گئے، ہوٹل میں قیام تھا۔ بمبئی پہونچنے کے چند ہی روز کے بعد ایک دن شب میں محمد ظہیر عرف منّا کو ڈیڑھ بجے بیدار کیا اور ہدایت کی کہ سامان جلد تیار کرو ابھی کوڑہ چلنا ہے، رؤف بھائی کی طبیعت خراب ہے معلوم نہیں جنازہ کی نماز ملے گی یا نہیں۔؟

ملازم حیران رہ گیا کہ نہ تو کوئی خط کوڑہ سے آیا نہ تار میاں کو رؤف میاں کی بیماری کی اطلاع کیسے ہوئی؟ مولانا تو ہدایت دے کر نماز میں مشغول ہو گئے ملازم نے سامان تیار کیا، نماز سے فارغ ہو کر مولانا نے ٹیکسی کے لئے کہا، اسی وقت سامان رکھا گیا اور روانگی ہو گئی، کوڑہ اس وقت پہونچے کہ جب ایک

آدمی گھر گھر حاجی عبدالرؤف صاحب کے انتقال کی اطلاع دے رہا تھا۔

حاجی امیر میاں افریقہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے خاص طور پر امیر میاں کو مولانا کے سپرد کیا تھا۔ ان کی تعلیم کی ہدایت کی تھی یہ بزرگ افریقہ کے بڑے تاجروں میں تھے ہر مہینہ ان کے خطوط مولانا کے پاس آتے رہتے تھے جو انگریزی میں ہوتے تھے مولانا ان کو انگریزی ہی میں جواب دیا کرتے تھے، مرحوم ہر سال حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے حرم مکی میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں انتقال ہوا۔

حاجی عبدالستارؒ الہ آباد کے رہنے والے جوتوں کے تاجر تھے ہر ماہ کانپور آتے دو تین دن قیام رہتا مولانا سے ہدایت لیتے اور چلے جاتے، مولانا کا بھی جب کبھی الہ آباد جانا ہوتا تو حاجی صاحب ہی کے یہاں قیام کرتے تھے۔

(۴) محبوب علیؒ یہ بزرگ کانپور کے جنرل پوسٹ آفس میں پوسٹ ماسٹر تھے تقریباً روزانہ ہی کوئی کتاب لیکر عصر کے بعد آتے مولانا کو سناتے، کچھ دیر تخلیہ میں گفتگو رہتی اور چلے جاتے۔

(۵) کانپور ہی میں ایک صاحب اور بھی تھے جنکا نام مجھے یاد نہیں رہا یہ صاحب بھی روزانہ ہی آتے رہتے تھے انکی آمد پر تخلیہ ہو جاتا اور پھر کیا ہوتا اسکی راقم سطور کیا کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔

کفن اسی حج کے موقع پر مولانا لنکلاٹ کا ایک تھان ساتھ لے کر گئے تھے جسکو انہوں نے زمزم میں کئی بار بھگویا اور خشک کیا تھا یہ

تھا ان کا کفن تھا جس کو وہ ایک لنگی میں لپیٹ کر اپنے سرہانے رکھا کرتے تھے، سفر میں جب جاتے تو سب سے پہلے یہ کفن ہی ہولڈال میں رکھا جاتا،

تبرکات،، اسی حج کے موقع پر غلاف کعبہ کے استر کا اتنا بڑا ٹکڑا لائے تھے جس سے انکی قمیص بن سکتی تھی یہ ٹکڑا بھی اسی کفن کے ساتھ رہتا تھا، یہ دونوں چیزیں بالآخر ان کے کام آئیں۔

دعا اور سلام سنہ ۱۹۳۱ء ہی کے حج کے موقع پر ہندستان کے تمام دینی اداروں اور جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام نیز جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبجات متحدہ کے ساتھ ساتھ کوڑہ، آگرہ، پٹیالہ کانپور، بمبئی، انبالہ، علیگڑھ، جے پور، فرخ آباد، دہلی، سندیلہ، اہر ولی، فتحپور، اٹاوہ، ہمیرپور، سیونی، وغیرہ تقریباً ۲۱ مقامات کے ۶۰ اشخاص وافراد کیلئے خصوصی دعائیں کیں اور سلام پہونچائے جن میں مرد، عورتیں، عالم، جاہل، وضیع وشریف سب شریک تھے، ایسے مسلمان جن کو اپنے اسلام وایمان کے اظہار واعلان کی اب تک توفیق نہیں ہوئی تھی نام بنام ان کے لئے بھی دعائیں کیں۔

مولانا کی ان دعاؤں اور سلام رسانی میں بعض مخصوص افراد بھی تھے۔

(۱) مولانا محمد ہاشم جمیل الخلیل (۲)، قاضی محمد سلیمان منصورپوری مصنف رحمۃ للعالمین (۳)، کنور عبدالوہاب خاں رئیس ملٹارک (۴) مولوی سعید حسین برادرزادہ حضرت شیخ المسند رحمۃ اللہ علیہ (۵)، سید محفوظ علی ڈپٹی کلکٹر فتحپور (۶) سید غلام بھیک نیرنگ انبالہ (۷)، مولانا سید شاہ

ابوطاہر خانقاہ حضرت شاہ غلام رسول رحمہ اللہ کانپور۔

کوڑہ جہان آباد دشمنوں کے محاصرہ میں

۱۹۳۱ء میں تعزیوں کے جلوس کے سلسلہ میں مسلمانوں نے اپنے علم نکالنے کے لئے کانپور میں بجلی کے تار ہٹائے جانے کا حکومت سے مطالبہ کیا جسکو انتظامیہ نے ہندو مسلم فساد کا رخ دے دیا اس زمانہ میں ہندو مسلم آبادیاں مشترک تھیں جسکی وجہ سے مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا، قتل و غارتگری، املاک کی تباہی مساجد کی ویرانی و بربادی مستزاد تھی، جس کے بعد مسلمانوں نے اپنے زون علیحدہ بنائے، افتخار آباد، ناظر باغ، سعید آباد، شفیع آباد، نسیم آباد، ہمایوں باغ، چمن گنج، سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد کے مسلم محلے ہیں، اس فساد کے موقع پر حکومت نے امن قائم کرنے کے لئے قریبی اضلاع سے بھی فورس طلب کر لی تھی۔ [۲۱۹]

کانپور کے اس ہنگامہ کی اطلاعات مضافاتی مقامات پر بھی پہنچ رہی تھی جن سے قصبہ کوڑا، جہان آباد بھی متاثر تھا، اسی درمیان ہونے والی بات یہ ہوئی کہ کوڑہ، جہان آباد کے قریب موضع لونارہ میں تحصیلدار اپنے سپاہیوں کے ساتھ مال گزاری وصول کرنے کے لئے آیا، بازار کا دن تھا، واجبات کی وصولی میں اس نے سختی کی بعض کاشتکاروں کو مارا پیٹا بھی اس کی ان حرکتوں کو ایک مسلمان کاشتکار بڑی دیر سے دیکھ دیکھ کر کڑھ رہا تھا بالآخر وہ برداشت نہ کر سکا تحصیلدار کو اس طرح مارا کہ وہ

۲۱۹۔ ہنگامہ کانپور مرتبہ ہدایت حسین بیرسٹر

اس مار کی تاب نہ لا سکا ختم ہوگیا بھگدڑ مچ گئی سرکاری رقم کے ساتھ بازار بھی لوٹا گیا، یہ خبر کوڑہ جہان آباد بھی پہونچی جہان آباد کے سب سے بڑے زمیندار رائے بہادر ادیا سرن سنگھ نے مسلمانوں کی لوٹ مار کے اندیشہ سے اپنے مواضعات سے ایک ہزار مسلح آدمیوں کو بلا کر کوڑہ جہان آباد کے مغربی اور مشرقی سمت پانچ پانچ سو کی تعداد میں متعین کر کے ان کا راشن پانی جاری کر دیا۔

عم گرامی مولوی سید اخلاق احمدؒ نے قریبی محلوں کے غریب مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو اپنے مکانات میں ان کی حفاظت کے لئے جگہ دی اور مردوں کو لاٹھی ڈنڈے اور بلم سے مسلح کر کے مغربی اور مشرقی سمت میں متعین کر دیا، محلہ میں جن لوگوں کے پاس بندوقیں تھیں ان میں کچھ کو مغربی سمت اپنے مکان کی چھت پر اور مشرقی سمت مولانا عبدالحئیؒ کے مکان کی چھت پر لگا دیا کہ اگر مغربی سمت سے حملہ ہو تو ادھر لوگ مقابلہ کریں اور مشرقی سمت سے حملہ ہو تو ادھر کے لوگ مقابلہ کریں ساتھ ہی مولانا عبدالحئیؒ کو آگرہ تار دے کر اطلاع دی۔

مولانا اس محاصرہ کے تیسرے دن کوڑہ پہونچے ان کی رائے یہ ہوئی کہ پہلے رائے بہادر ادیا سرن سنگھ سے بات کر لی جائے اسکے بعد کوئی رائے قائم کی جائے۔

چونکہ کشیدگی بہت بڑھ چکی تھی اس لئے اعزا میں کوئی بھی رائے بہادر کے پاس جانے کیلئے تیار نہ ہوا، مجبوراً مولانا تنہا جانے کیلئے آمادہ ہوئے چلنے لگے تو عم گرامی مولوی حاجی حبیب اللہ

نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود لاٹھی اٹھائی اور ساتھ ہولئے۔
رائے بہادر کی ڈیوڑھی کے قریب پہونچکر دیکھا کہ جہان آباد کی سمت رائے بہادر کے جو آدمی متعین تھے وہ سامنے بیٹھے ہیں اور ماموے بہادر ان کو کچھ ہدایات دے رہے ہیں مولانا نے راستہ کاٹا اور انسیی راہ سے چلے کہ رائے بہادر کے سر پر پہونچ گئے مولانا کو اچانک دیکھ کر رائے بہادر بوکھلائے اور ہکلا کر پوچھا غضب ما لحی تم اس وقت کیسے آگئے' اچھا بیٹھو' مولانا نے ان سے کہا پہلے اس مجمع کو رخصت کرو تب بیٹھوں گا' رائے بہادر نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ دو دو آنے اور ایک ایک بھیلی گڑ دے کر ان لوگوں کو رخصت کرو جہاں ٹھہرے تھے وہیں جائیں' ان کے حکم کی تعمیل ہوئی تب مولانا بیٹھے اور سوال کیا کہ کیا قصہ ہے یہ لوگ یہاں کیسے اور کوڑہ کی سمت کیا کیسے اور کیوں تم نے بلائے رائے بہادر نے تو نارہ کا پورا واقعہ بیان کیا اور اپنا یہ خدشہ بھی ظاہر کیا کہ مسلمان یہاں بھی حملہ کرینگے لوٹ مار ہوگی۔

مولانا نے کوڑہ جہان آباد کے مسلمانوں کی طرف سے رائے بہادر کو اطمینان دلایا اور یہ کہا کہ کشیدگی بڑھانے کے بجائے مل بیٹھکر بات کرلینا۔ مناسب ہوگا، کل ایک جلسہ کا اعلان کرادو جس کی صدارت تم کروگے اور میں ہندو مسلم اتحاد پر تقریر کروں گا رائے بہادر تیار ہوگئے تو یہ حضرات کوڑہ واپس آئے۔

| یونیٹی بورڈ | دوسرے دن رائے بہادر نے ہندو مسلم مشترکہ جلسہ کا اعلان کرایا مقررہ وقت پر انہی کی صدارت |

میں جلسہ شروع ہوا، مولانا نے ہندو مسلم اتحاد پر تقریر کی حاضرین جلسہ کی تائید سے ایک "یونیٹی بورڈ" کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر رائے بہادر منتخب ہوئے اسٹیج پر ہی اس بورڈ کا جلسہ ہوا جس میں چند تجاویز منظور کی گئیں اور ایک وفد کی تشکیل کی گئی جس کو رائے بہادر کی سربراہی میں فتحپور جاکر ڈی، ایم سے ملنا اور منظور شدہ تجاویز پیش کرنا تھا۔

تیسرے دن یہ ڈپوٹیشن رائے بہادر صدر یونیٹی بورڈ اور مولانا کی سربراہی میں فتحپور جاکر ڈی، ایم اور ایس پی سے ملا۔ ڈی، ایم نے تجاویز پڑھکر اظہار مسرت کیا اور یہ معذرت بھی کی کہ ضلع کی فورس چونکہ کانپور گئی ہوئی تھی اسلئے بروقت ہم کوڑا جہان آباد نہیں پہونچ سکے مجھے آپ لوگوں نے یونیٹی بورڈ بناکر بہت اچھا کام کیا۔

مولانا کی اس بروقت تدبیر سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی کی گلو خلاصی ہوئی، جان ومال کی تباہی وبربادی کے جو آثار نمایاں ہوگئے تھے وہ ختم ہوگئے۔

دہلی وقف بورڈ دہلی اور اسکے بائی لاز

انجمنوں اور سوسائٹیوں کے بائی لاز تیار کرنے میں مولانا کو ایک گونہ مہارت حاصل تھی، دہلی میں جب دہلی وقف بورڈ کی حکومت نے ۱۹۳۲ء میں تشکیل کی تو اس کے بائی لاز بنانے کے لئے سید غلام بھیک نیرنگ رح کو بحیثیت ایڈوکیٹ پنجاب ہائی کورٹ منتخب کیا۔

میر صاحب نے مولانا کو آگرہ خط لکھکر دہلی بلایا اور صورتحال سے

مطلع کیا، مولانا نے میر صاحب ہی کے پاس چند دن قیام کر کے دہلی وقف بورڈ کے آنیشیل بائی لاز کا مسودہ تیار کیا، میر صاحب کے حوالہ کر کے خود آگرہ چلے آئے۔ یہ مسودہ کن منزلوں سے گذرا اس بارہ میں راقم الحروف کو کوئی علم نہیں لیکن ۱۹۵۸ء میں جب جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کو دہلی وقف بورڈ پر دہلی کی جائیداد مشترکہ کی حساب فہمی کا مقدمہ دائر کرانا پڑا تو مولانا نے راقم سطور سے یہ فرمایا کہ:

"دہلی وقف بورڈ کے بائی لاز میر صاحب کے کہنے پر ہم ہی نے بنائے اور میر صاحب نے منظور کرائے تھے اب آج وقف بورڈ ہم کو ہی پریشان کر رہا ہے۔" [۲۱۹]

تیسرا سفر حج

۱۹۳۹ء میں جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ جات متحدہ کا دفتر آگرہ سے کانپور منتقل ہو چکا تھا اور مولانا کا زیادہ تر قیام کانپور ہی رہتا تھا، اچھوتوں میں تبدیل مذہب کی تحریک کی وجہ سے صوبائی اور مرکزی جمعیتہ کے کام بڑھ گئے تھے۔ میر صاحب اور مولانا کی مصروفیات میں اضافہ ہو گیا تھا، ایسے میں ایک شب اچانک سید شاہ واعظ حسن صاحب عرف بھولے میاں مولانا کے پاس پہونچے اور اپنے سفر حج

---

[۲۱۹] مولانا اس وقت جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کے معتمد عمومی تھے اور یہ مقدمہ انہوں نے جمعیتہ کی جانب اور ندوۃ العلماء کے مالی تعاون سے دائر کیا تھا۔

کا خیال ظاہر کیا مولانا سے رفاقت کے خواہشمند ہوئے مولانا نے کاموں کی زیادتی کی وجہ سے پہلے تو عذر کیا لیکن بھولے میاں کے اس کہنے پر کہ میں تنہا ہوں اور مقامات مقدسہ سے بالکل ناواقف آپ کئی بار جا چکے ہیں مقامات سے بھی واقف ہیں اور اشخاص و افراد سے بھی واقف ہیں اس لئے آپ کا چلنا ضروری ہے۔

صبح مولانا نے ایک صاحب کو لکھنؤ راقم سطور کو لینے کے لئے روانہ کیا اور خود نیز بھولے میاں ٹیکسی کے ذریعہ کوڑہ اعزاء سے رخصت ہونے کے لئے چلے گئے۔ کانپور پہونچکر معلوم ہوا کہ حج کا پروگرام بن گیا ہے کوڑہ گئے ہیں شام کو واپسی ہوگی، چنانچہ شام کو دونوں حضرات واپس ہوئے ساتھ میں عم گرامی مولوی سید اخلاق احمد بھی تھے، دوسرے دن تجانسی میل سے تینوں بزرگوں کی بمبئی کیلئے روانگی ہوگئی

اسی حج کے موقع پر مولانا نے راقم سطور اپنی ہمشیرہ اور اہلیہ کو بطریق بیعت عثانی حضرت مولانا شفیع الدین مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے داخل سلسلہ کرایا اور راقم سطور کو یہ ہدایت کی کہ ہر ہفتہ حضرت شیخ کو خط لکھتے رہا کرو، جس کی میں نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے ۱۹۳۸ء میں وصال فرمانے تک تعمیل کی۔

اس حج کے موقع پر ۱۰۲ افراد و اشخاص مولانا کی دعاؤں اور سلام رسانی میں شریک رہے۔

مدرسہ اسلامیہ کوڑہ میں عربی سکشن

مولانا سید شاہ واحد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے
بنارس اور لکھنؤ منتقل ہو جانے کے بعد کوڑہ میں عربی تعلیم کا کوئی نظم
نہیں رہ گیا تھا، جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے ارکان کی رائے
اور مشورہ سے ۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں مولانا نے حضرت شاہ جمال اولیاء
رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم مدرسہ اسلامیہ میں عربی سکشن قائم کیا مدرسہ
امینیہ دہلی کے ایک فاضل استاذ مولانا محمد یونس ؒ کو بچوں کی تعلیم کے
لئے مقرر کیا، مولانا محمد یونس ٹھوس صلاحیت کے مالک تھے ان کا مطالعہ
بہت وسیع تھا، وہ اپنے تلامذہ میں مقبول و محبوب بھی تھے تین چار
سال کے عرصہ میں کئی طلبہ کا ایک گروپ انہوں نے تیار کر دیا تھا۔
جس کا داخلہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کرایا گیا۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں مولانا محمد یونس کو کچھ ایسی مصروفیات پیش آ گئیں
موسم گرما کی تعطیل ختم ہونے کے بعد کوڑہ نہ آ سکے، اس کے علاوہ
یہ زمانہ اچھوتوں میں تبلیغ و اشاعت نیز ہیرالال گاندھی کے قبول اسلام
کے سلسلہ میں مولانا کے اسفار بکثرت ہوتے رہتے وہ بھی ادھر
متوجہ نہ ہو سکے اور پھر سنہ ۱۹۳۷ء میں تو انہوں نے کوڑہ ہی چھوڑ
دیا جس کی بناء پر یہ عربی سکشن ختم ہو گیا۔

کانپور میں صوبائی تبلیغ کانفرنس

گاندھی جی کے لڑکے ہیرالال گاندھی جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام
کے سفیر مولوی حکیم سمیع اللہ مسکین انصاری اور مولوی فصیح الزماں مبلغ
انجمن تبلیغ الاسلام ناگپور کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا جس

کے قبول اسلام کا چرچا ہندوستان سے گزر کر مصر بھی پہونچا تھا۔

مولانا سید محمد عبدالحئی کی تحریک پر جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ نے ایک کانفرنس کے انعقاد کی تجویز منظور کی تھی جسکی صدارت کے لئے ہیرالال گاندھی (معروف عبداللہ گاندھی) تجویز ہوئے تھے۔

کانفرنس کا اصل مقصد مسلمانوں کو اچھوتوں میں اشاعت اسلام کی طرف متوجہ کرنا تھا جس کی کامیابی کے لیے مولانا نے کانپور میں مسلسل قیام کیا اور اسکے انتظامات مکمل کیے۔

یہ کانفرنس ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء سے ۳۰ ستمبر تک شیخ عبداللہ گاندھی کی صدارت میں جاری رہی، اس کانفرنس کے ایام میں کانپور جوش و خروش کا ایک لہراتا ہوا سمندر تھا۔[۲۲۰]

ہیرالال گاندھی کے قبول اسلام اور کانپور میں منعقدہ تبلیغی کانفرنس نے ملک کی تمام غیر مسلم اقوام کو ہلا کر رکھ دیا، شیخ عبداللہ گاندھی کو مرتد کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا گیا بالآخر اس نے آریہ دھرم قبول کر لیا۔[۲۲۱]

ہندوستان سے ہجرت کا ارادہ

کچھ عرصہ سے مولانا ہندوستان سے مکہ مکرمہ ہجرت کا ارادہ کر رہے تھے لیکن حالات نامساعد تھے تبلیغی اور دعوتی مصروفیات بھی حائل تھیں، اُم سطوۃ کی والدہ کے

۲۲۰-۲۲۱ "اچھوتوں میں اشاعت اسلام" ص ۱۱ و ۱۲

انتقال کے بعد دادا مرحوم مولوی سید لیاقت حسینؒ نے مرحومہ کی زمینداری کا بحصہ شرعی راقم سطور اور والد گرامی کے نام داخل خارج کرادیا تھا۔

سو بیگھہ آراضی کا ایک فارم والد صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس تھا جس پر وہ ملازمین کے ذریعہ کاشت کراتے تھے۔ مولانا نے ہجرت کے ارادہ کے پیش نظر پہلے تو راقم سطور سے مومنیہ پنساری وقف علی الاولاد کرایا پھر مذکورہ فارم بھی انھوں نے ختم کیا اور اب حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو اپنے عزم ہجرت کی اطلاع دے کر اجازت چاہی لیکن حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے مولانا کو ہجرت سے روک دیا اور یہ تحریر فرمایا کہ "دعوت و تبلیغ کا جو کام آپ ہندوستان میں کر رہے ہیں یہ کام حضرات علماء میں سے کوئی بھی نہیں کر رہا آپ کے چلے آنے سے دین کا یہ کام بند ہو جائے گا اس لئے آپ وہیں رہ کر اپنے کام میں مشغول رہیں ہجرت کا ارادہ نہ کریں"

کوڑہ سے کانپور

ایک تو حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی ہجرت سے ممانعت دوسرے تبلیغ کے کاز کو زیادہ سے زیادہ قوی اور با اثر بنانے کی نیت کے سوا اور بھی کچھ وجوہ تھے جن کی بنا پر مولانا نے کانپور میں مکان تعمیر کرایا۔ اور کوڑہ سے کانپور منتقل ہو گئے۔

جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے دفتر کی کانپور منتقلی

پھر آگرہ کے اراکین و معززین کی پیہم درخواستوں کے باوجود

مولانا نے جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کا دفتر اپنے مکان کی پہلی منزل میں کان پور منتقل کرایا، صوبائی جمعیۃ کی سرگرمیوں کا سلسلہ کانپور سے شروع ہو گیا۔

صوبائی جمعیۃ کی جماعت منتظمہ کی منظوری سے اسلام پرچارک سنگھ کے نام سے ایک کمیٹی بنائی جس کے اہم اراکین میں ہندی اور سنسکرت کے فاضل مولوی ناصر الدینؒ عرف ستیہ دیو اور جافنی عابد علیؒ جلبوری تھے۔[221]

اس کمیٹی نے جماعت منتظمہ کی منظوری سے مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ کی معروف تفسیر ترجمان القرآن کا ہندی میں ترجمہ کا کام شروع کیا نیز "اسلام" نامی ایک رسالہ کا ہندی اردو دونوں ہی زبانوں میں اجراء کیا۔ جس کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا۔ مولوی ناصر الدینؒ عرف ستیہ دیو قرآن کریم کے ہندی ترجمہ کی غرض سے ایک مقدمہ لکھا ترجمہ شروع نہیں کرسکے تھے کہ وقت موعود آپہونچا، معمولی علالت کے بعد جان جان آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ناظم کلیات کنور عبدالوہاب خاں کا سانحہ ارتحال ۱۹۴۷ء

صوبائی جمعیۃ

---

[221] مولوی ناصر الدینؒ سنسکرت کے نومسلم فاضل تھے ویدوں پر انہوں نے کئی کتابچے تحریر کئے اور چھپوائے تھے مطالعہ بہت وسیع تھا ان کے کتب خانہ میں بہت اہم کتابیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

تبلیغ الاسلام کے دفتر کی آگرہ سے کانپور منتقلی کے بعد جمعیتہ کی مجلس
عاملہ کا جلسہ ہوا، جس میں کنور عبدالوہاب خاں ناظم کلیات حسب معمول شریک
ہوئے واپسی پر ان کے سانحہ ارتحال کی اطلاع ملی جس نے مولانا اور
میر صاحب کو شدید طور پر متاثر کیا۔

کنور صاحب سے مولانا کے تعلقات تحریک خلافت کے دور سے تھے
پھر فتنہ ارتداد کے موقعہ پر دونوں نے ایک دوسرے کی رفاقت کی جمعیتہ
کے لٹریری کام میں کنور صاحب مالی امداد بھی کرتے تھے، تبلیغ و دعوت
کے کام میں اپنی جائیدادوں کے نظم و انتظام سے بے توجہ ہوئے اور
مقروض بھی جس کا ایک نمونہ پچھلے اوراق میں دے چکا ہوں۔

مولانا نے شدت تاثر کی حالت میں اپنے مکان کی (جو ابھی زیر
تعمیر ہی تھا) بیرونی دیوار پر "بیادگار کنور عبدالوہاب منزل" کا ایک
کتبہ لگوا دیا جو بعد میں سنی وقف بورڈ لکھنؤ کیلئے درد سر بن گیا۔

نظامت کیلئے مولانا کا انتخاب

تعزیتی جلسہ کے موقع پر اراکین جماعت منتظمہ نے
بالاتفاق مولانا ہی کا انتخاب کیا۔

چوتھا حج

سنہ ۱۹۴۴ء کی بات ہے مولانا کا مکتوب راقم سطور کو
دیوبند میں ملا کہ میر صاحب حج کے لئے جا رہے ہیں
تم انبالہ جا کر ان سے مل لو، میں جب انبالہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ میر صاحب
کل ہی حج کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، اس خیال سے کہ میر صاحب
کو رخصت کر کے ہی مجھے واپس ہونا چاہئیے میں اس دن ٹھہر گیا،
میر صاحب نے مجھ سے پروگرام پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کو

رخصت کرکے واپس جاؤں گا ابھی ہم لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ مولانا کا تار پہونچا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قاضی منظور علی صاحب شمس آبادی کے ساتھ انبالہ پہونچ رہے ہیں دوسرے دن اسٹیشن پر ملاقات ہوئی تو قاضی صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ بھی حج کو جا رہے ہیں ان کو کراچی تک رخصت کرنے کے لئے شمس آباد ہی کے ایک صاحب عبدالواحد خاں صاحب جا رہے ہیں ۔

میر صاحب اور مولانا کے درمیان علیحدگی میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی، اچانک ہی والد صاحب میری طرف متوجہ ہو گئے، میرا پروگرام دریافت کیا میں نے عرض کیا کہ میں کسی گاڑی سے واپس ہو جاؤں گا مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ جمعیۃ کے سلسلہ میں میر صاحب کو کچھ کہنا سننا اور مشورہ کرنا ہے، مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ آپ لاہور تک چلیں میں واپسی میں تنہا ہو جاؤں گا اس لئے تم بھی اگر لاہور تک چلے چلتے تو میر صاحب کو وہاں سے رخصت کرکے ساتھ ہی واپسی ہوتی چنانچہ لاہور کا سفر شروع ہو گیا، شام کو لاہور پہنچے رات میں کافی دیر تک دونوں حضرات میں بات چیت ہوتی رہی، یہ سلسلہ صبح کو بھی جاری رہا، لیکن شاید کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، والد صاحب علیہ الرحمہ کو پھر کراچی تک سفر کرنا پڑا، حاجی کیمپ میں چند دن قیام رہا بحری جہاز کی روانگی سے ایک دن پہلے معلوم ہوا کہ مولانا، اور عبدالواحد خاں صاحب کے سفر حج کا بھی پروگرام بن گیا، راقم سطور کو تنہا کراچی سے واپس ہونا پڑا۔ یہ مولانا کا چوتھا سفر حج تھا۔

”مدینہ منورہ کا دارالایتام والصنائع الوطنیہ“

یہ زمانہ وہ تھا کہ حجاز نجد

کے اکثر عرب خانوادے معاشی حیثیت سے پسماندہ تھے، تیل کی یہ دولت جو آج نظر آرہی ہے اس وقت دریافت نہیں ہوئی تھی بالعموم عرب اپنے متعارف حاجیوں کے پاس ہندوستان آیا کرتے اور حجاج کرام ہی نہیں دوسرے اصحاب خیر بھی ان کی معاونت کرتے رہتے تھے اسکے علاوہ جب حاجیوں کے قافلے حج کے ارادہ سے بمبئی یا کراچی کے لئے روانہ ہونے لگتے تھے تو ہندوستان کے اصحاب خیر حرمین شریفین کے غرباء میں تقسیم کے لئے رقمیں دیتے رہتے تھے۔

ان ہی حالات کے پیش نظر بمبئی کے ایک بڑے تاجر عبدالغنی دادا بھائی نے مدینہ منورہ کے یتامیٰ کی دینی تعلیم اور صنعت و حرفت سکھلانے کی غرض سے "دار الایتام والصنائع الوطنیہ" نامی ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی تھی، جس کا معائنہ میر صاحب اور سید صاحب نے بھی کیا۔

متعدد ملاقاتوں کے دوران یہ طے پایا کہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی طرح دار الایتام کا بھی کوئی وکیل اور خازن ہندوستان میں ہو جو لٹریچر وغیرہ کے ذریعہ ہندوستان میں اس ادارہ کا تعارف کرائے۔

چنانچہ تعارف کے سلسلہ میں لٹریچر وغیرہ کی اشاعت کا کام مولانا کے سپرد ہونا طے پایا گیا اور خازن کے لئے خود عبدالغنی دادا بھائی کا تجارتی دفتر تجویز کیا گیا، اس ضمن میں مولانا نے کچھ لٹریچر شائع بھی کیا، لیکن مالی نا مساعدت کی وجہ سے یہ کام زیادہ نہ چل سکا

درگاہ کمیٹی اجمیر کے بانی تھے اجمیر شریف کی درگاہ کے سلسلہ میں بعض قصے قضیوں کی وجہ سے

حکومت ہند نے درگاہ کمیٹی قائم کی اور اسکے دفتری بائی لاز کی ترتیب وتسوید کے لئے بحیثیت ایڈوکیٹ پنجاب ہائیکوٹ سید غلام بھیک نیرنگ کی خدمات حاصل کی گئیں، میر صاحب نے سید صاحب کو کانپور خط لکھ کر پوری صورت حال بتائی اور اجمیر جانے کی زحمت دی، مولانا اجمیر پہونچے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، درگاہ کمیٹی کے ممبران سے ملکر تبادلہ خیال کیا، اور پھر بائی لاز کی ترتیب وتسوید میں مصروف ہوگئے۔

رحمۃ للعالمین کا ہندی ترجمہ

بائی لاز مرتب کر کے مولانا نے میر صاحب کو دہلی روانہ کئے اور خود اجمیر ہی میں ان کی منظوری کی اطلاع کا انتظار کرتے رہے، میر صاحب کے اطلاعی تار پر مولانا نے درگاہ کمیٹی کا پہلا جلسہ اسکے ذمہ داروں سے کہہ کر اپنے سامنے طلب کرایا، ایجنڈہ کی دوسری دفعات کے ساتھ ساتھ مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر معروف کتاب رحمۃ للعالمین کے ہندی ترجمہ کے مصارف کی بھی منظوری کرائی۔

درگاہ کمیٹی کے اس پہلے جلسہ کی پوری کارروائی نقل کراکر میر صاحب کو دہلی روانہ کی اور خود کانپور واپس آکر ترجمہ کے کام کی تیاری میں مصروف ہوگئے، جلد اول کا ترجمہ درگاہ کمیٹی اجمیر کے مصارف پر شائع ہوا۔

۱۹۴۵ء کے الیکشن میں حصہ لینے سے مولانا کی معذرت

۱۹۳۷ء میں مسٹر محمد علی جناح کی رہنمائی میں مسلم لیگ کا احیاء ہوا، جس نے اکثر مسلمانوں کی توجہات پاکستان کے مطالبہ کی جانب مبذول کردیں، ۱۹۴۵ء الیکشن کے موقعہ

پر مولانا کے بہت قریبی حلقہ کے لوگوں نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کی رائے دی، اور اس پر اصرار بھی کیا، مولانا اپنے دعوتی کاموں کی وجہ سے متفرد ہوئے یہ مشورہ دینے والے اتنے قریبی لوگ تھے کہ مولانا نے ان کو خود کوئی جواب دینے کے بجائے قاضی عابد علی بلہوری مرحوم اور راقم سطور کو ڈاکٹر سید عبدالعلی علیہ الرحمۃ ناظم ندوۃ العلماء کے پاس اپنے مراسلہ کے ساتھ روانہ کیا، ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ نے خط پڑھا اور جواب تحریر کیا کہ "آپ کے دعوتی کام کو نقصان پہنچے گا اس لئے آپ کا الیکشن میں کھڑا ہونا مناسب نہیں"

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ کے اس مکتوب کو حیلہ بناکر مولانا نے الیکشن میں حصہ لینے سے معذرت کر دی۔

تقسیم ہند کی تباہی و بربادی

۱۹۴۷ء میں سید غلام بھیک نیرنگ قیام پاکستان کی تقریب میں شرکت کے لئے لاہور اور کراچی تشریف لے گئے ہند و پاک کی آزادی کے اعلان پر دونوں ہی خطوں میں شدید قسم کے ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے جن کی وجہ سے میر صاحب واپس ہندوستان نہ آسکے، ادھر انبالہ میں میر صاحب کا مکان اور مرکزی جمعیۃ کا دفتر شرپسندوں نے سوخت کر دیا، نذیر محمد منصرم، جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کے ضروری ضروری کاغذات کسی طرح نکال کر لاہور پہونچ گئے، ڈاک کی آمد و رفت کا سلسلہ جب شروع ہوا تو میر صاحب نے سید صاحب کو صورت حال سے مطلع کیا آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے انہوں نے سید صاحب کو لاہور آنے کی دعوت دی، مولانا نے بمشکل ڈی، ایم سے پاکستان کے سفر کا

پرمٹ حاصل کیا لاہور گئے، رائے اور مشورہ کے بعد اہم اور ضروری کا غذات لیکر واپس ہندوستان تشریف لائے۔ نمبر ۲۲۳

پاکستان سے واپسی کے مرکزی جمعیتہ کا جدید انتخاب صوبائی جمعیتہ کا انضمام

بعد مولانا نے جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کی جماعت منتظمہ کا جلسہ طلب کیا، اراکین جمعیتہ کے سامنے صورت حال رکھی اور جدید انتخاب کی ضرورت ظاہر کی۔

اراکین جمعیتہ کا یہ جلسہ دو یوم صبح و شام جاری رہا بیش پا افتاد ہر ہر مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہی، جن کے تذکرہ کے یہ اوراق متحمل نہیں اکثر مسائل جمعیتہ کی روداوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا ہی لکھنا ہے کہ :

(۱) اراکین کے عمومی اتفاق رائے سے مولانا ہی کا انتخاب معتمد عمومی (جنرل سکریٹری) کی حیثیت سے عمل میں آیا۔

(۲) جمعیتہ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے جمعیتہ مرکزیہ میں انضمام کی تجویز منظور ہوئی

پاکستان کے سفر

سید غلام بھیک نیرنگ کی اطلاع و دعوت پر ۱۹۴۸ء میں مولانا نے پاکستان کا پہلا سفر جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کی ضرورت سے کیا تھا واپسی

---

۲۲۳ لوٹ مار قتل و غارتگری کے اُس دور میں پاسپورٹ سسٹم نہیں تھا ڈی ایم کے پرمٹ سے ہی پاکستان کا سفر ہو سکتا تھا۔

پر میر صاحب کے بھائی سید عبد الرحمن لفٹیننٹ کرنل سے جو حکومت پاکستان کی جانب سے پاکستان جانے والے پناہ گزین مسلمانوں کو سہولتیں پہونچانے کے لئے امرتسر میں متعین تھے اپنے اور اپنے تعلق کے دو گھرانوں کے لئے پرمٹ حاصل کئے، لیکن اس موقعہ پر کوئی بھی خانوادہ پاکستان جانے کے لئے تیار نہیں ہوا، یہ پرمٹ بیکار ہو گئے۔

۱۹۵۸ء میں مولانا نے دوسرا سفر ذاتی حیثیت میں کیا کراچی پہونچکر اپنے اور دوسرے گھرانوں کے تعلیمیافتہ لیکن بیکار جوانوں کو ملازمتیں دلوا کر کام سے لگوایا، جو لے گھر تھے ان کے لئے کوارٹر الاٹ کرائے۔ دو تین ماہ قیام کرکے واپس چلے آئے۔

۱۹۶۵ء میں تیسرا سفر بھی ذاتی حیثیت میں کیا ماہ دو ماہ کے بعد ہند پاک جنگ چھڑ گئی جس کی وجہ سے قیام طویل ہو گیا۔

اس سفر میں بعض تجارت پیشہ واقف افراد کی اس شکایت پر کہ حکومت زکوٰۃ کی رقم پر بھی انکم ٹیکس لگاتی ہے زکوٰۃ کے خرچ کو مصارف میں محسوب نہیں کرتی۔

مولانا نے چند واقف وکلاء سے مشورہ کیا ایک تاجر کا حساب بنوایا کھاتہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ میں دکھلائی اور ایک درخواست کے ساتھ انکم ٹیکس آفس میں اس تاجر کا کھاتہ پیش کرایا، انکم ٹیکس آفیسر نے خود ملکر بابت کی زکوٰۃ کی رقم مصارف میں محسوب کرا دی۔

لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دوسرے تاجروں نے بھی مولانا کی اس تدبیر سے فائدہ اٹھایا یا نہیں؟

قانون وضابطہ

مولانا قانون اور ضابطہ کے آدمی تھے، معمولی سی بے ضابطگی پر بھی ٹوک دیتے تھے، دفتری اوقات میں وہ خود کو بہت زیادہ مصروف رکھتے تھے، ان کی موجودگی میں دفتر کے اندر سکون اور وقار کی کیفیت رہتی تھی، بلا ضرورت کارکن افراد ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے دفتر سے جب اٹھ جاتے تھے تب ہی لوگ باہم بولتے چالتے تھے۔

مولانا کے پاس ملکی قانون کی مختلف کتابیں موجود رہتی تھیں کوئی نیا قانون بنتا تو اس کی کتاب فوراً منگوا لیتے تھے۔ جمعیۃ سے متعلق یا افراد واشخاص سے متعلق کوئی معاملہ آتا تو ضابطہ دیکھ کر اس کا حل نکال لیتے تھے۔

گنوڈین کے ایک کیس کیس کے سلسلہ میں جو جوڈیشیل کورٹ میں چلا گیا تھا، میں نے وکیل سے بات کی تو اس نے فیس کی رقم بہت بتائی، دفتر آکر مولانا سے واقعہ عرض کیا تو انہوں نے "ایو کیشن پرائیویٹ ایکٹ" نکالا، چند منٹ متعلقہ دفعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھ سے کہا کہ میں بولتا ہوں تم لکھو، جب وہ فارغ ہوئے تو میری اسپیلنگ کی غلطیاں درست کر کے درخواست ٹائپ کرائی، اس میں "ویریفیکیشن" کی عبارت کا اضافہ کیا، دوسرے دن صبح میں وہ درخواست لے کر لکھنؤ جوڈیشیل کورٹ پہونچا درخواست گذاری پیشکار نے مجھ سے کہا کہ جب تاریخ مقرر ہوگی تو آپ کو اطلاع کی جائے گی اس وقت سیپیر دی بجے گا۔

۱۹۳۶ء میں موضع بتاری کا اپنا حصہ میں نے وقف علی الاولاد

کیا تھا، خاتمہ زمینداری کے موقعہ پر وقف علی الاولاد زمینداری
میں محسوب ہوا، مولانا نے "زمینداری ابالیشن ایکٹ"
منگواکر اس کا جائزہ لیا، جب اعجاز بھائی مختار عدالت تحصیل
کھجوہ کالن پور آئے تو ان سے کہا کہ اس "وقف علی الاولاد"
کو "وقف علی الخیر" کرادو، ان کو زمینداری ابالیشن ایکٹ
کی دفعہ نوٹ کرائی۔

چنانچہ اعجاز بھائی نے تحصیلدار کے سامنے میرا بیان کرایا
اور مذکورہ جائیداد وقف علی الخیر ہوگئی جس کی اینوٹی بنی [۲۲۳]

وصیت نامہ

مولانا کے قلب ودماغ پر "اذکروا
ھادم اللذات" کی بڑی گہری چھاپ
تھی، اکثر وبیشتر موت کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ میری عمر
سات آٹھ سال کی تھی مجھے اپنے ساتھ آگرہ لے جا رہے تھے
انٹر کلاس کمپارٹمنٹ میں ہم لوگ تنہا تھے، مولانا مجھ سے پہلے
تو مختلف سوالات کرتے رہے اسکے بعد اچانک انھوں نے دریافت
کیا اچھا یہ بتاؤ کہ "پہلے میں مروں گا یا تم مرو گے؟" میں نے قیاس
کیا، جو بڑا ہے پہلے اسکو مرنا چاہیئے اور جو چھوٹا ہے اسے
بعد میں مرنا چاہیئے، چنانچہ میں نے اپنے قیاس کے مطابق جواب
دیا، کہنے لگے ہاں ٹھیک کہتے ہو۔

آخر عمر میں کبھی تنہائی میں مجھ سے "موت" کا تذکرہ کرتے

---

۲۲۳ سید اعجاز حسین بن سید شاہ محمد آفاق محلہ مہاجری فتحپور

رہتے تھے۔

ایک روز فرمانے لگے "میں ایک بار اور پاکستان جانا چاہتا ہوں لیکن اس خیال سے رک رہا ہوں کہ اگر میرا وقت وہاں پورا ہوا تو تم میرے پاس نہ ہوگے۔"

انتقال سے ماہ ڈیڑھ ماہ قبل مختلف معاملات پر گفتگو چل رہی تھی اچانک ہی فرمانے لگے "عبدالسمیع تم میرے مرنے کے بعد مجھے بہت یاد کروگے اور بہت روؤ گے۔" ان کا یہ جملہ میرے لئے اتنا اچانک تھا کہ میں اندر سے کانپ گیا۔

۱۹۳۳ء میں انھوں نے اپنی موت کے سلسلہ میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا جو چار دفعات پر مشتمل تھا تفصیل کا مضمون چھوڑ کر صرف دفعات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) قبل تجہیز و تکفین جس قدر لوگ جمع ہوں بالاعلان ان سے درخواست کی جائے کہ سب لوگ اپنے حقوق جو میرے ذمہ دانستہ یا نادانستہ طور پر باقی رہ گئے ہوں وہ اللہ واسطے معاف کردیں۔ اور جو صاحب معاف کرنا نہ چاہیں وہ مہربانی فرماکر صراحت کے ساتھ جو حق ان کا میرے ذمہ باقی ہو لکھوادیں تاکہ اس کی تلافی کی کوشش کی جاسکے اس کے بعد تجہیز و تکفین ہو۔

(۲) تجہیز و تکفین کے لئے زمزم شریف کا تر کیا ہوا کپڑا جہاں تک ممکن ہو مہیا کیا جائے اگر میرے کسی بکس میں نہ ہو اور میسر نہ آسکے تو دیسی گاڑھے کا کفن دیا جائے

یہ کفن بھی انشاء اللہ میرے بکس میں موجود ہوگا۔ اگر بکس میں موجود نہ ہو تب بازار سے خریدا جائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے شریف کا صندل ایک ٹین کی ڈبیہ میں اور اس میں حجرہ مبارک کے غلاف کا ٹکڑا موجود ہے اور ایک ٹکڑا غلاف مبارک کا سبز رنگ کا ٹین کی چھوٹی سی صندوقچیہ میں ہے۔ اس صندوقچیہ کو میں اپنے ٹرنگ میں یا ہینڈ بیگ میں رکھا کرتا ہوں، دونوں جگہ تلاش کرالیا جائے اور حجرۂ مبارک کی خاک پاک بھی یہ سب چیزیں یعنی صندل میری آنکھوں میں خاک پاک میرے سینہ میں ملکر غلاف مبارک کا ٹکڑا میرے سینہ پر رکھ دیا جائے اور مجھکو دفن کردیا جائے

(۳) اگر میری موت مکان سے کسی قریب مقام پر واقع ہو تو میری نعش میرے مکان پہونچائی جائے اور اگر میری نعش کسی طرح نہ پہونچ سکتی ہو تو کسی کا انتظار نہ کیا جائے جلد تجہیز و تکفین سے فراغت کرلی جائے، قبر کے لئے اگر جوار کسی بزرگ کا میسر آجائے تو بہتر ہے ورنہ جیسا موقع اور مناسب ہو اسکے مطابق عمل کیا جائے۔

(۴) بعد فراغ تجہیز و تکفین میرے انتقال کی اطلاع بذریعہ تار میرے مرشد حضرت مولانا شفیع الدین

صاحب مدظلہ، رباط آغا الماس جبل صفا مکہ معظمہ کو دی جائے اگر وہ اس وقت موجود ہوں اور نقیب الاغوات آغا خلیل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کو دی جائے اسکے بعد آگرہ دفتر تبلیغ انبالہ میں سید غلام بھیک نیرنگ بی، اے ایڈوکیٹ اور نواب محمد عبدالوہاب خانصاحب رئیس وجاگیر دار جگر باڈس بجے پور کو دی جائے۔ اگر انتقال گھر پر نہ ہو تو میرے مکان پر اطلاع دی جائے اور میرا کل اسباب مکان روانہ کر دیا جائے مکان پہونچکر میرے وارثوں میں جو صاحب موجود ہوں گے وہ میری باقی وصیت کے مطابق عمل کریں گے

محمد عبدالحی عفا عنہ

۴ فروری ۱۹۳۳ء

خالہ جان کا انتقال راقم سطور کی والدہ کا انتقال ۱۹۲۸ء میں ہوا تھا، والد صاحب علیہ الرحمہ اس وقت سیونی میں منعقد ہونے والی "تبلیغ کانفرنس" کے انتظامات میں مصروف تھے، تار کے ذریعہ ان کو شدید علالت کی اطلاع دی گئی حکیم سمیع اللہ میکش رح سفیر مرکزی جمعیۃ نے مولانا سے گذارش کی کہ آپ جائیں میں انتظامات سنبھال لوں گا، لیکن وہ مطمئن نہ ہو سکے اور یہ جواب دیا کہ "جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر مجھے راضی رہنا چاہیئے"

کانفرنس کے دوران یہ حادثہ پیش آیا جس کی ان کو تار ہی سے اطلاع ہوئی کانفرنس ختم کر کے وہ ہمیر پور پہونچے جہاں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد مولانا کا دوسرا عقد راقم سطور کی حقیقی خالہ سے ہوا، یہ آخر عمر میں "ہارٹ" کی مریض ہو گئی تھیں۔

۱۹۶۸ء کے اواخر میں ندوہ کے کام سے میں پاکستان گیا، کراچی کے ویزا آفس میں ویزا کی توسیع کے لئے میرا پاسپورٹ جمع ہو گیا تھا آجکل ہو رہی تھی ایک روز شب میں خالہ جان کے ہاتھ کا لکھا ہوا لفافہ ملا:-

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تم جلد آؤ، ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور تم موجود نہ ہو۔"

یہ خط پاکر میں پریشان ہو گیا، صبح ہوئی تو ویزا آفس گیا پاسپورٹ تو مل گیا لیکن جب میں دہلی قیام گاہ پر پہونچا تو ان کے سانحہ ارتحال کا آیا ہوا اطلاعی تار ملا، راقم سطور بعجلت تمام کراچی سے دہلی اور دہلی سے کانپور پہونچا۔

مولانا بہت زیادہ متاثر تھے میں نے محسوس کیا کہ اب میری زیادہ سے زیادہ حاضری کی ضرورت ہے ہر ہفتہ دو روز کے لئے کانپور آنے کا معمول بنا لیا ان کے دفتری کاموں کی دیکھ بھال خطوط کے جوابات لٹریچر کی طباعت واشاعت، جمعیۃ سے متعلق لوگوں سے کام لینے کا سلسلہ شروع کر دیا تاکہ ان پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

موتیا بند کا آپریشن:- ایک آنکھ میں کچھ عرصہ سے موتیا اتر رہا تھا

آپریشن کے سلسلہ میں ان کے ساتھ میں سیتاپور آنکھوں کے اسپتال گیا۔ ڈاکٹر نے دیکھ بھال کے بعد بتایا کہ ابھی مواد خام ہے۔ تین چار ماہ اور رُکیے، اس عرصہ کے بعد کانپور ہی میں ایک آئی اسپشلسٹ کو دکھایا اور ہیلٹ اسپتال میں آنکھ کا آپریشن ہوا، گھر جب آگئے تو میں نے ریلوے ایم ایس ٹی بنوالیا، ندوہ کا کام ختم کر کے روزانہ ہی کانپور چلا جاتا تھا، کچھ ہی عرصہ کے بعد چشمہ مل گیا اور بے تکلف چلنے پھرنے لگے تو میں تیسرے دن کان پور جانے لگا۔

راقم سطور کی علالت

آنتوں کے ورم کا میرا پرانا مرض عود کر آیا اب میرے لئے کانپور کا سفر دشوار ہو گیا تین یوم کے انتظار کے بعد مولانا نے ٹیلیفون پر دریافت کرایا کیوں نہیں آئے؟ میں نے اپنی علالت کی تفصیل بتادی، ہفتہ عشرہ کے بعد کرم نامہ ملا کہ :

"تم کان پور آجاؤ میں تمہارا علاج کرادوں گا۔"

محض اس خیال سے کہ اس حالت میں مجھ سے نیچے بھی مع اپنی والدہ کے میرے ساتھ جائیں گے خواہ مخواہ کا بوجھ پڑے گا۔ جواب میں یہی لکھ کر عذر کر دیا۔

ہفتہ عشرہ گذرنے کے بعد وہ خود سید مصلح الدین صاحب (بادشاہ میاں) کے ساتھ لکھنؤ تشریف لے آئے، دو یوم قیام رہا تیسرے دن واپسی ہونے لگی تو مجھ سے فرمایا:

"ابھی کمزوری باقی ہے ہفتہ عشرہ میں تمہاری طبیعت اور ٹھیک ہو جائے تو کان پور چلے آنا ——"

دسہری آم زہر بن گئے مولانا دسہری اور ثمر بہشت آم بہت رغبت سے استعمال کرتے تھے راقم سطور نے کچے دسہری آم ایک ٹوکرے میں پال کی طرح اس خیال سے بھروا دیئے کہ آہستہ آہستہ یہ آم پختہ ہوتے جائیں گے۔ اور استعمال میں آتے رہیں گے۔ لیکن یہ دسہری آم ان کے لئے زہر بن گئے۔

تانگہ پر تشریف فرما ہوئے تو تھوڑی دور تک مشایعت کے لئے میں تانگہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا مجھ سے فرمایا:

"آٹھ دس دن کے بعد تم کانپور ضرور چلے آنا اخلاق بھائی کا انتقال ہو چکا ہے، مخدوم زادوں میں اب میں ہی سب سے بڑا ہوں اب میری باری ہے ــــــ"

سانحہ ارتحال ۱۹۵۳ء میں مولانا کو تھرمبوسس کا عارضہ لاحق ہوا تھا دل پھیل گیا تھا، ہیلٹ اسپتال کے ہارٹ اسپشلسٹ ڈاکٹر دیدرتن کا تقریباً چار ماہ علاج ہوا تب صحت بحال ہوئی تھی۔

۷ جولائی ۱۹۷۱ء کو شب میں ڈھائی تین بجے محمود خاں صاحب کانپور سے ندوہ پہونچے آواز دی میں نکلا تو انھوں نے مولانا کا پیغام دیا ــــ:

"مجھے ۱۹۵۳ء والی بیماری ہو گئی ہے تم فوراً آجاؤ"

گھر میں میں نے ہدایت کی کہ تم لوگ صبح صبح کسی ٹرین سے کانپور آجانا میں کانپور جا رہا ہوں والد صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

باندہ ایکسپریس سے میں کانپور پہونچا بہنوں نے بتایا ابھی سوئے

ہیں رات بھر نیند نہیں آئی۔ میں کرسی پہ بیٹھ گیا، آنکھ کھلی مجھے دیکھ کر بیٹھ گئے
استاذ گرامی حضرت مولانا علی میاں زید مجدہ کا حال دریافت کیا، پھر
ندوہ کا حال دریافت کیا۔ اسکے بعد مجھ کو ہدایت کی کہ "بغلی قبر محمد ولانا
بالو سے میں نے کچی اینٹوں کے لئے کہا تھا وہ تیار ہو گئی ہیں، بالو کو خبر کر دینا
وے آئیں گے۔" [۲۲۳]

معلوم ہوا کہ ابھی ناشتہ نہیں کیا، میں نے ناشتہ منگوایا ساتھ
میں ناشتہ کیا، فارغ ہو کر میں نے دریافت کیا کہ ابھی تو آپ لکھنؤ سے
آئے ہیں یہ سب کیسے ہو گیا؟ فرمانے لگے:

"جو آم تم نے ساتھ کر دیئے تھے وہ میں نے بہت کھائے
حتی کہ کھانے کے بجائے بھی آم ہی کھائے۔"

میں چونکا اور یہ سمجھا کہ سارا قصور آموں کے کثرت استعمال کا ہے
اتنے میں محترم ڈاکٹر رجب علی مرحوم آگئے، ان سے گفتگو ہونے لگی
میں نے موقع غنیمت سمجھ کر مولانا کے اصل معالج ڈاکٹر محمد وسیم صاحب
سے ملنے اور صورت حال دریافت کرنے کے لئے اٹھنا چاہا تو دریافت
کیا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا ڈاکٹر وسیم صاحب سے
بات کروں، فرمانے لگے جاؤ لیکن جلدی آنا کہیں اور نہ جانا۔

ان کے اصل معالج ڈاکٹر وسیم صاحب سے صورت حال معلوم کی تو
انھوں نے بتایا کہ ہارٹ پر اثر کم ہے ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے ساری

---

[۲۲۳] ماسٹر محمد یار خاں عرف بالو قصبہ محمد آباد کے رہنے والے ہمارے کنبہ سے
خاص تعلق رکھتے تھے۔

تکلیف ہے فی الوقت تو اسی کو کنٹرول کرنا ہے، کچھ کم ہوا ہے سہ پہر کو پھر دیکھوں گا، مزید ان سے کچھ گفتگو کے بعد میں چلا آیا، محترم ڈاکٹر رجب علی مرحوم موجود تھے، ان کو مخاطب کرکے ڈاکٹر وسیم صاحب سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ میں نے مولانا کے اطمینان کے لئے دہرا دیں، لوگ عیادت کے لئے آنے جانے لگے، ساڑھے گیارہ بجے تو میں نے عرض کیا، کھانے کا وقت ہو گیا ہے آپ کھانا کھاکر آرام کریں، رات بھی آپ سو نہیں سکے، اور میں جس وقت سے آیا ہوں اس وقت سے آپ بیٹھے ہیں۔ چنانچہ کھانا کھاکر لیٹ گئے۔

سہ پہر کو اٹھے خود استنجے کے لئے گئے، خود ہی وضو کیا نماز پڑھی تسبیح ہاتھ میں لئے پھر چارپائی پر آگئے، مجھ سے بات کرنے لگے کہ ڈاکٹر رجب علی صاحب مرحوم پہنچ گئے اور ویسے ہی ڈاکٹر وسیم صاحب بھی آگئے، انہوں نے دیکھا بھالا، بلڈ پریشر چیک کیا، مولانا سے کہا کہ بلڈ پریشر آپ کا بہت کچھ کنٹرول ہو گیا ہے دوائیں جو چل رہی ہیں وہی استعمال کرتے رہیں۔

ڈاکٹر رجب علی صاحب چارپی کر اپنے مطب چلے گئے۔ مولانا نے عصر کی نماز پڑھی، چارپائی پہ آگئے۔ میں جب فارغ ہو کر آیا تو انہوں نے صبح والی ہدایت پھر دہرائی۔

میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر وسیم صاحب دیکھ بھال کر مطمئن ہو کر گئے ہیں اور ہم لوگوں کو بھی انھوں نے اطمینان دلایا ہے تو فرمایا:

"ڈاکٹر صاحب کو جو تدبیریں کرنا تھیں کرلیں مزید کوئی تدبیر کرنا چاہیں گے تو کریں گے، لیکن کیا تم

اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں محسوس کر رہے ہے"؟
میں سناٹے میں آگیا آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ سوچنے لگا بیت الخلاء خود جاتے ہیں پکڑ کر لے جانے کی ضرورت نہیں، وضو خود کرتے ہیں۔ پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں، نماز کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں، اپنی چارپائی تک خود آتے ہیں کسی کے زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تسبیح مسلسل پڑھ رہے ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں۔ ڈاکٹر کہتا ہے ٹھیک ہو رہے ہیں، بلڈ پریشر کنٹرول ہو رہا ہے اور خود یہ کہہ رہے ہیں۔" تم اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں محسوس کر رہے ہے؟ بات صاف ہو گئی تھی میں نے خود کو آنے والی ساعتوں کے لئے تولنا شروع کر دیا کہ میں کس حد تک صبر و ضبط کر سکوں گا۔

مغرب سے تھوڑی دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے، کھانا کھا لیجئے پھر ذرا سا آرام کر لیں۔ سہ پہر سے آپ بیٹھے ہی ہوتے ہیں عشاء موخر ہو جائے کوئی حرج نہیں کھانا کھایا دوا کھائی اور لیٹ گئے۔۔۔ میں نے عشاء کی نماز پڑھی کمر سیدھی کرنے کے لئے اندر چلا گیا اہلیہ اور بھنوں کو ان کے پاس بھیجدیا ہدایت کر دی کہ کمرہ میں رہنا کوئی بات ہو تو مجھے خبر کر دینا۔

ساڑھے دس بجے اطلاع ملی کہ بیدار ہو گئے ہیں آپکو بلا رہے ہیں، میں فوراً پہونچا تو انھوں نے دریافت کیا کہ تم نے کیسی دوا دے دی مجھے الجھن ہو رہی ہے، میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق جس دوا کے لئے انھوں نے کہا تھا وہی دوا دی ہے، فرمایا "الجھن ہو رہی ہے" میں نے خیال کیا کہ شاید ریاح کا غلبہ ہو گیا

بدن دبانے لگا، ذرا دیر کے لئے لیٹتے تھے پھر بیٹھ جاتے تھے۔ پھر لیٹ جاتے تھے، اس کیفیت پر ایک گھنٹہ ہو گیا، مجھ سے فرمایا کہ "ابھی میں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی" میں نے سوچا کہ اس حالت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشکل ہے اگر گر گئے تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہو جائے گا، میں نے عرض کیا کہ آپ تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے پڑھ لیں آپ اس وقت کھڑے نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ انھوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور تسبیح میں مشغول ہو گئے لیکن بار بار اٹھنے اور لیٹ جانے کی کیفیت بڑھ گئی۔

میں نے عرض کیا کہ میں ڈاکٹر صاحب کے پاس جانا چاہتا ہوں فرمایا:

"نہیں اب جانے کی ضرورت نہیں کوئی تم کو مل بھی گیا تو وہ اس وقت نہیں آئے گا۔"

لیکن یہ کیفیت بڑھ ہی رہی تھی منع کرنے کے باوجود میں ڈاکٹر کی تلاش میں نکل پڑا، پہلے تو وسیم صاحب کو تلاش کیا وہ نہیں ملے تو تمین گنج ڈاکٹر صدیقی صاحب کے پاس گیا ان کو لیکر آیا تو اس وقت بیٹھے ہوئے تھے، ڈاکٹر صاحب نے سلام کیا، انھوں نے جواب تو دیا لیکن زبان میں لکنت تھی میں سمجھ گیا کہ ان کو جس وقت کا انتظار تھا وہ آ گیا ڈاکٹر صاحب دو چار باتیں کر کے رخصت ہو گئے اور میں نے یٰسین شریف کی تلاوت شروع کر دی اس وقت تک ان کی انگلیاں تسبیح پر مسلسل چل رہی تھیں وہ لیٹ گئے، میں جب یٰسین شریف ختم کر رہا تھا ٹھیک اسی وقت مؤذن کی آواز بلند ہوئی اور ان کی روح قفس عنصری

سے پرواز کر گئی، یہ سانحہ ۱۴، جمادی الاول ۱۳۹۱ھ بروز پنجشنبہ بوقت فجر مطابق ۸، جولائی ۱۹۷۱ء کو پیش آیا۔

چند منٹ ان ہی کے پاس بیٹھا خود کو تولتا اور سوچتا رہا، زیادہ اندیشہ چھوٹے چچا) مولوی سید محمد عبدالقدیرؒ) کی طرف سے تھا۔ عمر میں، صرف ایک سال چھوٹے۔ زندگی بھر کا ساتھ نحیف الجثہ ضعیف القلب خالہ جان کی وفات پر ان کی حالت خستہ اور غیر ہو گئی تھی خیال ہوا کہ کہیں غش نہ کھا جائیں یا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔

چند منٹ کے مذکورہ وقفہ کے بعد میں ایک عزم کے ساتھ جیسے ہی اٹھا انھوں نے سوال کیا "سمیع میاں کیا ہوا"؟

میں نے کہا "سو گئے" اور کمرہ میں داخل ہو کر بھنوں سے دریافت کیا تم بڑی ہو یا میں؟ انھوں نے کہا آپ بڑے ہیں میں نے پھر پوچھا کہ تم نے ان کی عمر کا زیادہ حصہ پایا، یا میں نے؟ انھوں نے جواب دیا آپ نے، میں نے پھر سوال کیا، ان کی شخصیت سے تم کو زیادہ واقفیت ہے یا مجھے؟ انھوں نے جواب دیا، آپ زیادہ واقف ہیں، میں نے پھر پوچھا، میں نے ان کی خدمت زیادہ کی یا تم نے؟ انھوں نے جواب دیا آپ نے میں نے کہا ابھی تم سب ہاتھ پیر سے ان کی خدمت کر رہی تھیں، اب ہاتھ پیر سے ان کی خدمت کا وقت ختم ہو گیا، اذان ہو چکی ہے۔ وضو کرو نماز پڑھو، قرآن پڑھو اور ان کو ثواب پہونچاؤ، تمہاری آنکھیں آنسو بہائیں کوئی حرج نہیں لیکن رونے دھونے

کی آواز نہ نکلے، قرآن اکٹھا کر لو، پارے جمع کر لو، جو بھی عورتیں آئیں ان کو وضو کراؤ اور قرآن تھما دو، یہ وقت ہمت اور حوصلہ سے کام لینے کا ہے، آواز سے رو رو کر ان کی روح کو تکلیف پہونچانے کا نہیں، عورتوں کے ساتھ لڑکے بچے بھی اٹھ کر وضو اور نماز میں مصروف ہو گئے۔

چھوٹے چچا مرحوم، سب کچھ سن رہے تھے، اٹھے اور خانقاہ چلے گئے، وہاں ان پر کیا گزری مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔

اس مرحلہ پر میرا رجحان یہ تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ان کو ان کی ابدی آرامگاہ تک پہونچا دیا جائے، اپنے اسی رجحان ہی کی وجہ سے میں نے کسی کو اس حادثہ کی اطلاع نہیں دی، کوڑہ، ہمیرپور، اناؤ تو دور کی بات تھی معمولی فاصلہ پر جو عزیزوں کے گھر تھے وہاں بھی میں نے اطلاع نہیں کرائی۔ دوسرے دن ریاست اخبار میں جب سانحہ کی اطلاع شائع ہوئی تو سلسلہ بر لب لوگوں کی آمد شروع ہوئی۔

نماز جنازہ جنازہ خانقاہ حضرت شاہ غلام رسول رسول نما رحمۃ اللہ علیہ لے جایا گیا، میں نے حضرت مولانا شاہ ابوطاہر رحمۃ اللہ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی، مولانا بڑھے لیکن روتے ہوئے پلٹ آئے مجھ سے فرمایا:

"سمیع میاں میں نماز نہ پڑھا سکوں گا۔"

پھر ڈاکٹر حبیب علی رحمۃ اللہ سے درخواست کی نماز تو انہوں نے پڑھائی۔ لیکن تیسری تکبیر میں ان کی آواز بھر آگئی، نماز سے

فارغ ہوئے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ مغرب سے کچھ پہلے تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ

ازواج و اعقاب مولانا مرحوم کی پہلی شادی ہمیر پور کے زیدی سادات میں سید عبدالغفور کی صاحب زادی زینۃ النساء خاتون سے ہوئی جن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جمیلہ خاتون کا بعمر دو سال انتقال ہوا، محمد عبدالمتین بقید حیات ہیں۔

مسماۃ زینۃ النساء خاتون کا ۱۹۲۸ء میں طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا تو دوسرا عقد ان ہی کی ہمشیرہ فاروق النساء سے ہوا جن سے دو لڑکے عبدالحفیظ اور عبدالمجید بقید حیات ہیں، چار صاحب زادیاں ہوئیں، اظہار فاطمہ، جمیلہ خاتون خدیجہ خاتون صاحب اولاد موجود ہیں اور چوتھی لڑکی تمینہ خاتون بھی بقید حیات ہے غفر اللہ و رحمہ۔

تعزیتی تجاویز ندوۃ العلماء لکھنؤ کا جلسہ انتظامیہ ہوا جس میں مرحوم کے لئے درج ذیل تجویز منظور ہوئی اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مولانا سید محمد عبدالحئی صاحب شدھی سنگھٹن اور اچھوتوں میں تبدیل مذہب کی تحریکیں ہمارے ذہنوں میں غالباً محفوظ ہوں گی۔ جناب شیخ جس نتھے جو ایک طرف شدھی سنگھٹن تحریک کا مقابلہ کرتے تھے تو دوسری طرف صوبہ سی، پی حال مدھیہ پردیش کے اچھوتوں

میں دین کی تبلیغ و دعوت کے لئے سرگرداں نظر آتے، تھے ان ہی میں ایک مولانا سید محمد عبدالحیٔ صاحب مرحوم بھی تھے۔ کوڑا جہان آباد ضلع فتحپور کے رہنے والے حضرات مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت یافتہ اور حضرت مولانا شفیع الدین مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز تعلیم تھے۔

سابق ناظم ندوۃ العلماء جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں فکر و ذوق کی ہم آہنگی نے رابطہ پیدا کیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۸ نومسلم اچھوت طلباء اور مسلمانوں کے پسماندہ طبقات کے چار طالب علم دینی تعلیم کے لئے داخل کئے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب نے موصوف کو رفقاء سے محروم کیا اور حکومت نے ان کی سرگرمیوں پر پابندیاں بھی لگائیں جس کی وجہ سے ان کی دعوتی مساعی محدود ہوگئیں، ادھر عرصہ سے قلبی امراض میں مبتلا رہنے لگے تھے افسوس کہ ۱۴، جمادی الاول سنہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۸، جولائی سنہ ۱۹۷۱ء یوم پنجشنبہ کو بوقت صبح صادق بدرستی ہوش و حواس ذکر و فکر کی حالت میں راہی ملک بقا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔"

۲۔ تجویز تعزیت بہ سلسلہ سانحہ ارتحال حضرت مولانا الحاج سید محمد عبدالحیٔ معتمد عمومی جمعیتہ ہذا پیش ہو کر منظور ہوئی اور مرحوم کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔

مجلس عاملہ جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کا پتور کا یہ اجلاس ۸ر جولائی ۱۹۷۱ئہ یوم پنجشنبہ بوقت صبح صادق حضرت مولانا الحاج سید محمد عبدالحیؒ معتمد عمومی جمعیتہ ہذا کی وفات حسرت آیات پر اپنے قلبی اضطراب اور دلی قلق کا اظہار کرتا ہے موصوف کی پوری زندگی دینی و ملی خدمات میں گذری جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کے زمانہ قیام سے ہی سرگرم رکن اور معزز عہدیدار رہے، بلکہ حقیقتاً اگر جائزہ لیا جائے تو جمعیتہ کی ساری تگ و دو میں موصوف کا بہت بڑا ہاتھ تھا انہوں نے اپنی پوری زندگی دعوت و تبلیغ کی فکر اور اس کی جد وجہد میں گذاری ۱۹۴۷ئہ کے فساد جمعیتہ کی املاک کی تباہی و بربادی، رفقاء و کارکنان کا انتشار حکومت کی جانب سے بندش، اپنوں اور پرایوں کی طرف سے نقصان رسانی غرض ہر مشکل اور ہر مصیبت کا مقابلہ کیا اور جمعیتہ کو ہر مشکل مرحلہ سے اپنی فکر و تدبیر اور حکمت عملی سے نکالا اور اس قابل کیا کہ جمعیتہ دوبارہ جد وجہد کی پوزیشن میں آگئی۔ ایسے موقعہ پر یہ سانحہ جمعیتہ کے لئے خصوصاً اور ملک میں دعوت و تبلیغ کے لئے عموماً ناقابل تلافی نقصان تصوّر کرتا ہے۔

جمعیتہ کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ موصوف کے پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ اراکین عاملہ و منتظمہ ان کے غم میں برابر کے شریک و سہیم ہیں۔

مجلس عاملہ کا یہ جلسہ موصوف کے لئے دعا، مغفرت کرتا ہے حق تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے ان کے زلات وخطیات سے درگزر فرمائے ان کے حسنات ومبرات قبول فرمائے آمین [۲۲۴]

سید قمرالحسن

قمرالحسن بن سید عابد حسن بن بدرالحسن بن شبیر علی بن فیض اللہ بن احسان اللہ بن محمد عاشق بن مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب دانشمند بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانی بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین ...... سالار بدہ رحمہم اللہ

ولادت و تعلیم

سال ولادت تو معلوم نہ ہوسکا، کوڑہ کے مدرسہ ہی میں تعلیم حاصل کی اور فارغ ہوئے۔

کانگریس کی تشکیل

مخدوم زادگان کوڑہ ہندوستان کی دینی وملی سرگرمیوں میں شریک تو تھے ہی سید قمرالحسن بھی پہلے خلافت تحریک میں ابھرے پھر تبلیغ وتنظیم کے میدان میں آئے۔ جس زمانہ میں کوڑہ میں کانگریس کا چار آنہ کا ممبر بھی نہ تھا اس وقت مرحوم نے کانگریس کمیٹی کی بغیر کسی استخارہ کے تشکیل کی، کمیٹی کو آرگنائز کیا، جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کی اجنبی حکومت سے استخلاص وطن کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور کانگریس کو کوڑہ جہان آباد میں فعال اور متحرک حیثیت دی۔ آخر میں وہ کانگریس کمیٹی کے صدر بھی منتخب ہوئے۔

---

[۲۲۴] کارروائی جلسہ مجلس عاملہ جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۷۱ء

احتیاط ابنائے وطن کے ساتھ آنا جانا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا میٹنگوں میں شریک ہونا سب ہی کچھ تھا لیکن ان کے ہاتھ کے بنی ہوئی کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، ان کی تقریبات میں شریک تو ہوتے تھے لیکن کھائے پئے بغیر واپس آجاتے تھے۔

آزادی کے بعد ہندوستان آزاد ہوا کانگریس کی حکومت میں معذور اور ضعیف مجاہدین آزادی کے لئے پنشن مقرر ہوئی لیکن سید قمرالحسن رح نے اپنی جدوجہد کا کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا۔

بیعت و معمولات مولانا محمد سلیمان شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت اور خوش اوقات تھے اور ورود وظائف کے پابند۔

دوسری خصوصیات صاحب خدمت تھے۔ سید، شیخ، مغل، پٹھان کا لحاظ کئے بغیر ہر ایک کی موت، زندگی، شادی اور غمی میں شریک ہوتے ہر تقریب میں انتظامات کا ایک حصہ اپنے ذمہ لے لیتے تھے، اس قسم کے مواقع پر مخدوم زادوں میں سب سے پہلے سید قمرالحسن رح ہی پہونچتے تھے۔ ان کے پہونچ جانے سے صاحب خانہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا تھا۔

حصے بخروں کی تقسیم کا کوئی موقعہ ہوتا تو سید قمرالحسن ہی کو ذمہ دار بنایا جاتا وہ یہ کام نظم اور سلیقہ کے ساتھ انجام دیتے۔

بیباک تھے کوئی بھی غلطی کرتا اسکو فوراً ٹوک دیتے کسی کو نرم لہجہ میں کسی کو سخت لہجہ میں جیسا موقعہ ہوتا دیا کرتے۔

حضرات علماء سے تعلق کوڑہ میں مولانا محمد ہاشم جل اللیل اور مولانا محمد عبدالحیٔ وغیرہ کی دینی تبلیغی، دعوتی سرگرمیوں کی وجہ سے حضرات علماء کی آمد و رفت اکثر و بیشتر ہوتی رہتی تھی جلسے اور کانفرنسیں بھی ہوتی تھیں سید قمر الحسنؒ بھی حضرات علماء کی آمد و استقبال میں شریک رہتے تھے، علماء حق سے گہرا تعلق تھا بالخصوص حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دالہ و شیدا تھے دیوبند سے تعطیلات میں راقم سطور جب کوڑہ آتا تو مجھ سے زیادہ تر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متعلق سوالات کرتے تھے۔

دینی تعلیم سے ان کو شغف تھا صاحب زادہ گرامی مولوی شمس الحسن عرف شبلی میاں کو عصری تعلیم کے بجائے دینی تعلیم دلائی تھی اس ترجیح کا پرمسرت انداز میں کبھی کبھی ذکر بھی کرتے تھے۔

عقد زواج و اعقاب فتح پور کے محمد رفیع صاحب صدیقی کی صاحب زادی سعیدہ خاتون عرف بنّی کے ساتھ عقد ہوا جن سے ایک صاحب زادے شمس الحسن عرف شبلی میاں اور ایک صاحب زادی زبیدہ خاتون پیدا ہوئیں۔

وفات چند روزہ معمولی علالت کے بعد یکم فروری سنہ ۱۹۶۸ء میں وفات پائی رحمہ اللہ وغفرلہ'

مولوی سید محمد عبدالقدیر لسّابہ مولوی سید عاشق علی رحمہ اللہ کے صاحب زادے شجرہ ان کے والد گرامی کے تذکرہ میں دیا جا چکا ہے،

پیدائش: سنہ ۱۳۱۵ھ مطابق سنہ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم ابتدائی تعلیم مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی پھر عصری تعلیم کے لئے مقامی اسکول میں داخلہ لیا، وہاں سے فارغ ہوکر کانپور آگئے۔

ملازمت ان کے چچیرے چچا مولوی سید لیاقت حسینؒ نے سلائی مشین کی مشہور "سنگر کمپنی" میں بحیثیت ایجنٹ ملازمت دلوادی، طبیعت نہیں لگی تو ریلوے میں بحیثیت فارمین کام کرتے رہے وہاں سے بھی علیحدہ ہوئے تو کوڑہ سے قریب کسی اسٹیٹ میں مختار عام کی حیثیت سے کام کرنے لگے، لیکن یہاں روپئے پیسے کی وجہ سے امانت و دیانت کا مسئلہ تھا۔ مالگذاری وغیرہ جمع کرنے کے لئے تحصیل جانا پڑتا تھا راستہ خطرناک تھا۔ ایک واقعہ سے متاثر ہوکر یہ ملازمت بھی ترک کردی۔

علمی خدمت اللہ تعالیٰ کو ان سے شرفاء کے انساب فراہم کرنے کی خدمت لینا تھی بحث و مناظرہ سے بھی دلچسپی تھی، مختلف رسائل و اخبارات کے خریدار تھے، علم الانساب سے اتنی دلچسپی تھی کہ معروف قصبات کا دورہ کرکے شجرے اور کتابیں جمع کرتے کتابوں کی یاتو خریداری کرلیتے یا پھر نقل کرلیتے لکھنے پڑھنے بیٹھتے تو کھانے پینے کی سدھ نہ رہتی۔

مولوی ابو الحسن مانکپوریؒ نے "تاریخ آئینہ اودھ" سرکاری ملازمت میں رہ کر جا بجا اسفار کے درمیان لکھی، سرکاری ملازمت کی وجہ سے فکر معاش سے آزاد تھے ان کے دورے چونکہ سرکاری ہوتے تھے اس لئے مصارف سفر سے بھی بے فکر تھے، مولوی عبدالقدیر نسابہ

سرکاری ملازم نہیں تھے، انھوں نے جو کچھ لکھا یا نقل کیا اس کے لئے سفر پر اور کتابوں کی فراہمی پر پیسے اپنی جیب سے خرچ کئے لیکن مزاج میں نظم و ترتیب نہیں تھی اسلئے جو کچھ لکھا اسکو منظم و مرتب نہ کرسکے، جس کی وجہ سے ان کے قلمی مسودات کا ذخیرہ خاصہ برباد ہوا۔

تاریخ گوئی تاریخ گوئی اور تاریخی نام نکالنے میں ان کو ملکہ حاصل تھا۔ والد گرامی مولانا سید عبدالحیٔ کا تاریخی نام "منظور حسن" نکالا تھا جس کا مجموعہ ۱۳۱۴ھ ہوتا ہے۔ چونکہ والد صاحب علیہ الرحمۃ سے عمر میں ایک سال چھوٹے تھے اسلئے اپنا تاریخی نام انھوں نے "منظور احسن" تجویز کیا جس کا مجموعہ ۱۳۱۵ھ ہوتا ہے راقم الحروف اور ان کے صاحب زادے سید محمد عبدالباری مرحوم کا سال پیدائش ۱۳۳۹ھ ہے۔ ہم دونوں کا تاریخی نام اول بدل کر بالترتیب فروغ احمد اور احمد فروغ نکالا تھا معلوم نہیں...... ...... میاں عبدالباری مرحوم اپنے تاریخی نام کو استعمال کرسکے یا نہ کرسکے لیکن راقم سطور نے اپنا تاریخی نام خطوط اور مضامین میں استعمال کیا۔

شعر گوئی میں گو ان کو ملکہ حاصل نہیں تھا لیکن شادی بیاہ موت و پیدائش میں اشعار کے ذریعہ تاریخ نکال لیتے تھے، چند مثالیں پیش ہیں۔

(۱) اپنے دوسرے صاحبزادے میاں عبدالہادی سلمہٗ کی پیدائش پر تاریخ کہی ہے

اللہ نے یہ دوسرا مجھ کو پسر دیا　　اقبال ہو بلند مرے نور عین کا

سن ولادت اس کا رومی نے یوں کہا ہادی بھی نونہال ہے باغ حسین کا

۱۳۴۶ھ

(۲) مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی علیہ الرحمہ نے بخشی بازار الہ آباد میں سابق مسجد کی تعمیر میں اضافہ اور تکمیل کرائی تو مرحوم نے تاریخ لکھی ؎

تاریخ بیت حق کی رومی نے یوں کہی
بنوائی آج مسجد باغ وصی میں واہ

۱۳۸۹ھ

(۳) مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ایک نظم لکھی جس کا تاریخی شعر حاضر ہے ؎

سنا اسکو ہجری میں رحلت کا مصرعہ
ہوا شیخ فیض اب حق سے واصل

۱۳۷۲ھ

(۴) منشی عنایت احمدؒ کا کوڑہ میں انتقال ہوا تو چار شعر کہے آخری شعر میں تاریخ نکالی ؎

گفت مجذوب سال رحلت
بجناں رفت عنایت احمد

۱۳۷۰ھ

سیر سالاری کی گتھی ایک لطیفہ مرحوم کو اپنے اجداد کرام سے عشق تھا، حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سیر سالاری" کی نقل کی تھی جسکو وہ بڑی

حفاظت سے رکھتے تھے۔ راقم سطور کو وہ نسخہ میری اگر طلب پر دے بھی دیتے تو جلد ہی اسکو واپس بھی لیتے تھے، افسوس کہ یہ نسخہ مرحوم ہی سے کہیں ضائع ہوا۔

حضرت شاہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اجداد کے تذکرہ کے سلسلہ میں ان کے نام لکھنے سے پہلے خصوصیات و اوصاف پر مشتمل بڑے وقیع القاب و آداب لکھے ہیں، اپنے دادا حضرت شاہ ہبتہ اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا نام لکھنے سے پہلے "صاحب الخلق والمقال سنی الحال سالار ہبتہ اللہ ...... الخ" تحریر کیا۔

خط کشیدہ ترکیب "سنی الحال" پڑھی جارہی تھی، اور عرصہ سے موضوع بحث بنی ہوئی تھی، کوڑہ میں ایک تقریب کے موقع پر مخدوم زادے جمع ہوئے تو ایک دن صبح کی نشست میں مرحوم نے کتاب نکالی اور اس ترکیب پر بحث ہوئی جس کی اطلاع شیعہ مخدوم زادوں کو بھی ہوگئی، سہ پہر کی نشست میں وہ بھی پہونچ گئے سید صدیق احمدؒ (پسر سید عنایت احمدؒ) کا ذہن عربی زبان داں سے واقفیت کے باوجود "زبر" اور "پیش" میں فرق نہ کرسکا ابھی وہ کوئی رائے قائم نہ کرسکے تھے کہ کتاب سید صدیق حسنؒ (پسر حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹاؒ) نے لے لی شیعہ مخدوم زادوں نے کہا کہ آپ لوگ بلاوجہ سر کھپا رہے ہیں بات بالکل صاف ہے ہم سب ہی پہلے شیعہ تھے شاہ علاء الدینؒ کے دادا سنی ہوگئے جب سے آپ لوگ سنی مذہب کے پابند ہوگئے اور ہم لوگ اپنے قدیم مذہب پر قائم ہیں، شاہ علاء الدینؒ کے یہ جملے ہمارے تشیع

کے لئے دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں یہ آپ کو ماننا پڑے گا۔
یہ سنکر مرحوم الجھ گئے مجھ سے کہنے لگے "تم کیوں نہیں بولتے
جی! تم تو عربی پڑھ رہے ہو"۔ راقم سطور اس زمانہ میں ندوہ کے
درجہ سوم عربی کا طالب علم تھا میں نے عرض کیا "کتاب تو آپ
لوگوں کے پاس ہے میں کتاب دیکھے بغیر کیا بول سکتا ہوں
چھوٹے صدا بھائی (ڈبیر حکیم سید نصرت حسین رح) نے کتاب فوراً
میرے حوالے کی۔
"سیر سالاری" کے دیکھنے کا میرا یہ پہلا موقع تھا میں نے وہ
صفحہ پورا پڑھا۔ اور یہ محسوس کیا کہ ہر بزرگ کے نام سے پہلے
توصیفی القاب وآداب عربی ہی میں تحریر ہوئے ہیں اپنے پردادا
کے لئے حضرت شاہ علاء الدین رح نے دو سطروں میں القاب
وآداب تحریر کئے تھے۔
"شیخ الشیوخ العالم الکامل النحریر تارک الدنیا
معدن المعرفۃ والتقیٰ نخبۃ الزاھدین والسالکین"۔
اب جو نزاعی ترکیب پر نظر ڈالی تو سمجھ میں آیا کہ یہ "شتی الحال"
نہیں بلکہ "سنی الحال" ہے۔ میں نے بڑے صدا بھائی ڈبیر سید
عنایت احمد رح سے عرض کیا کہ حضرت شاہ علاء الدین رح اپنے بزرگوں
کے اوصاف وخصوصیات بیان کر رہے ہیں ان کا مذہب نہیں
بیان کر رہے ہیں یہ ترکیب "شتی الحال" نہیں بلکہ "سنی الحال" ہے۔
یعنی روشن اور بلند حال والے لغت کی کوئی کتاب منگوائیے۔ میں
آپ کو اس لفظ کے معنی بلند اور روشن دکھا دوں گا۔ چھوٹے

بچا مرحوم کا تو چہرہ کھل گیا، چھوٹے صدا بھائی اپنی کرسی سے اچھلے راقم سطور کو گلے سے لگا لیا" ہمارے جو ساتھی لغت کی تلاش میں جا رہے تھے ان کو بڑے صدا بھائی نے روکا اور کہنے لگے:

"سچی بات یہ ہے کہ ہم شتی الحال ہی میں الجھ رہے تھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ لفظ اردو کا نہیں عربی کا ہے سنی الحال نہیں سنی الحال ہے چوک ہم ہی سے ہو رہی تھی سمیع میاں نے اچھی توجہ دلائی ــــــ"

شیعہ مخدوم زادوں کے چہرے فق ہو گئے، ڈگری ان کے خلاف ہو گئی تھی پھر وہ مجلس میں بیٹھ نہ سکے۔

شیعہ علماء کی قرآن کے ترجمہ میں تلبیس

سید جعفر حسین فتحپوری مذہباً شیعہ تھے

ایک دن چھوٹے بچا مرحوم سے باتوں باتوں میں "متعہ" کا ذکر چل پڑا "متعہ" کے جواز کے سلسلہ میں "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً" سے استدلال کیا۔ چھوٹے بچا مرحوم "إِنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعة وعن لحوم الحُمُر الاهلية زمن خيبر" مشہور حدیث سے متعہ کے عدم جواز پر استدلال کر رہے تھے بحث میں شدت پیدا ہو رہی تھی راقم سطور نے جعفر بھائی سے سوال کیا کہ "فما استمتعتم" کا ترجمہ آپ متعہ کہاں سے کر رہے ہیں وہ اٹھے اپنے گھر سے نظامی پریس لکھنؤ کا مطبوعہ مترجم قرآن

لائے جس میں "متعہ" ترجمہ کیا گیا تھا اس ترجمہ کے حوالہ میں "درمنثور" "تفسیر نسفی" "کشاف" "ابن کثیر" اور "خازن" جیسی مشہور و معروف سنی علماء کی تفاسیر کے نام حاشیہ پر درج تھے، یہ دیکھ کر میری سمجھ میں آیا کہ شیعی علماء یہودی علماء کے نقش قدم پر اپنے عوام کو بھرپور طریقہ سے گمراہ کرتے ہیں اور تلبیس میں بھی ماہر ہیں۔

میں نے جعفر بھائی سے سوال کیا کہ اگر ان تفاسیر میں یہ ترجمہ نہ نکلا تو کیا ہوگا؟ وہ بولے "میں اپنا مذہب بدل دوں گا۔"

ان کے اس عزم و ارادہ سے مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ ہم لوگ ان کو ساتھ لیکر جامع العلوم کے کتب خانہ حوالہ کی یہ کتابیں دیکھنے جاتے فتحپور سے ایک صاحب نے آکر کسی اہم معاملہ کی ان کو اطلاع دی اور وہ فتح پور روانہ ہو گئے۔

علمی تحقیق و تفتیش

ایک بار میں لکھنؤ سے کانپور آیا تو مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ الہ آباد کی گورنمنٹ لائبریری میں سمعانی کی کتاب الانساب ہے اس کا خط بہت باریک اور شکستہ ہے بعض بزرگوں کے انساب نوٹ کرنے ہیں تم چلو تمہاری مدد سے مجھے نوٹ کرنے میں آسانی ہوگی۔

الہ آباد ہی میں مجھے "بحر ذخار" نامی کتاب دیکھنا تھی چنانچہ ہم لوگ الہ آباد پہونچے تین دن "کتاب الانساب" میں الجھے رہے جو مواد ان کو لینا تھا وہ لیا، پھر چوتھے دن دائرہ شاہ محمدی

میں پہونچکر بجز خار دیکھی گئی اس سے کچھ نوٹس میں نے لئے پانچویں دن واپسی ہوئی۔

مرحوم لکھنؤ آتے تو ندوہ کے کتب خانہ میں بیٹھکر کتابیں دیکھا کرتے اور نقل بھی کرتے جاتے شام کے وقت حاصل مطالعہ پر بحث بھی کرتے تھے۔

نسبی افتخار سے گریز

راقم الحروف کے بچپن میں شرفاء کے خانوادے اپنی سیادت پر فخر و مباھات ہی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایک اعتبار سے "سیادت" کی نخوت میں مبتلا تھے، دوسرے خانوادوں کو حقیر سمجھتے اور کہہ بھی بیٹھتے، بعض خانوادوں میں آج بھی یہ صورت حال برقرار ہے۔

بعض گھرانوں میں ناواقف افراد ایسے بھی تھے جو سادات سے رشتے ناطے کی وجہ سے رہتے سہتے عرصہ گزر جانے کے بعد خود کو "سید" سمجھنے اور کہنے لگے تھے۔ لبا اوقات یہ صورت حال بہت پیچیدہ ہو جاتی تھی۔

مبالغہ کے ساتھ "سادات" کا اپنی "سیادت" پر فخر و مباہات چھوٹے بچا مرحوم کو بالکل ناپسند تھا ____ کسی کسی وقت طیش میں آکر وہ "سادات" پر سخت تنقید کر جاتے تھے۔ جس کا بعد میں ان کو افسوس بھی ہوتا تھا۔

اسی کا ردعمل تھا کہ مرحوم نے خود کو کبھی "سید" نہیں لکھا۔ اور نہ کسی دوسرے کا لکھا پسند کیا۔

تحریری دیانت مرحوم سے جب کوئی اپنی کسی ضرورت پر شجرہ مرتب کراتا یا طلب کرتا۔ تو وہ صراحت کے ساتھ کہہ دیتے کہ "آپ جو کچھ ہیں میں وہی لکھ سکوں گا۔"

قلمی متروکات شریف خانوادوں کے شجروں کے حصول اور ان کی تسوید میں جو مشقت انھوں نے جھیلی اس کا اندازہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ قلمی مواد ہمارے آپ کے سامنے ہو، تاہم بعض متروکات کا تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

(۱) آئینہ سالاری: یہ کتاب مرحوم نے چار پشت ناموں کو سامنے رکھ کر تحریر کی لیکن صرف حضرت شاہ بہاء الدین رح کے اعقاب ہی پر مشتمل ہے۔ حضرت شاہ علاء الدین کے اعقاب میں صرف ملا عبدالکریم دانشمندی شاخ کا تذکرہ ہے، بقیہ شاخوں پر وہ لکھ نہ سکے۔

(۲) شجرہ: خاندان کا ایک شجرہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے مرتب کیا لیکن سیدنا علی عریضی کے صاحبزادگان حسن اور محمد ہی تک لکھ سکے۔ اس کے آگے تحریر و تسوید کی ذمہ داری راقم سطور پر ڈال دی۔

(۳) روحانی شجرہ: سلاسل اولیاء اللہ کا ایک شجرہ بھی مرتب کیا تھا جو محفوظ ہے

(۴) بزرگان فتحپور: بزرگان فتحپور کے عنوان سے ایک کتابچہ انتقال سے چند ماہ بیشتر تحریر کیا تھا، راقم سطور نے اس میں اضافہ کی درخواست کی تھی، علالت کی وجہ سے اضافہ

نہیں کر سکے۔

(۵) کتاب الانساب : یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری لیکن مرحوم نے اس کا تذکرہ "آئینہ سالاری" میں کیا ہے یعنی "کتاب الانساب" "آئینہ سالاری" سے بھی پہلے تحریر ہو چکی تھی۔ "آئینہ سالاری" کا سال تحریر ۱۹۳۴ء ہے [۲۵]

کتب خانہ مرحوم کے پاس ایک دقیع کتب خانہ تھا جس میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں تھیں یہ ذخیرہ خاصہ اہم اور بڑا تھا۔ کچھ کتابیں کوڑہ سے کانپور منتقلی کے دوران ضائع ہوئیں اور بڑا حصہ کانپور میں دیمک کی نذر ہوا اب بھی جو کچھ موجود ہے وہ بھی قیمتی ہے۔

بیعت مرحوم مولانا محمد سلیمان شاہجہانپوریؒ سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت تھے۔

شادی اور اولاد مرحوم نے دو شادیاں کیں، پہلی شادی باندہ کے زیدی سادات میں منشی غوث علی مرحوم کی صاحبزادی بدر النساء سے ہوئی جن سے دو بیٹے ایک بیٹی، بڑے صاحبزادے میاں عبد الباری اور ایک صاحبزادی زبیدہ خاتون کا ان کی زندگی ہی میں صاحب اولاد ہو کر انتقال ہوا۔ دوسرے صاحبزادے سید محمد عبد الہادی بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں۔ پہلی اہلیہ بدر النساء کا انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا۔

---

[۲۵] آئینہ سالاری ص ۱۷

دوسری شادی جائس کے عثمانی گھرانے میں جو ابروورہ ضلع مرزاپور میں مقیم تھا مولوی شفیع مرحوم کی صاحب زادی سیدہ خاتون سے ہوئی جن سے تین بیٹے اور دو بیٹی بقید حیات ہیں۔

وفات

کان پور سے اہلیہ کا خط پہونچا کہ چھوٹے چچا کی طبیعت خراب ہے گلے میں ورم ہے، تین دن سے کھانا نہیں کھایا آپ جلد آئیں۔

دفتر کا وقت ختم ہو رہا تھا گھر آیا بچوں کو ہدایات دے کر کانپور پہونچا، سلام و دعا کے بعد حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اب ورم نہیں ہے کچھ غذا بھی ہوئی ہے۔

مغرب کے بعد منشی عبدالمجید صاحب (سابق امین نہر) کی موجودگی میں انہوں نے مجھے دو ہدایتیں دیں [۲۲۶]

(۱) کوڑہ کا مکان تمہارے یا عبدالہادی کے کام آئیگا وعدہ کرو کہ اسکو فروخت نہیں کرو گے۔ میں نے وعدہ کر لیا۔

(۲) تمہاری بچی کے پاس آراضی موجود ہے ان کو ضرورت نہیں میری آراضی سے چھ بیگھہ میرے پوتے عبدالباقی کو دے دینا بقیہ آراضی عبدالہادی کو دے دینا۔

راقم سطور نے مجید ماموں سے عرض کیا، چھوٹے چچا نے جو

---

[۲۲۶] منشی عبدالمجید مرحوم چھوٹے چچا کے چچیرے برادر نسبتی تھے خلوص اور تعلق سے پیش آتے تھے ہم لوگ ان کو مجید ماموں کہا کرتے تھے۔

کچھ کہا آپ نے سنا؟ انھوں نے جواب دیا ہاں ہم نے سنا، میں نے پھر پوچھا آپ ان باتوں کی شہادت دینگے انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں ہم شہادت دینگے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر میں گھر چلا آیا۔

بایں خیال کہ چھوٹے چچا کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے اور علاج بھی اچھے ڈاکٹر کا چل رہا ہے لکھنؤ واپسی کا ارادہ کرکے صبح پھر خانقاہ پہونچا، اجازت چاہی فرمانے لگے۔ کیا آج تم ٹھہر نہیں سکتے؟" ان کے لہجہ کی لرزش محسوس کرکے اپنا ارادہ بدلتے ہوئے عرض کیا۔" آپ اطمینان رکھیں میں آج ٹھہروں گا۔" میرے اس جواب سے وہ مطمئن ہوگئے، تو انھوں نے پھر اپنی زمین کی بات دھرائی، میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ متعلقہ کاغذات تمہارے گھر میں فلاں بکس میں رکھے ہیں، اسکے بعد انھوں نے مزید ہدایات دیں۔

(۳) مبلغ ایک ہزار روپے گوری شنکر کے پاس ہیں اس سے لیکر اپنی چچی کو دیدینا۔

(۴) کفن دفن کے لئے روپے میں نے عبدالمجید صاحب کے پاس رکھوا دیئے ہیں ان سے لیکر خرچ کرنا۔

(۵) غسل اور تجہیز وتکفین تم ہی کرنا۔ دوپہر تک میں انہی کے پاس رہا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو میں اجازت لیکر گھر چلا آیا۔

۲ بجے سہ پہر کو اطلاع ملی طبیعت زیادہ خراب ہے چلیئے جو تدبیریں ممکن ہوسکتی تھیں وہ کی گئیں لیکن زندگی کے دن پورے ہوچکے تھے رات میں عشاء کے بعد راہی ملک بقا ہوئے غفراللہ لہٗ

سید شاہ محمد آفاق

یہ بزرگ فتحپور میں متوطن تھے۔ کوڑہ کم آتے جاتے تھے اسلئے راقم الحروف ان کے حالات سے واقف نہیں ہو سکا۔

مرحوم نے اپنی عمر کا ایک حصہ حیدرآباد دکن میں بھی گذارا تھا' اپنے برادر نسبتی کے کہنے پر حیدرآباد سے آکر زمینداری کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے' اور تجارتی مشغلہ بھی اختیار کیا۔ سرکاری ملازمت میں بھی رہے اسی سے ریٹائر ہوئے۔ مخدوم زادوں کا یہ گھرانہ فتحپور ہی کا ہو کر رہ گیا، ماشاء اللہ خاصہ پھل پھول رہا ہے، لیکن بزرگ مرحوم کے بارہ میں میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔

شجرہ محمد آفاق بن محمد اسحاق بن مخدوم بخش بن حفیظ اللہ بن فرحت اللہ بن حکمت اللہ بن شہاب الدین بن فیض اللہ بن شاہ محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ۔

حلیہ چھریرہ بدن، گول چہرہ، سفید داڑھی، خمیدہ کمر، سیدھے کھڑے ہوتے تو قد کی درازی محسوس ہوتی، بعض بزرگوں کو کہتے سنا کہ ان کا حلیہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا جلتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سال ولادت اور تعلیم کا حال معلوم نہ ہو سکا لیکن یہ معلوم ہے کہ مرحوم کسی سرکاری ملازمت میں تھے اسی سے ریٹائر ہوئے۔

عام حالات اپنے دور میں حضرت شاہ علاء الدین کے اعقاب میں سب سے بڑے تھے' اس لئے مخدوم زادگان

نے ان کو حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سجادہ نشین منتخب کیا تھا۔

فتح پور میں ایک گھر حضرت شاہ بہار الدین رح کے اعقاب میں ڈپٹی سید محفوظ علی رح کا تھا جہاں اسی شاخ کے کوڑہ سے آنیوالے اشخاص و افراد قیام کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اعقاب میں شاہ محمد آفاق کا دولتکدہ تھا جہاں اسی شاخ کے کوڑہ سے آنیوالے مہمان اکثر و بیشتر مقیم ہوتے تھے۔

ان کے بڑے صاحب زادے سید اعجاز حسین مرحوم ہجوہ کی تحصیل میں مختار عدالت تھے جن کا حسن پوشاک بیگانہ تھا۔ شاہ محمد آفاق رح کبھی کبھی ہجوہ آکر جہاں مقیم ہوتے تھے ان کی ہجوہ آنیکی اطلاع کوڑہ پہونچتی تو اسی شاخ کے افراد مولوی حاجی سید حبیب اللہ مولوی سید اخلاق احمد، مولانا سید محمد عبدالحی، مولوی عبدالقدیر ہجوہ آکر شاہ صاحب سے ملاقات کرتے تھے۔

مرحوم سادہ مزاج، لیکن منتظم تھے، میں نے ان کو اکثر ذکر و فکر کی حالت میں دیکھا، جب کوئی ملنے کے لئے پہونچتا تھا تب ہی وہ مخاطب ہوتے تھے ورنہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔

اپنے ادر عزیزوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، کسی کو خط لکھنے کی نوبت آتی تو اس مقام کے اپنے ہر خورد کا حال دریافت کرتے اس کیلئے دعائیں لکھتے تھے۔

بیعت | کچھوچھہ کے مولوی حسین علی شاہ صاحب کے دست گرفتہ اور اپنے

اوقات کے پابند تھے ۱۹۴۵ء میں انتقال ہوا رحمۃ اللہ علیہ

سید صدیق احمد

پسر سید عنایت احمد سنہ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ کالج کانپور سے ہائی اسکول کیا۔ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ فارسی میں منشی کامل کیا۔ عربی کی صلاحیت بھی ان میں اچھی تھی۔ بالخصوص صرف ونحو کے مسائل ان کو اچھے یاد تھے۔ بقیہ مضامین کا مجھے تجربہ نہیں ہوا۔

ادبیات لطیفہ

حضرت شاہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیر سالاری سے ان کو خاص دلچسپی تھی، اس کی بعض عبارتیں ان کو زبانی یاد تھیں اور ان پر بحث بھی کرتے تھے۔ یہ ان کی دلچسپی کا موضوع تھا۔ سیر سالاری کے ایک فقرہ سنی الحال یا سنی الحال پر عرصہ تک مخدوم زادوں میں گفتگو چلتی رہی جس کا تذکرہ میں نے مولوی عبدالقدیر نسابہ کے ذکر میں کیا ہے۔ صدیق بھائی اس مجلس میں شیعہ اور سنی مخدوم زادوں کے درمیان ثالث کی حیثیت رکھتے تھے، میں نے ان کو متوجہ کیا کہ یہ لفظ سنی الحال نہیں سنی الحال ہے تو انہوں نے سنی مخدوم زادوں کے حق میں فیصلہ کیا۔

خصوصیات

متین، سنجیدہ، ذکی فہم اور مدبر تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اگر وہ چاہتے تو ان کو کوئی اچھی

سرکاری ملازمت مل سکتی تھی لیکن ان کا ذہن ادھر متوجہ نہیں ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں انہوں نے اینٹوں کا ایک بھٹہ لگوایا جس میں ان کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن وہ ہمت نہیں ہارے۔ دوسرا پژاوہ لگوایا اور کامیاب ہوئے، یہ کاروبار ان کے ہاتھ کچھ ایسا لگا کہ پھر انھوں نے بڑے پیمانے پر بھٹوں کا سلسلہ شروع کردیا، ان کے اس کاروبار نے شہرت حاصل کی۔ کئی کئی ملازم اور اہل کار کام کرتے تھے۔ ایک کارخانہ کھولا جس میں آٹا چکی، ایکسپیلر دھان مشین بھی تھی ان کا یہ کاروبار بھی خوب چلا۔

شادی پہلی شادی قاسمیہ بی بی بنت روح الامین سے ہوئی جن سے دو بیٹے شکیل احمد عتیق احمد پیدا ہوئے اور پانچ بیٹیاں ہوئیں۔ سیدہ عطیہ طیبہ شاہدہ راشدہ

دوسری شادی مفیدہ خاتون بنت حافظ اشفاق حسین عباسی عرف حافظ ہنسو سے ہوئی جن سے تین بیٹے ہدایت احمد غفران احمد رضوان احمد اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں عائشہ خاتون غزالہ اور خدیجہ سنبل۔

پاکستان ان کا لڑکا شکیل احمد چونکہ پاکستان منتقل ہوگیا تھا اور وہاں کسی اچھی جگہ پر تھا اس لئے آخر عمر میں انھوں نے بھی پاکستان کے لئے رخت سفر باندھا، سارے کاروبار ختم کرکے ۱۹۶۹ء میں کراچی چلے گئے تھے۔

انتقال ۱۹۸۳ء میں ۷۲ سال کی عمر پاکر بمقام کراچی انتقال کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

سید شاہ واعظ حسن

واعظ حسن بن مولانا سید شاہ وارث حسن رح ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، سانولا رنگ، گول چہرہ، چھریرہ بدن بھر کر چہرے سے بھولا پن ٹپکتا تھا۔ اسی مناسبت سے چھوٹے میاں کہے جاتے تھے۔ ان کی یہ عرفیت ایسی مشہور ہوئی کہ اصلی نام کم ہی لوگ جانتے تھے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم کوڑہ کے مدرسہ میں حاصل کی پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے جہاں مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ان کے ہم سبق و ہمدرس تھے۔

ورزش

ابتداء جوانی میں ورزش سے ان کو دلچسپی تھی۔ ڈنڈ لگاتے، بیٹھک نکالتے مگدر ہلاتے، میں نے ان کو کئی بار دیکھا، ہنس مکھ، لوگوں سے نرم لہجہ میں بات کرتے سب ہی کے محبوب تھے۔

تبلیغ کانفرنس

۱۹۳۰ء میں جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کی کوڑہ میں کانفرنس ہوئی تو پنڈال کی آرائش، بینرس اور بورڈ کی تیاری، رضاکاروں کا نظم و نظام ان ہی کے سپرد ہوا، اپنے سامنے کھڑے ہوکر سارے کاموں کی نگرانی کرتے، اشیاء کی فراہمی کراتے، عبارتوں کی نوک پلک درست کراتے، ماسٹر محمد صابر مرحوم لکھنے لکھانے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔

مہمان علماء کے چند افراد ان ہی کے مکان میں فروکش ہوئے

توان کی خاطر و تواضع، آرام و آسائش کی خدمت انھوں نے انجام دی۔

ماہنامہ عرفان

۱۹۳۲ء میں مولانا محمد یونس ندوی مدرسہ دارالارشاد کے صدر مدرس ہو کر آئے توان سے تعلقات قائم ہوئے "عرفان" نامی ایک ماہنامہ کے اجراء کی بات طے پائی تو بھولے میاں خود کاپور گئے کاتب فراہم کیا اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری قبول کی۔ بحیثیت معاون مدیر تصوف کے موضوع پر مواد فراہم کرتے تھے۔

والد گرامی کا انتقال اور جانشینی

بھولے میاں کی دینی سرگرمیوں پر زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ۱۹۳۶ء میں ان کے والد گرامی مولانا سید شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ بھولے میاں ابتلاء و آزمائش میں پڑ گئے۔ مولانا مرحوم کی جانشینی کے لیے کئی مدعی کھڑے ہوئے خیر سے اندرون خانہ مولانا کے دوسرے صاحبزادے کے لیے جو اس وقت کم عمر اور زیر تعلیم تھے جانشینی کی مسند رکھ دی بلکہ ان صاحبزادہ کی آڑ میں خود اپنی جانشینی کی کوشش کرنے لگے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا جو دیکھنے میں آیا۔ حالانکہ جانشینی کا کوئی تصور نہ تو بھولے میاں کے ذہن میں تھا اور نہ ان سے بڑے دوسرے اہل خاندان کے ذہن میں تھا۔ اس مرحلہ پر بھولے میاں گم سم رہے "تک تک دیدم دم نہ کشیدم" کا صحیح مصداق جانشینی کا یہ سوال کیوں اٹھا؟ اس کا پس منظر کیا تھا؟ اس سے

بہت کم لوگ واقف ہیں۔

(۱) مولانا علیہ الرحمہ کے حلقۂ ارادت میں عام طالبین کے ساتھ ساتھ رؤساء امراء جاگیردار، تعلقہ دار اور حکومت کے ادنیٰ و اعلیٰ عہدیدار بھی تھے۔ لوگوں کی نگاہیں مادی اعتبار سے صاحب حیثیت افراد ہی پر پڑتی تھیں۔

(۲) مولانا صرف اعزا و اقارب ہی کے کام نہیں آتے تھے بلکہ ضرورتمند طالبین اور متوسلین کی ایک جماعت، کم و بیش افراد پر مشتمل روز ہی مہمان رہتی تھی۔

یہ اتنا بڑا خرچ تھا جس کا تحمل بغیر کسی بڑی آمدنی کے ممکن نہ تھا۔ مصارف کی اس ریل پیل کو لوگ امراء و رؤساء کے ہدایا و نذرانوں کی آمدنی ہی سمجھتے تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا کہ خانقاہ کا یہ سارا نظام ہدایا اور نذرانوں پر چل رہا ہو۔

مولانا ایک مسلم گاؤں کے زمیندار تھے جس سے معقول یافت تھی جس کا بڑا حصہ وہ اپنی خانقاہ اور اپنے متوسلین پر صرف کرتے تھے۔

بھولے میاں اس صورت حال سے واقف تھے اس لئے وہ جانشینی یا سجادگی کا درد سر پالنا نہیں چاہتے تھے۔

مولانا کے انتقال کے بعد کوڑہ کے مخدوم زادگان انفرادی طور پر تعزیت کے لئے آتے رہے اور جو بھی آتا وہ صورت حال کو کچھ نہ کچھ سمجھ بوجھ کر واپس جاتا، آخر میں مخدوم زادگان ایک وفد کی شکل میں آئے۔ ان آنے والوں میں مولوی حاجی حبیب اللہ

مولوی حکیم وجاہت احمد، مولوی سید اخلاق احمد، مولانا سید محمد عبد الحیٔ اور مولوی سید محمد عبد القدیر تھے۔ مخدوم زادگان کا یہ دفد سوجھ بوجھ دینی بصیرت، جد و جہد، حرکت و عمل کے اعتبار سے خاندان کا مکھن تھا۔ جس نے حالات کا جائزہ لیا اور یہ رائے قائم کی:

(الف) جانشینی کا مسئلہ چونکہ اپنی طرف سے نہیں اٹھا بلکہ دوسروں نے اٹھایا ہے اسلئے اسکو اسیطرح چھوڑ دینا اور اسکا سے اہمال و اغماض برتنا اب صحیح نہ ہوگا۔

(ب) چونکہ جانشینی کے چرچے متوسلین و طالبین کے ہر حلقہ میں ہو رہے ہیں اہل غرض کو چھوڑ کر مخلص افراد پریشان ہیں اور ان کا ذہن بھی یہ بن گیا ہے کہ کسی نہ کسی کو ہماری جماعت کا سربراہ ہونا چاہیئے، اس جماعت کو اپنے حال پر چھوڑ دینے سے ان میں مایوسی پیدا ہوگی، اصلاح و ارشاد کا جو عمل جاری تھا وہ ختم ہو جائے گا جس پر عند اللہ مواخذہ کا بھی اندیشہ ہے۔

(ج) اس لئے چھوٹے میاں کو یہ ذمہ داری قبول کرنا چاہیئے۔ رہ گیا حضرت کے اخراجات کا مسئلہ تو جس طرح مولانا کرتے رہے چھوٹے میاں بھی اسیطرح کریں۔ پورا کرنے والا اللہ تعالی ہے۔

بھولے میاں کی امداد واعانت، دلجمعی، برو قت رائے مشورے کے لئے مولانا محمد یونس مرحوم کو ان کے وطن سے بلاکر تعاون کی درخواست کی گئی جانشینی کی اس گتھی کو سلجھانے کی ذمہ داری ان کو سونپی گئی۔

بھولے میاں کو اس وفد کی آمد اسکے فیصلہ پھر مولانا محمد یونس رح کی موجودگی سے بڑی تقویت پہونچی۔ ان کے اندر انشراح پیدا ہوا اور وہ اپنے بڑوں کے فیصلہ پر کاربند ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

جانشینی اہل تعلق کے آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ مختلف قسم کی اطلاعات موجود مختلف حلقوں سے برابر آرہی تھیں اسلئے معاملہ کو قرآن خوانی اور ایصال ثواب کے نقطۂ نظر سے زیادہ اٹکائے رکھنا مناسب نہیں تھا۔ دسویں یا گیارھویں دن تلاوت وغیرہ سے فراغت کے بعد لوگوں کو جمع کیا گیا۔ مولانا محمد یونس رح نے گفتگو کا آغاز کیا سب سے پہلے عاشق صادق مرحوم نے بھولے میاں کی جانشینی سے اختلاف کیا۔ ان کے بعد محمد نسیم ایڈوکیٹ نے اختلاف کیا۔ یہ دونوں حضرات مولانا علیہ الرحمہ کے بہت قریب تھے لیکن کلکتہ، بمبئی، گورکھپور، بنارس، دہلی کے ارادت مندوں نے مذکورہ حضرات کی رائے سے اختلاف کیا، بات بڑھتی لیکن مولانا محمد یونس علیہ الرحمہ نے اختلاف کرنے والوں کو دلائل دے کر زیادہ سے زیادہ مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ مولانا اپنی سعی میں کامیاب ہوئے اور بالاتفاق بھولے میاں کے سر پر مولانا مرحوم کی ایک دستار جانشینی کے تاج

کے طور پر رکھ دی گئی۔ دعا پر یہ اجتماع ختم ہوا۔

حضرت مدنی رح

ایک دن مولانا محمد یونس، شیخ مشرف حسین برف والے بھولے میاں کے پاس کمرہ میں بیٹھے ہوئے کسی خاص موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح اور مولانا ابوالوفا، شاہ جہانپوری تشریف لاتے ہوئے نظر آئے، بھولے میاں اپنی جگہ چھوڑ کر استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے حضرت مدنی رح تشریف لائے تو بھولے میاں نے مصلے پر تشریف رکھنے کی درخواست کی، مولانا نے فرمایا نہیں اس پر آپ ہی بیٹھیں بھولے میاں کو تردد ہوا تو حضرت مدنی رح نے فرمایا "میرا حکم ہے آپ ہی اس پر بیٹھیں" حکم عدولی کی گنجائش نہیں تھی۔ حضرت مدنی رح دیر تک مولانا کا تذکرہ فرماتے رہے۔ بھولے میاں کا بھی حال دریافت فرمایا کچھ دیر تشریف رکھ کر واپس ہو گئے۔

مولانا محمد یونس رح نے حضرت مولانا کے اس حکم کو بھولے میاں کے حق میں فال نیک تصور کرتے ہوئے ان کو مبارک باد دی۔

پہلا حج

۱۹۳۶ء ہی میں بھولے میاں اور مولوی سید اخلاق احمد رح والد گرامی مولانا سید محمد عبدالحئی علیہ الرحمہ کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے۔ مذکورہ بالا ہر دو افراد کا یہ پہلا حج تھا اور والد گرامی علیہ الرحمہ کا یہ تیسرا حج تھا۔

ہفت روزہ پیام انسانیت

مولانا عبدالباری ندوی رح کا صبح و شام ٹہلنے کا معمول تھا کبھی کبھی وہ سلسلہ بھی آجاتے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ

عصری تعلیمگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے مضافات سے جو طلبہ آتے ہیں مسجد کے زیریں حجرے ان کی دینی تربیتی اقامت گاہ کے طور پر استعمال ہوں تو مناسب ہوگا، اس تجویز کی تائید مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی زید مجدہٗ نے بھی کی۔ راقم سطور نے بھولے میاں کا عندیہ معلوم کیا تو انھوں نے اس تجویز کا خوشدلی کے ساتھ خیر مقدم کیا، لیکن یہ تجویز عملی شکل اختیار نہ کرسکی۔

توکل خاتمۂ زمینداری کے بعد کچھ عرصہ تک تو ان کی اقتصادی حالت بہتر رہی لیکن ایسا بھی وقت آیا کہ وہ خاصے متفکر اور پریشان رہنے لگے، کبھی کبھی راقم سطور کو کچھ بتا بھی دیتے تھے لیکن عام طور پر ان کی وضعداری حسب معمول برقرار رہی ویسے ہی ہنسنا بولنا، ویسا ہی آمد و رفت کی خاطر و تواضع کرنا مجال کیا کہ کسی کے سامنے اپنی پریشانی کا ذرا سا بھی اظہار ہوجائے میں دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ ابھی جو کچھ مجھے بتایا وہ صحیح تھا یا جو کچھ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں وہ صحیح ہے؟ اللہ تعالیٰ کا پھر فضل ہوا حالات بدلے اور یہ اقتصادی بحران ختم ہوا۔

استغناء بھولے میاں کے مزاج میں استغناء کی کیفیت زیادہ تھی دوسروں کی مدد فیاضی کے ساتھ کرتے تھے لیکن اپنی ضرورت پر کسی سے کسی چیز کے طالب نہ ہوتے تھے۔ ہدایا وغیرہ قبول کرنے میں بھی یہ کیفیت کبھی کبھار مانع ہوجاتی تھی کبھی کچھ لے لیتے تو اس کا تذکرہ بھی کرتے تھے۔

اجتماعی مزاج:- حضرت مولانا شاہ وارث حسن رحمۃ اللہ

اوران کے صاحب زادے بھولے میاں کے معمولات میں تھوڑا سا فرق تھا۔ مولانا سنن ونوافل اپنے کمرے میں پڑھتے تھے بھولے میاں سنن ونوافل بھی مسجد ہی میں ادا کرتے تھے۔

مولانا کے یہاں حاجب و دربان تھے اجازت کے بغیر کوئی مل نہیں سکتا تھا۔ بھولے میاں بالعموم مسجد ہی میں نماز کے بعد لوگوں سے مل لیتے تھے اور ان کی ضرورتیں رفع کردیتے تھے۔

مولانا کا کھانے اور افطار کا معمول اپنے کمرہ ہی میں تھا بھولے میاں مسجد میں سب کے ساتھ افطار کرتے اور کھانا بھی کھاتے تھے۔ مولانا کے معمولات مصالح کی بنا پر تھے۔ اور بھولے میاں اجتماعیت پسند تھے۔

صبر وضبط

بھولے میاں متحمل مزاج تھے صبر وضبط میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ پہلی مرتبہ اہلیہ سے ایک جوان بچی اور ایک بچے کا انتقال ہوا اللہ تعالیٰ کی مرضی سمجھکر انھوں نے صبر کیا دوسری شادی سے دو بچوں کا ایک ہفتہ کے وقفہ سے انتقال ہوا۔ راقم سطور کی تعزیت پر کہنے لگے "مولوی سمیع! اللہ کی مرضی یہی تھی کیا تم کم کر سکتے ہو، کیا میں اللہ تعالیٰ سے اجر کا امید وار ہوں وہی اجر دے گا۔

ٹیلہ کی مسجد میں عیدین کی نماز

جمعۃ الوداع کی نماز دو مسجدوں کی بہت مشہور ہے دہلی کی جامع مسجد اور لکھنؤ کی ٹیلہ والی مسجد ٹیلہ کی مسجد میں بھی لوگ مضافات اور قریبی شہروں سے آجاتے ہیں لیکن عیدین کی نماز کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی

حیات ہی سے ایک انجانی بندش کا احساس رہتا تھا۔ عید کی نماز کے لئے ایک بڑی جماعت ٹیلہ سے حضرت شاہ مینا رحمۃ اللہ کی مسجد میں جاتی تھی۔ دو بار یہ اتفاق راقم سطور کو بھی پیش آیا۔ میں نے بھولے میاں سے اس موضوع پر کھل کر بات کی اور پھر ایک زمانہ کے بعد ٹیلہ کی مسجد میں عید کی نماز ہوئی۔ جس بندش کا احساس تھا۔ اس سے سابقہ نہیں پڑا۔

لنگر

بھولے میاں ٹیلہ پر موجود ہوتے یا نہ ہوتے ان کی خانقاہ کا لنگر جاری رہتا تھا، رمضان المبارک میں متوسلین کی تعداد خاصی ہوتی تھی جس کے مصارف وہ خود برداشت کرتے تھے، لیکن سالانہ فاتحہ کے موقع پر بن بلائے شہری افراد مع بال بچوں کے پہونچ جاتے تھے جس کی وجہ سے بالعموم وہ زیربار ہوتے تھے۔ منتظمین نے بھولے میاں کو بارہا اس صورتِ حال کی جانب توجہ دلائی لیکن انھوں نے ہمیشہ سکوت ہی اختیار کیا۔

عقد ازدواج واعقاب

بھولے میاں کی پہلی شادی ساجدہ بیگم بنت مولوی عبدالشکور تحصیلدار اردل ضلع چھپرہ سے ہوئی جن سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تولد ہوئیں جن کا بھولے میاں کی حیات میں کم سنی میں انتقال ہوا۔

پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی فتح پور کے سید سجاد حسین مرحوم کی صاحب زادی صغریٰ خاتون سے ہوئی جن سے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تولد ہوئیں۔ فضل الرحمٰن، فضل حق، فضل الٰہی فضل رب عرف حسین میاں، ریحانہ بی، فرزانہ بی، رضوانہ بی، فرحانہ بی،

ان میں سے فضل رب عرف حسین میاں نیز فرزانہ اور رضوانہ بی بی ان کی زندگی ہی میں فوت ہوئیں۔

وفات کچھ عرصہ سے شدید بیماریوں میں مبتلا تھے گھنٹوں سے معذور ہو گئے تھے بیٹھکر نماز پڑھتے تھے۔ ۱۰ ار فروری ۱۹۸۹ء یوم جمعہ ۵ ½ بجے صبح انتقال ہوا۔ مرحوم کی اصلاح و تربیت سے اندرون و بیرون لکھنؤ بہت لوگوں کو فائدہ پہنچا، وہ اپنے عہد کی ایک تاریخ تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

سید صدیق حسن حکیم سید نصرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب زادے ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی، ــــــ مولانا حکیم سید نصرت حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مالٹا میں انتقال کے بعد جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ رہا ہوئے تو تعزیت کے لئے کوڑہ تشریف لائے۔ تو ان دونوں بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند بھیجنے کی تجویز رکھی، چنانچہ سید صدیق حسن اور ان کے چھوٹے بھائی سید شبیر حسن مشتاق کی ہمراہی میں دیوبند گئے، لیکن ان کی طبیعت وہاں نہیں لگی کچھ عرصہ کے بعد واپس آ گئے، تو مولانا سید محمد ہاشم نے مولانا حکیم عبد العزیز شاہجہانپوری کو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کیا۔ جو کچھ پڑھا دونوں بھائیوں نے انھیں سے پڑھا۔ اب یہ باشعور ہو رہے تھے اور ان کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی ہو رہی تھی، جس کو محسوس کر کے مولانا سید محمد ہاشم اپنے مستقر حیدرآباد چلے گئے۔

جائداد کا پورا نظم و نظام ان کے ہاتھ آ گیا تھا لیکن ناتجربہ کاری

کی وجہ سے یہ اسکو سنبھال نہ سکے۔ جائداد مزید مقروض ہوگئی۔
بزرگ مخدوم زادگان نے افہام وتفہیم کی بھرپور کوشش کی، اسی زمانہ میں انھوں نے اپنی کوٹھی کی زیب وزینت، سجاوٹ شروع کردی آلات وظروف سے اسکو مزین کیا، لیکن یہ شاہ خرچی کب تک چلتی، حالات تنگ ہورہے تھے اور اب ان کے سنبھلنے کا وقت آگیا تھا چنانچہ سنبھلے ان کے سنبھلنے میں ان کے چھوٹے بھائی سید شبیر حسن نے بھی تعاون کیا۔

تحریکات کوڑہ میں جو دینی وملی تحریکیں اٹھتی تھیں ان میں وہ برابر شریک رہتے تھے۔ ۱۹۴۴ء میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کی مخاصمت بڑھی تو مسلم لیگ کے ساتھ ہوگئے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو مسلم لیگ کا ہمنوا بنانے میں ان کو بڑا دخل تھا۔ جس کے بعد ہی "مکالمۃ الصدرین" کی نوبت آئی تھی، حضرت مدنیؒ، مولانا عثمانیؒ کے درمیان سیاسی مسائل پر گفتگو ہوئی جو "مکالمۃ الصدرین" کے نام سے شائع ہوئی۔
۱۹۴۵ء میں جب الیکشن کا زمانہ آیا تو مسلم لیگ کے کرتا دھرتا افراد نے ان کو صاحب زادہ جانشین شیخ الہندؒ کا عنوان دے کر صوبہ میں ہر جگہ پروپیگنڈہ کیا، بالخصوص ضلع بجنور میں، اس لئے کہ اس ضلع کی اکثریت جمعیۃ العلماء کی حمایت پر تھی۔

پاکستان پاکستان بنا اور یہ کوڑہ سے رخصت ہوئے اہل وعیال کا ایک قافلہ تو ان کے ساتھ گیا، دوسرا قافلہ یہیں رہ گیا۔ کراچی اور دادو میں انھوں نے جائداد بنائی، کراچی کی جائداد تو کلیم میں حاصل کی اور دادو کی کوٹھی خود

بنوائی، لاہور کے قریب بھی کچھ آراضی کلیم میں حاصل کی تھی لیکن اس کا انتظام مناسب نہ ہو سکا اس لئے وہ زمین نکل گئی۔

عقد ازدواج و اعقاب

سید صدیق حسن کی پہلی شادی ہرگام کے زیدی خانوادہ میں مولانا شاہ عبدالسلامؒ کی پوتی حافظ سید عبدالمغنیؒ کی صاحب زادی زہرہ بی سے ہوئی جن سے تین بیٹے سید راشد حسن، سید طاہر حسین سید قاسم حسن پیدا ہوئے اور ایک بیٹی اسمار خاتون عالم وجود میں آئیں جن کی شادی سید شاہ قتلی حسن سے ہوئی۔ سید طاہر حسین پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔ چند سال پیشتر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ سید صدیق حسن نے اپنا دوسرا عقد قصبہ بندکی میں کیا تھا جن کے اعقاب کراچی میں موجود ہیں نام معلوم نہیں ہو سکے۔

سید شبیر حسن

مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹا کے چھوٹے بیٹے ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کوڑہ کے مدرسہ میں حاصل کی، اپنے بڑے بھائی سید صدیق حسن کے ساتھ دیوبند گئے مگر ان کا وہاں جی نہ لگا تو ان کے ساتھ یہ بھی واپس آئے، مولانا حکیم عبدالعزیز شاہجہانپوری کی تعلیم و تربیت میں رہے، ان کی دادی کے اصرار پر والد گرامی مولانا سید محمد عبدالحئی مرحوم ان کو اپنے ساتھ آگرہ لے گئے اور وہاں سے پھر انبالہ لائے جہاں مسلم ہائی اسکول میں داخل کرایا اور وہیں پر دار الاقامہ میں رہائش کا نظم تھی، والد صاحب کا اس زمانہ میں مع اہل و عیال کے قیام انبالہ ہی میں تھا، جمعرات کو یہ گھر آجاتے جمعہ

رہ کر سینیجر کو پھر اسکول چلے جاتے۔

خوش خلق، خود دار، فرق مراتب کا لحاظ رکھتے تھے، صدؔ بھائی تو صرف سیاسی مسائل پر بولتے تھے لیکن شبیر بھائی مسلمانوں کے ہر دینی و ملی مسئلہ میں کوڑا جہان آباد کے مسلم نوجوانوں کی زبان بن گئے تھے، ایک بار جہان آباد کی ایک قناتی مسجد کا مسئلہ اٹھا جس میں ہندوؤں کے سوا تھانہ کے کچھ ہندو ملازمین بھی ملوث تھے قبل اسکے کہ مولانا سید محمد عبدالحیؒ اطلاع پاکر آگرہ سے کوڑہ آتے شبیر بھائی نے احتجاج کے کئی مراحل طے کرلئے بینر تیار کرائے۔ چندہ کے ٹکٹ چھپوائے، جھنڈہ تیار کرایا ایک دو جلوس بھی نکالے، والد صاحب جب کوڑہ پہونچے تو ان کو بلا کر پورے معاملہ کو سمجھا بوجھا، یہ محسوس کرکے کہ مسلم نوجوان مشتعل ہیں، ان کو تو جلسہ جلوس کے لئے آزاد چھوڑدیا اور خود ڈی ایم اور ایس ایس پی سے ملے، معاملہ کو رد براہ کیا۔ مسجد کی دیوار کی مرمت کرائی گئی، تب مسلمانوں کے جذبات میں سکون پیدا ہوا۔

رمضان المبارک میں سحری کے وقت کچھ نوجوان روزہ اور رمضان کے سلسلہ کے اشعار پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو سحری کے وقت جگانے کے لئے نکلتے تھے۔ کوڑہ کے ایک بااثر ہندو زمیندار گوبند پرشاد نے اس پر اعتراض کیا، شبیر بھائی کو معلوم ہوا تو وہ سامنے آگئے۔ جس کی وجہ سے ٹینشن کچھ بڑھ گیا، کئی دن گذر گئے بات بڑھتی رہی تو والد صاحب نے شبیر بھائی کو بلا کر معاملہ کو سمجھا، پھر گوبند پرشاد کو بلایا اسکو سمجھایا بجھایا کہ تم کو ان لڑکوں کے نکلنے بیٹھنے سے کوئی

خطرہ چوری چماری کا محسوس نہیں کرنا چاہیئے لڑکے صرف مسلمانوں کو جگانے کیلئے نکلتے ہیں وقت کے ختم ہونے سے پہلے اپنے اپنے گھروں میں سحری کھاتے ہیں اس کے بعد نماز کو جاتے ہیں، ان کا یہ معمول کئی سال سے چل رہا ہے۔ اس سے پہلے تم نے کوئی اعتراض نہ کیا اب اعتراض کر رہے ہو وغیرہ وغیرہ لڑکوں کو ہدایت کی کہ ان کے گھر کے سامنے سے نکلا کرو تو خاموش ہو جایا کرو۔ جب آگے بڑھا کرو تب اشعار پڑھا کرو تاکہ ان کی نیند خراب نہ ہو۔ اس طرح یہ مسئلہ طے ہوا اور اشتعال ختم ہوا۔

صاحب خدمت تھے، اسمبلی کی ممبری کے زمانہ میں جو بھی فریادی ہندو یا مسلمان ان کے پاس پہونچتا اس کی دادرسی کرتے، کہیں باہر جانا ہوتا تو باہر جاتے جس کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا، بارہ بجے رات کو بھی چلے جاتے، ٹرک پر سوار ہو کر جانا پڑتا تو ٹرک کے ذریعہ جاتے۔ کسی سے کوئی پائی پیسہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے ہی پیسے خرچ کر دیتے تھے۔

گھر پر صبح ہی سے فریادیوں کا ہجوم ہو جاتا تھا جو نکھبے غرض تھے اس لئے بعض بعض معاملات عدالت و کچہری کے بجائے خود ہی طے کرا دیتے تھے۔

صدا بھائی کے پاکستان منتقل ہو جانے کی وجہ سے پوری جائیداد پر کسٹوڈین نے نوٹس دے دیا تھا جس کی وجہ سے یہ خاصے پریشان ہوئے بھاگ دوڑ کی ملے جلے، بالآخر پوری جائیداد واگذار کرالی۔

صداً بھائی اپنے ایک قافلہ کو کوڑہ ہی میں چھوڑ گئے تھے ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری شبیر بھائی نے پوری کی، بچوں کو کسی قابل بنایا، ان کے بچوں کو انہوں نے اپنی اولاد سمجھ کر خوشنودی

نہیں کی۔

موتیا بند کا آپریشن کرایا تھا جسکی وجہ سے ہارٹ کے مریض ہو گئے تھے، اس آپریشن کے بعد دو ہی سال زندہ رہے ۱۹۷۳ء میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

سید اعجاز حسین جعفری مرحوم شاہ محمد آفاق علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے سید اعجاز حسین جعفری مختار عدالت تھے، اعزار کے معاملات و مقدمات دلچسپی سے کرتے تھے خندہ جبیں، معاملہ فہم، اجتماعی مزاج کے حامل سب بھائیوں سے زیادہ کوڑہ انہی کی آمد و رفت رہتی تھی۔ دو بیٹیاں تھیں، عقیلہ خاتون کا جوان سالی میں انتقال ہوا، شفیعہ خاتون سید انوار الحسن ایم۔ ایس۔ سی۔ کو حیدر آباد منسوب ہوئیں صاحب اولاد ہیں۔

۱۶ مارچ ۱۹۷۰ء کو وفات پائی اور فتحپور ہی میں مدفون ہوئے۔ اَللّٰھُمَّ ارحمہ

سید ابرار حسین مرحوم شاہ محمد آفاق علیہ الرحمہ کے دوسرے صاحبزادے فتح پور ہی میں مقیم رہے ان کے چار صاحبزادے اور دو لڑکیاں تھیں سیدؐ اسرار حسین بی۔ اے۔ جاوید حسین تیسرے صاحبزادے مظہر حسین، چوتھے صاحبزادے اظہر حسین یہ سب پاکستان منتقل ہو گئے اچھے اچھے عہدوں پر ہیں شاہین بانو زوجہ لئیق احمد دوسری صاحبزادی زوجہ نہال احمد لکھنؤ میں مقیم ہیں۔

یکم جولائی ۱۹۷۹ء میں وفات پائی۔ غفر اللہ لہ۔

سید اختر حسین جعفری شاہ محمد آفاق علیہ الرحمہ کے تیسرے صاحبزادے

سید اختر حسین نے عصری تعلیم حاصل کی گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر رہے وہیں سے ریٹائر ہوئے ہومیوپیتھ ڈاکٹر بھی ہیں پریکٹس کرتے ہیں حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہیں اپنی مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں کسی بزرگ کے دستگرفتہ اپنے معمولات کے پابند ہیں۔

شادی ہوئی آٹھ بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں ایک بیٹے احمد اختر کا صغر سنی میں انتقال ہو گیا سات بیٹے ماشاءاللہ بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں (۱) حسن اختر ایڈوکیٹ رائے بریلی میں منسوب اور وہیں مقیم ہیں (۲) ڈاکٹر شاہد اختر پی، ایچ، ڈی، لکھنؤ یونیورسٹی میں لیکچرر رہے آج کل اگرٹن یونیورسٹی کینیا (ایسٹ افریقہ) میں لیکچرر ہیں (۳) حامد اختر عرف خالد اعجاز، سید اعجاز حسین جعفری کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے ان کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا (۴) سید عارف اختر جعفری نے الہ آباد سے ایم۔ اے کیا "آفتاب کربلا" نامی کتاب تحریر کی شادی ہوئی دو بچیاں ہیں۔ (۵) ڈاکٹر محمد اختر بی۔ اے صاحب اولاد ہیں (۶) علی اختر ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ سی باندہ کے کسی اسکول میں ٹیچر ہیں۔ (۷) علیم اختر بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، آگرہ میں مقیم ایرفورس میں سکنڈ گریڈ کے آفیسر ہیں۔ صاحبزادیوں میں ایک صاحبزادی فاطمہ اختر جو سید عبداللہ جعفری ابن مولوی سید اخلاق احمد کو کوڑہ منسوب ہوئیں۔ دوسری صاحبزادی حمیرا اختر بارہ بنکی میں سید محمد اکرم کو منسوب ہوئیں وہیں مقیم ہیں تیسری صاحبزادی ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ سی، ناکتخدا ہیں، شاہ محمد آفاق

کے چوتھے صاحبزادے صغیر حسین ۱۹۵۲ء میں جواں سال فوت ہوگئے تھے۔

ان ہر چہار بھائیوں کی دو بہنیں بھی ہیں ① زبیدہ خاتون جو قاضی سید سلطان احمد کو پٹکاپور کانپور منسوب ہوئیں ② اصغری خاتون جو سید مشتاق حسین کو منسوب ہوئیں پاکستان میں مقیم اور لاولد ہیں۔

مولوی سید مشرف علی

ملا عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری شاخ جو شیعہ نہیں ہوئی تھی اس میں ایک بزرگ مولوی محب علی نسابہ تھے جنھوں نے خاندان کا ایک پشت نامہ مرتب کیا تھا۔ اور بزرگوں کے کچھ حالات بھی لکھے تھے، اس پشت نامہ کو میر باقر علی فتح پوری نے نقل کیا تھا اصل کا تو پتہ نہ چل سکا میر باقر علی کا منقولہ نسخہ راقم سطور نے سید ابوالحسن پسر سید سراج الحسن کے پاس دیکھا تھا سرسری طریقہ سے بعض بزرگوں کے حالات میں نے نقل کر لئے تھے اس زمانہ میں یہ بات میرے ذہن میں دور دور بھی نہ تھی کہ راقم سطور ہی کو بزرگوں کے حالات بھی لکھنا پڑیں گے اب یہ نسخہ عزیزی عارف اختر صاحب پسر برادرم سید اختر حسین صاحب جعفری کے پاس ہے، متعدد بار طلب و تقاضہ کے باوجود عزیز موصوف یہ پشت نامہ مجھے دکھا نہ سکے کہ جس سے میں دوسرے بزرگوں کے حالات نقل کر سکتا۔ مولوی سید مشرف علی مرحوم انہی مولوی محب علی نسابہ کے پوتے تھے۔

شجرہ مشرف علی بن محمد طاہر بن محب علی نسابہ بن حکیم مشرف علی

بن قربان علی بن نصرت علی بن ملا محمد یٰسین بن ملا غلام جمال بن ملا عبدالرسول بن ملا عبدالکریم بن شاہ قطبُ الدین ثانی بن شاہ علاءالدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطبُ الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ، ابتدائی تعلیم اناؤ میں حاصل کی وہاں سے دادون ضلع علی گڈھ مولانا لطف اللہ علی گڑھی علیہ الرحمہ کے مدرسہ میں جاکر پڑھا اور فارغ ہوکر اناؤ واپس آئے۔

صرف ، نحو ، منطق و فلسفہ میں ان کی صلاحیت ٹھوس تھی باوجود مزاولت نہ رہنے کے ان کو کتابی عبارتیں اور مسائل خوب یاد تھے اساتذہ کی تقریریں بھی ازبر تھیں ، افسوس کہ اہالیان اناؤ ان کی قدر نہ کرسکے ۔ ان سے استفادہ کی کوئی صورت نہ بن سکی حالانکہ ان کی زندگی کانپور کے ایک معمولی ابتدائی مدرسہ میں پڑھانے ہی میں گزر گئی۔

عقد زواج محمد ابراہیم شاہ کی بیٹی خدیجہ خاتون سے شادی ہوئی جن سے دو بیٹے اور بیٹیاں بقید حیات ہیں ۱۹۸۶ء میں وفات پائی ۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلہٗ وارحمہ۔

میر غلام ضامنؒ غلام ضامن بن ملا عبدالغفور بن محمد عادل بن محمد شاکر بن مخدوم عالم بن شاہ ابو نجیب بن شاہ مبارکؒ بن شاہ

حمید الدین عرف مخدوم جہانیان ثانی بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔ اپنے والد گرامی سے تعلیم و تربیت حاصل کی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ صاحب اجازت تھے یا نہیں، فارسی زبان پر عبور حاصل تھا، اچھے خطاط اور انشاء پرداز تھے،

پچھلے صفحات میں لکھ آیا ہوں کہ محمد علی شاہ عدلی کے عہد حکومت میں کوڑہ سلطنت دہلی سے جدا ہو کر طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا تھا۔

کبھی نواب وزیر اودھ کے قبضہ میں رہا کبھی نواب احمد خاں بنگش اس پر قابض ہوا۔ پھر مرہٹے دس سال تک متصرف رہے، کبھی روہیلوں کے قبضہ میں آیا غرض یہ سلسلہ ۱۸۰۱ء مطابق ۱۲۰۶ھ تقریباً نصف صدی تک جاری رہا۔

اس عرصہ میں علماء و مشائخ کی معافیات ضبط ہوئیں مدارس اجڑے خانقاہیں ویران ہوئیں مخدوم زادگان ملکی، مالی نیز انتظامی نشیب و فراز سے متأثر اور پریشان حالی کا شکار رہے۔

محضر نامہ۔ ۱۸۰۱ء مطابق ۱۲۰۶ھ میں نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد نواب سعادت علی خاں نے ایک عہد نامہ کی رُو سے سرکار کوڑہ اور سرکار الہ آباد ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیئے اس طرح ان دونوں اضلاع پر انگریزوں کا قبضہ اور عمل دخل ہو گیا جس کے سلسلہ میں کمپنی کے انگریز نمائندے کوڑہ آئے، مخدوم زادگان میں بلحاظ عمر و بزرگی میر غلام ضامن ہی بڑے تھے۔ انھوں نے ایک محضر تیار کیا جس میں کمپنی کے عمل دخل کا خوشگوار انداز میں تذکرہ کیا گیا تھا، ملکی، مالی نیز انتظامی خرابیوں کی اصلاح و درستگی کی توقع ظاہر

کی گئی تھی جس کو انھوں نے مخدوم زادوں کے ایک وفد کے ساتھ انگریزی حکام کے سامنے پیش کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندے اس محضر نامہ سے بہت متاثر اور محظوظ ہوئے۔

عقد ازدواج:۔ میر غلام ضامن کی شادی میر قربان علی (پسر حسین علی میر کی) صاحبزادی امانت النساء بی بی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے میر عادل علی اور ایک صاحبزادی امین النساء عرف امینہ تولد ہوئیں،

پُشت نامہ:۔ مرحوم نے اپنے خاندان کا ایک پُشت نامہ بھی تحریر کیا تھا جو حکیم مختار احمد مرحوم کے ساتھ پاکستان چلا گیا جن کے اعقاب کراچی میں مقیم ہیں۔

وفات:۔ مرحوم میر غلام ضامنؒ کی تاریخ وفات نہیں مل سکی رحمہ اللہ وغفر لہ۔

سیّد مخدوم بخشؒ:۔ مخدوم بخش (اصل نام معلوم نہیں ہو سکا) بن حفیظ اللہ بن شہاب الدین بن فیض اللہ بن شاہ محمد فیروز بن شاہ جلال بن شاہ حسین ثانی بن قطب الدین ثانی بن شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈہ رحمہم اللہ۔

ان کا کچھ تذکرہ مولوی عشق حسین قادریؒ کے تذکرہ کے ضمن میں صفحہ ۲۰۸ پر لکھ آیا ہوں یہاں صرف ایک واقعہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو جنگ آزادی (غدر) ۱۸۵۷ء میں پیش آیا تھا۔

۱۸۵۷ء میں انگریز حکومت کے خلاف جگہ جگہ بغاوت ہوئی جس میں خاص شہر فتحپور اور قصبہ کوڑہ بھی شامل تھے۔ کوڑہ کی ضلعی حیثیت ۱۸۲۶ء میں انگریزوں نے ختم کر دی تھی جبکہ کوڑہ

صدیوں سے ضلع کی حیثیت رکھتا تھا جس کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کی معاشیات پر اثر پڑا۔ انگریزوں نے کوڑہ کے بجائے قصبہ فتح پور کو ضلع بنا دیا۔ جبکہ ۱۸۲۶ء تک وہ ضلع الہ آباد کا ایک جزء رہا تھا۔ گوتموں کے قلعہ میں تحصیل قائم کر دی گئی۔ جہاں انگریز آفیسران بھی رہتے تھے۔ ضلع کوڑہ کی یہ شکست و ریخت ہی مقامی مسلمانوں اور ہندوؤں کو ناگوار گذری۔

جنگ آزادی:- جب بغاوت کی آگ بھڑکی تو ہندو مسلم ملازمین نے جن میں زیادہ تر میواتی مسلمان تھے بغاوت کر دی، انگریز آفیسران کو قتل کر دیا۔ سارے ہتھیار ایک روایت کے مطابق قلعہ کے کسی کنوئیں میں ڈال دیئے خزانہ لوٹ لیا۔

فتح پور اور کوڑہ کی بغاوت رفع کرنے کیلئے الہ آباد سے فوجی دستے چلے کوڑہ آکر مغل روڈ کے کنارے ملا لطف اللہ علیہ الرحمہ کی مسجد و مدرسہ کے قریب خیمے لگا کر فروکش ہوئے۔

ڈپوٹیشن:- چونکہ دوست و دشمن کی تمیز اٹھ گئی تھی غلط شکایات پر بھی فوجی حکام کا ردعمل سخت ہوتا تھا۔ اس لئے مخدوم زادگان نے جمع ہو کر سید مخدوم بخش سے صورتحال کا تذکرہ کیا اندیشے بیان کئے کسی تدبیر کی درخواست کی اس وقت سید مخدوم بخش ہی عمر و بزرگی کے لحاظ سے سب سے بڑے تھے انھوں نے حالات کی نزاکت اور پیش آنے والے خطرات کا احساس کیا۔ مسجد تشریف لے گئے دوگانہ نفل ادا کیا دیر تک دعا کرتے رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی درگاہ میں حاضری دی فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر مراقب رہکر

درگاہ سے برآمد ہوئے، مخدوم زادگان کا ایک وفد ترتیب دیا جس کی سربراہی کرتے ہوئے انگریز آفیسر کے خیمہ پر پہونچے، سنتری نے اطلاع دی۔ اندر بلالئے گئے جب خیمے سے باہر آئے تو ان کے چہرہ پر اطمینان وسکون کی علامات دیکھکر اراکین وفد نے اطمینان کا سانس لیا اور سمجھے :-

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ایک روایت کے مطابق نو مسلمان میواتیوں کو املی کے درخت پر پھانسی دی گئی، دوسری روایت میں نو سے زائد تعداد بیان کی گئی۔

جذبہ جان سپاری :- اس موقعہ پر جذبہ آزادی وجان سپاری کا ایک ایک منظر دیکھنے میں آیا، مجرموں کی تلاش وجستجو کی گئی گرفتاریاں ہوئیں رسمی پوچھ تاچھ کے بعد پھانسی دی جانے لگی، ایک مسلمان، ایک صاحب حیثیت ہندو کا ملازم تھا وہ بھی گرفتار ہوا۔ اس سے جب ایک انگریز افسر کے قتل کے سلسلہ میں دریافت کیا گیا۔ تو اس نے بے باکانہ طور پر اس قتل کا اعتراف کیا، اس کے ہندو آقا کو خبر ہوئی تو موقعہ پر پہونچکر اس نے اپنے مسلمان ملازم کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس آفیسر کو اس نے قتل نہیں کیا۔ بلکہ میں نے قتل کیا ہے، اسطرح دونوں اس قتل کے مدعی ہوگئے، مسلمان ملازم کہتا تھا کہ میں نے قتل کیا ہے ہندو آقا کہتا تھا اس نے قتل نہیں کیا میں نے قتل کیا ہے، ملازم اپنے آقا کو دار ورسن سے بچانا چاہتا تھا۔ اور آقا اپنے مسلمان ملازم کو بچانا چاہتا تھا۔

ایک دوسرے کے لئے دونوں کے اس جذبۂ جان سپاری کی نام نہاد فوجی عدالت قدر نہ کرسکی دونوں ہی کو پھانسی کا حکم دیدیا۔

عقد زواج و اعقاب:۔ مرحوم سید مخدوم بخش کی شادی حسینی بی بی دختر احسان علی اناوی سے ہوئی جن سے کئی بیٹے اور بیٹیوں کی ولادت ہوئی۔ سب کے نام پڑھے نہیں جا سکے۔ ایک صاحبزادی مرحومہ امتیاز النساء تھیں جو ملا خاندان میں مولوی غلام ذکریا کے صاحبزادے حکیم فضل احمد کو منسوب ہوئیں ایک صاحبزادے یعقوب علی تھے جو لاولد فوت ہوئے دوسرے صاحبزادے ادریس علی تھے جن کے دو بیٹے ہوئے پہلے صاحبزادے محمد ایوب لاولد فوت ہوئے دوسرے صاحبزادے محمد یونس عرف اخلاق احمد ہوئے جن کا تذکرہ زیر نظر تحریر میں موجود ہے، غفر اللہ لہ۔

حافظ سید اطہر حسین:۔ اطہر حسین بن مسرت حسین بن یعقوب حسن بن ابوالحسن بن عبد السلام بن میر علی بن نوالہدیٰ بن نور الحق بن ملا محمد واصل بن شاہ خرم بن شاہ محمد ہاشم بن شاہ مبارک بن شاہ حمید الدین عرف مخدوم جہانیاں ثانی بن شاہ بہاء الدین بن مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمہم اللہ۔

ولادت و تعلیم:۔ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے، کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، قرآن مجید حفظ کیا، یہ دور سر سید علیہ الرحمہ کی

تعمیر مدرسہ: تعلیمی تحریک کا تھا مرحوم نے بھی تعلیم گاہ کے لئے ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی۔

جس میں کئی بڑے بڑے ہال تھے، جن میں تعلیمی سرگرمیاں کی مدت مختصر ہی رہی، راقم الحروف نے اپنے بچپن میں اس مدرسہ کو ویران ہی پایا، ۱۹۴۳ء میں والد گرامی علیہ الرحمہ نے جس کی عمارت میں ایک پرائمری مدرسہ

تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کی جانب سے قائم کیا تھا جس میں مولوی بخشش اللہ (عرف مولوی بخش) بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ لیکن اس مدرسہ کی عمر بھی مختصر ہی رہی۔ اس کے بعد پھر یہ بالکل ویران ہو گیا، چند سال ہوئے، عزیزی قاسم حسن سلمہ نے اس کا حلیہ تبدیل کر کے سید شبیر حسن میموریل اسکول کے نام سے عصری تعلیم گاہ قائم کی ہے، جو اپنی کارکردگی کے لحاظ سے مقامی طور پر مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ اس کیلئے عزیز موصوف نے کچھ اراضی بھی وقف کی۔ خدا کرے یہ تعلیم گاہ ترقی پذیر رہے۔

تعمیر چاہ:۔ مرحوم حافظ سید اطہر حسین نے محلہ کی مسجد سے متصل ایک کنواں بھی تعمیر کرایا جس سے نمازی اور غیر نمازی سب ہی مستفید ہو رہے ہیں

وقف:۔ مخدوم زادگان کی مسجد کے لئے کچھ جائیداد بھی وقف کی چونکہ ان کی اولاد نرینہ فوت ہو گئی تھی۔ اس لئے انھوں نے چچیرے بھائی سید شبیر حسن پسر حکیم سید نصرت حسین (اسیر مالٹا) کو اس جائیداد کا متولی نامزد کیا تھا۔

عقد ازدواج و اعقاب:۔ اپنی عمو زاد بہن دختر عشرت حسین حمیرہ عرف رکن بی بی سے منسوب ہوئے جن سے ایک بیٹا تولد ہوا لیکن عالم شیر خوارگی ہی میں فوت ہوا جس کے بعد انھوں نے سید شبیر حسن کو اپنا متبنٰی بنا لیا، اور مسجد کی موقوفہ جائیداد کا متولی بھی نامزد کیا،

وفات:۔ تاریخ پیدائش تو مجھے مل گئی لیکن افسوس کہ تاریخ وفات نہ مل سکی۔ "آئینہ سالاری" کے فاضل مرتب نے بھی تحریر نہ کیا۔ ۱۹۱۹ء تک ان کے بقید حیات رہنے کی ایک تحریری شہادت ملی ہے ممکن ہے ۲۱-۱۹۲۰ء میں ان کی وفات ہوئی ہو۔

رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔

سید سعید احمد مرحوم منشی عنایت احمدؒ کے صاحبزادے کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی پھر فتحپور کے اسکول میں پڑھتے رہے مزاجاً مرنجان مرنج، نڈر و فہیم مدبر، اختلافی معاملات کو فوراً رد براہ کر لیتے تھے۔ ڈپٹی محفوظ علی مرحوم کی پوتی سید اختر حسین عرف ننھے میاں کی صاحبزادی سے عقد ہوا، دو بیٹے محمد طیب اور محمد جاوید بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں۔

ان کو ورم جگر صاحب کا عارضہ ہو گیا علاج کے لئے لکھنؤ آئے مگر علاج کامیاب نہ ہو سکا ۱۹۶۲ء میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ و غفر لہٗ

سید عثمان احمد مرحوم حکیم سید وجاہت احمدؒ کے اکلوتے صاحبزادے کوڑہ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی فتحپور کے ہائی اسکول سے میٹرک کیا۔ ملک کی تقسیم کے بعد کوڑہ کے یہی ایک فرد تھے جو سب سے پہلے پاکستان گئے اور وہاں کے نیشنل بھی ہو گئے کچھ عرصہ بعد واپس آئے تو ان کے والد گرامی نے ان کو "انڈین نیشنل" بنانے کی کوشش کی مقدمہ بازی میں خاصے زیر بار ہوئے کامیابی نہیں ہو سکی مجبوراً پاکستان واپس گئے ان کی شادی حافظ محمود حسن کی صاحبزادی عالیہ خاتون سے ہوئی ۱۹۸۴ء میں کراچی میں انتقال کیا چار بیٹے عرفان احمد، سلیمان احمد، عدنان احمد، کامران احمد اور دو بیٹیاں ریحانہ خاتون اور عائشہ خاتون بقید حیات ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خوردوں کا بھی کچھ تذکرہ کر دوں تاکہ مخدوم زادوں کا یہ پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔

مولوی سید شمس الحسن عرف شبلی میاں سید قمر الحسن کے صاحبزادے ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ کے مدرسہ میں حاصل کی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے دورہ حدیث کیا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، کچھ عرصہ تبلیغی جماعتوں میں لگایا، اب بھی اجتماعات میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔

والد گرامی کے انتقال کے بعد جائداد کو سنبھال لیا خوش اور مطمئن ہیں ان کی شادی قصبہ ہتگام ضلع فتحپور مصطفےٰ حسین ہاشمی کی صاحبزادی زبیدہ خاتون سے ہوئی، افسوس کہ لاولد ہیں۔

سید محمد عبد الباری مولوی سید محمد عبد القدیر نستابہ کے بڑے صاحبزادے ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے زیادہ تر اپنے نانہیال باندہ میں رہے وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی ایک ٹائپ پریس میں کچھ عرصہ تک کمپوزنگ کرتے رہے پھر کانپور آئے جمعیتہ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے دفتر میں کچھ دن خدمات انجام دیں اس کے بعد پیلی بھیت چلے گئے۔

ان کی شادی حقیقی ماموں زاد بہن جمیلہ خاتون بنت سید محمد ایوب زیدی، سے ہوئی ایک فرزند بچپن ہی میں فوت ہوا دوسرا بیٹا عبد الباقی ایس. پی آفس میں ملازم اور صاحب اولاد ہے ۱۹۵۳ء میں انتقال ہوا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

سید محمد عبد الہادی مولوی سید محمد عبد القدیر نستابہ کے دوسرے صاحبزادے باندہ اور کانپور میں تعلیم وتربیت

حاصل کی اپنے والدین کے پاس کوڑہ آگئے انہی کے ساتھ کانپور منتقل ہوئے عدالت دیوانی میں ملازمت سے ریٹائر ہوے فی الحال کانپور ہی میں مقیم ہیں۔

ان کی دو شادیاں ہوئیں پہلی شادی سید محمد صدیق ساکن رائے بریلی کی صاحبزادی محمودہ خاتون سے ہوئی جن کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے (۱) مسعودہ خاتون (۲) شمیمہ خاتون (۳) شکیلہ خاتون (۴) شائستہ تنویر، بیٹوں میں (۱) عبدالولی عرف شہزادے (۲) محمد مختار جامی (۳) احمد مختار سعدی۔

دوسری شادی قصبہ کرسٹ ضلع اناؤ میں قریشہ خاتون سے ہوئی ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں (۱) محمد شارق (۲) نزہت رومی (۳) طلعت رومی۔

مولوی سید اقبال احمد ندوی منشی سید عنایت احمد مرحوم کے تیسرے صاحبزادے ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ میں حاصل کی اسکے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، فراغت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے کیا، کچھ عرصہ کیلئے یونیورسٹی کے اورینٹل ڈپارٹمنٹ میں لیکچرر رہے، چاہتے تو مستقل ہو سکتے تھے لیکن کوڑہ کی یاد نے ان کو لکھنؤ سے کوڑہ آنے پر مجبور کر دیا۔

عم گرامی مولوی سید اخلاق احمد علیہ الرحمہ مدرسہ اسلامیہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اپنی یہ ذمہ داری انہوں نے مولوی سید اقبال احمد صاحب کے سپرد کر دی جسکو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے

نہ صرف یہ کہ مالیات کے سلسلہ میں پیش رفت ہوئی بلکہ جزوی تعمیرات بھی ہوئیں طلبہ اور عملہ میں اضافہ ہوا۔

جامعہ اردو کے نصاب کے مطابق تعلیم کا بند و بست کر کے امتحانات کا سلسلہ شروع کرایا، مخدوم زادوں کی بچیاں بھی اس نظام سے مستفید ہوئیں۔

اردو اکیڈمی لکھنؤ کے تعاون سے گھر ہی پر ایک لائبریری بھی قائم کی جس کے ذریعہ لوگوں کو کتابیں مطالعہ کے لئے دی جاتی رہیں مقصد یہ تھا کہ عمومی جہالت دور ہو اور لوگوں میں پڑھنے پڑھانے کا ذوق پیدا ہو، اپنی مجلسوں میں جس کی وہ ترغیب دیتے رہتے ہیں مولوی حکیم سید وجاہت احمدؒ کے بعد کوڑہ کے لوگوں کی فقہی رہنمائی بھی کرتے رہتے ہیں لوگ شرعی مسائل میں انہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

عمومی مطالعہ کا خاصہ ذوق رکھتے ہیں کوڑہ کی سرزمین اور اپنے بزرگوں کے شیدائی ہیں، زیر نظر کتاب کی تسوید میں ان کی یادداشتوں کا بڑا دخل ہے۔

معاشی مسئلہ حل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بڑے بھائی سید صدیق احمدؒ کی طرح اینٹوں کے بھٹے لگانا شروع کئے حکومت نے بڑھتا دیکھ کر انکم ٹیکس میں اتنی رقم تشخیص کر دی کہ اس کی ادائیگی دشوار تھی عدالت کا سہارا لیا، زیر بار ہوئے مجبوراً کاروبار بند کرنا پڑا۔

شادی جمیل فاطمہ بنت اصطفےٰ علی علوی کاکوروی،

(سابق پرنسپل حلیم مسلم انٹر کالج کانپور) سے عقد ہوا جن سے دو صاحبزادے حسین کامل عرف ببرا ور محمد علی مصباح اور ایک بیٹی فاطمہ زہرا پیدا ہوئیں۔

سید شاہ تسلی حسن اصل نام سید واصل حسن مولانا سید شاہ وارث حسنؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ میں حاصل کی پھر ندوہ میں زیر تعلیم رہے والد گرامی کے انتقال کے بعد مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھا آب وہوا کی ناسازگاری کی وجہ سے واپس آگئے۔

کچھ عرصے کے بعد الہ آباد پہونچے حکیم فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت اور مجاز ہوئے۔ بنارس کی مسجد فاطمہ ان میں خانقاہ بنائی رمضان المبارک کا مقدس مہینہ وہ اپنی خانقاہ بنارس ہی میں گذارتے ہیں دوران سال اصلاحی اسفار کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دینی کاموں میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں۔

سید صدیق حسن (بن مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹا) کی صاحبزادی اسماء خاتون سے عقد ہوا جن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں سلمان، عمران، غزالہ اور لبنیٰ ہیں۔

سید راشد حسن مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹا علیہ الرحمہ کے پوتے سید صدیق حسن مرحوم کے صاحبزادے ۲؍شعبان ۱۳۵۱ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے ابتدائی

تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی پھر مطب شروع کر دیا کچھ دن قصبہ مجھاون میں مطب کرتے رہے اس کے بعد کوڑہ چلے آئے یہاں بھی انکے مطب کا سلسلہ جاری رہا، صاحب جائیداد ہیں مزید کچھ جائیداد بنا بھی لی ہے ٹاؤن ایریا کے کئی بار چیرمین بھی منتخب ہو چکے ہیں ان کی پہلی شادی سے دو لڑکیاں صوفیہ اور صفیہ تولد ہوئیں دوسری شادی نانپارہ ضلع بہرائچ میں ہوئی یہ لاولد ہیں۔

طاہر حسن عرف حسین میاں سید صدیق حسن مرحوم کے دوسرے صاحبزادے ۲۸ رمئی ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی پھر کانپور آکر حلیم مسلم انٹر کالج میں پڑھتے رہے یکایک پاکستان پہونچ گئے جہاں ایل، ایل، بی کیا پریکٹس کرتے رہے کرڑے کے رہنے والے سادات خاندان میں ڈُبّی میاں کی صاحبزادی سے عقد ہوا، صاحب اولاد تھے عمر نے وفا نہ کی انتقال ہوا۔

سیّد قاسم حسن سابق ایم ایل اے سید صدیق حسن مرحوم کے تیسرے صاحبزادے ۷ر مارچ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی، پھر ملکی سیاست کی جانب رجحان ہو گیا، ٹاؤن ایریا کے چیرمین ہوئے اس کے بعد ایم، ایل، اے ہو گئے۔

شہید مالٹا کے نام سے ایک تعلیمی ٹرسٹ قائم کیا اور اسی کے تحت عصری تعلیم کیلئے حکیم اطہر حسینؒ کے مدرسہ میں جونیر اسکول کی بنیاد ڈالی جس کے لئے کچھ آراضی بھی وقف کی۔ یہ اسکول کوڑہ

اور اسکے مضافات کے مسلمان بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں خاصہ کردار ادا کر رہا ہے ایک وقیع لائبریری اور اقامت گاہ کا انتظم بھی پیش نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی مساعی بارآور فرمائے

ان کی شادی شاہین فاطمہ بنت قاضی رکن الدین عرف شاہد ساکن بھالیسر (مدھیہ پردیش) سے ہوئی چار بیٹیاں شیبہ، صغورہ، فاطمہ، بشریٰ اور ضحی ہیں ایک صاحبزادے عابد حسین ہیں۔

سید محمد عبدالحفیظ مولانا سید محمد عبدالحیٔ علیہ الرحمہ کی دوسری اہلیہ سے پہلے صاحبزادے ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے کانپور میں تعلیم حاصل کی پھر اشرف المدارس ہردوئی میں پڑھا واپس ہوکر لاہور چلے گئے اب ٹنڈو محمد خان میں مقیم اور روا پڈا میں ملازم ہیں۔

وصیہ بیگم عرف عشرت ناز بنت سید شاکر حسین جعفری ساکن قصبہ سی ضلع کانپور سے عقد ہوا جن سے چار بیٹے عبدالسلام، محمد یوسف محمد آصف، محمد حارث اور دو بیٹیاں عائشہ خاتون، زہرہ خاتون تولد ہوئیں ماشاء اللہ سب بقید حیات اور زیر تعلیم ہیں۔

سید محمد عبدالحفیظ کے چھوٹے بھائی سید محمد عبدالمجید ہندوستان میں ہیں اور لاولد ہیں۔

سید عبداللہ عرف نیاز میاں مولوی سید اخلاق احمد علیہ الرحمہ کے اکلوتے صاحبزادے ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی میں حاصل کی، حلیم مسلم ڈگری کالج کانپور سے بی۔ اے۔ کیا۔ انڈین ایئر فورس میں

ملازمت کر لی کچھ عرصہ کے بعد اس سے سبکدوش ہو گئے اور حجاز چلے گئے شہر فتحپور میں مکان خرید کر اپنے متعلقین کو وہاں رکھا کئی سال باہر رہ کر اب واپس آ گئے ہیں، کوڑہ پھر آباد کیا ہے۔

سید اختر حسین جعفری فتح پوری کی صاحبزادی سے عقد ہوا تین لڑکیاں، صفیہ، صبا، ثنا، اور ایک صاحبزادے عمر عبد اللہ سب ماشاءاللہ زیر تعلیم ہیں۔

ڈاکٹر سید محمد عبد العزیز ایم، اے، ایل، ایل، بی، ایم ڈی (ہومیو)

راقم سطور کے بڑے فرزند ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء کے معہد میں حاصل کی پھر اسلامیہ کالج لال باغ میں داخلہ لیا ہائی اسکول کرنے کے بعد کانپور چلے گئے وہاں حلیم کالج سے بی، اے، اور ایم، اے کیا پھر ہومیو پیتھک کالج میں داخلہ لے کر ایم، ڈی، کیا پھر ایل، ایل، بی کر لیا لیکن قانون کی پریکٹس میں طبیعت نہیں لگی اس لئے مطب شروع کر دیا۔

ان کی شادی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں سید محمد ادریس کی صاحبزادی انوار فاطمہ بلرام پور ضلع گونڈہ میں ہوئی۔ دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں (۱) تسنیم فاطمہ عرف صبا۔ (۲) آمنہ خاتون (۳) سعدیہ خاتون (۴) محمد عبد العظیم (۵) محمد عبد الرحیم عرف امر۔

مولوی سید محمد عبد الرشید ندوی ایم، اے، (اسپیشل)

ڈاکٹر سید محمد عبد العزیز کے دوسرے بھائی دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم

حاصل کی فراغت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب پھر بی۔ اے فرسٹ ڈویزن اس کے بعد بی۔ اے آنرز فرسٹ ڈویزن کیا۔ پھر سعودی عرب (ریاض) چلے گئے جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ سے ایم۔ اے۔ فرسٹ کیا۔ وہیں سنہ ۱۹۸۰ء میں سعودی عرب کی۔ "وزارت الدفاع والطیران"۔ کے شعبہ کمپیوٹر میں کام شروع کیا پھر ۸۹ء میں نیوی کے ہیڈ کوارٹر کے شعبہ کمپیوٹر میں منتقل ہو گئے اور تاحال وہیں کام کر رہے ہیں۔

ریاض میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی شاخ "مجلس ملی" کے سکریٹری کی حیثیت سے بابری مسجد کے انہدام کے موقعہ پر عربوں کو ہندوستانی مسلمانوں کے حالات سے روشناش کیا، یہاں کے مسائل پر مختلف عربی اخبارات میں موثر مضامین شائع کرائے۔ زیر نظر کتاب بھی انہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ ایک عربی کتاب اور چار اُردو کتابوں کے مولف ہیں ان کے مضامین "رسالہ فاران، لندن اخبار جنگ، کراچی، "تعمیر حیات "ندوۃ العلماء لکھنؤ" بلرکی، "ڈائجسٹ دہلی، "الحسنات، ڈائجسٹ رام پور اور ماہنامہ "محکمات، لکھنؤ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی شادی مولانا خواجگی کا پوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں قاضی محمد سلیمان فاروقی کی صاجزادی صفیہ خاتون سے ہوئی جن سے چھ۶ بیٹے اور چھ۶ بیٹیاں ہیں۔

(۱) محمد عبد الحمید عرف شبو (۲) محمد عبد الوحید عرف شمو (۳) محمد عبد اللہ
(۴) محمد عبد العلیم (۵) طلحہ (۶) محمد احمد (۷) عذراء خاتون (۸) اسماء خاتون (۹) زہرہ خاتون
(۱۰) صالحہ خاتون (۱۱) عالیہ خاتون (۱۲) فاطمہ خاتون

مولوی سید محمد عبد الجلیل حسینی ندوی

مولوی سید محمد عبد الرشید ندوی کے چھوٹے بھائی،
دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی وہیں قرآن کریم حفظ کیا
مدرسہ فرقانیہ سے سبعہ عشرہ کی سند حاصل کی کچھ دن دار التعلیم
والصنعت جاجمئو کانپور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے،
پھر انڈین ہائی اسکول (دبئی) سے متعلق ہو کر انگریزی عربی عربی
انگریزی کی تعلیم دے رہے ہیں۔۔

شیخ ابو بکر ابن العربی اشبیلی کی معروف تصنیف "العواصم من القواصم"
کا اردو میں ترجمہ کیا جس کی چند قسطیں ماہنامہ "محکمات" میں
شائع ہوئیں مکمل کتاب ابھی طبع نہیں ہو سکی۔۔

ان کی شادی ماموں زاد بہن واجدہ خاتون بنت محمد قدیر
فاروقی سے ہوئی ایک لڑکا عبد السلام دو لڑکیاں ذکیہ خاتون اور
عطیہ خاتون تولد ہوئیں ایک نومولود لڑکا عبد الحنان ہے۔

سید محمد عبد الرحمٰن بی۔اے۔

مولوی سید محمد عبد الجلیل حسینی ندوی کے
چھوٹے بھائی دار العلوم ندوۃ العلماء
کے معہد میں تعلیم حاصل کی پھر کانپور جاکر حلیم مسلم کالج سے انٹر پھر
بی۔ اے کیا۔

ابتداء ہی سے رجحان دینی تھا اس لئے دار العلوم ندوۃ العلماء
کے ملحقہ مکاتب میں تعلیم دیتے رہے کچھ عرصہ کے بعد دار العلوم کے
دفتر میں منتقل کر لیا گیا فی الوقت وہیں کام کر رہے ہیں۔

قصبہ ہنگام ضلع فتحپور کے ذی علم دیندار گھرانہ میں حکیم اظہار الحق کی

بیٹی فردوس سے عقد ہوا فی الوقت ایک بیٹے کے باپ ہیں۔

مولوی سید محمد عبید الرحمٰن ندوی سید محمد عبد الرحمٰن کے چھوٹے بھائی ندوۃ العلماء کے مدرسہ ثانویہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر شعبہ حفظ میں داخل ہوئے۔ درجہ عالمیت تک تعلیم حاصل کی لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک شاخ مدرسہ اسلامیہ مہیبت مئو میں تعلیم دے رہے ہیں ان کی شادی جعفری عریضی خانوادہ سے نسبی تعلق رکھنے والے مولانا مختار حسن صاحب مہتمم مدرسہ ہدایت الاسلام کانپور کی صاحبزادی خدیجہ خاتون (بی۔ اے) سے ہوئی۔ فی الوقت ایک بیٹی ام یمن گود میں ہے۔

سید محمد عبد الحیٔ ثانی معروف بہ عرفی مولوی سید محمد عبید الرحمٰن ندوی کے چھوٹے بھائی ندوۃ العلماء کے مدرسہ ثانویہ میں تعلیم حاصل کی پھر دار التعلیم والصنعت جاجمئو کانپور میں پڑھا ادیب اور ادیب ماہر کر کے ہندی زبان سے میٹرک اور انٹر کیا، قاری باسطؒ کے لہجہ میں قرآن پڑھتے ہیں ابھی سلک ازدواج میں منسلک نہیں ہوئے۔

سید جمال احمد مولوی سید اقبال احمد صاحب ندوی کے چھوٹے بھائی کوڑہ کے مدرسہ میں تعلیم پائی پھر عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے فراغت کے بعد بھٹہ کا کاروبار شروع کیا کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے بھی اپنی یہ تجارت ختم کی اور اب لکھنؤ کے محلہ عیش باغ میں بنگلہ تعمیر کرا کر اسی میں مقیم ہیں۔

موصوف کی شادی فتحپور کے سید احسان حسین صاحب مرحوم

کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی، ان سے دو لڑکے علی احمد جمانی محمد علی سہیل اور ایک لڑکی بشریٰ کی ولادت ہوئی۔

سید فضل الرحمٰن عرف فضل میاں۔ مولانا سید شاہ واعظ حسن علیہ الرحمہ کی دوسری اہلیہ سے بڑے صاحبزادے، سال ولادت معلوم نہ ہو سکا، کچھ عرصہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم رہے، لکھنؤ یونیورسٹی کے اورینٹل ڈپارٹمنٹ سے سندات حاصل کیں، اپنے والد گرامی سے بیعت و مجاز ہوئے، ان کے انتقال کے بعد مسجد و خانقاہ کا نظم و نظام سنبھالا، ملی تحریکوں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ ایک رفاہی سوسائٹی بھی قائم کی ہے

بانہ شریف کے سادات خانوادہ میں پہلا عقد ہوا، ایک بیٹے عارف حسن اور ایک بیٹی کی ولادت ہوئی۔ دوسری شادی مئو ائمہ ضلع الہ آباد کے صدیقی خاندان میں ہوئی جن سے چار لڑکیاں اور دو بیٹے عالم وجود میں آئے۔

سید فضل حق عرف حبیب میاں فضل میاں کے دوسرے بھائی ندوہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے پھر لکھنؤ یونیورسٹی کے اورینٹل ڈپارٹمنٹ کے امتحانات دیئے۔

جون پور کے صدیقی خانوادہ میں عقد ہوا، جن سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تولد ہوا، یہ صاحبزادے کاروبار میں مشغول اور کامیاب ہیں۔

سید فضل رحیم عرف منو میاں سید فضل حق عرف حبیب میاں کے چھوٹے بھائی، ان کی شادی مولانا کرم علی ملیح آبادی مرحوم کی ہمشیرہ کی نواسی سے ہوئی یہ خانوادہ قصبہ امیٹھی کا عثمانی خانوادہ ہے

عزیز موصوف فی الوقت جدہ (سعودی عربیہ) میں برسرکار ہیں اپنے والد گرامی سے بیعت، اپنے معمولات کے پابند ہیں۔

اعقاب اُناث

صرف چند مخدوم زادیوں کے اعقاب کا ذکر مقصود ہے،!

(۱) حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی کا نام معلوم نہیں ہو سکا ان کا رشتہ ادھینی ضلع الہ آباد کے سادات خانوادہ میں ہوا تھا اس ضمن میں جو مکتوب عم گرامی مولوی سید محمد عبد القدیر نشابہ نے راقم الحروف کو تحریر کیا تھا اس کی چند سطریں نقل کر رہا ہوں،

"حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کی دو بیٹیاں تھیں ایک بیٹی کا نام خدیجہ بی بی تھا جو ملا عبد الخالق پسر ابراہیم مکی صدیقی محمدی ساکن کالپی کو منسوب تھیں دوسری بیٹی جن کا نام نہیں معلوم ہو سکا حضرت شاہ محمد اکرم قدس سرہ کو منسوب تھیں جن سے ایک صاحبزادے عبد النور پیدا ہوئے اور عبد النور کی اولاد بفضلہ ادھینی میں ہے حضرت شاہ محمد اکرم قدس سرہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کی اولاد میں بتائے گئے ہیں شجرہ مجھے مل گیا ہے اور اب تک محفوظ ہے۔"

حضرت شاہ محمد اکرم کی اولاد میں محمد عاقل وکیل دیوانی ساکن الہ آباد ایک مشہور اور قابل وکیل ہیں اور انکے

ایک بھائی الٰہ آباد میں پروفیسر ہیں تیسرے بھائی عبدالوہاب سب انسپکٹر مرحوم تھے اور یہ لوگ اپنے نانا اور چھوٹے ماموں کو نہیں جانتے نہ شجرہ میں تحریر کیا ہے اس قدر یہ لوگ اب بھی جانتے ہیں کہ ہم لوگ شاہ بہاء الحق کوڑوی کی بہن کی اولاد میں ہیں ..

راقم سطور کو اوجہنی کے سفر کی توفیق نہ ہو سکی کہ مزید معلومات حاصل کر سکتا۔ شجرہ پیش ہے۔

شاہ محمد اکرم بن شاہ احمد بن شاہ حسن بن سید موسیٰ بن سید علی بن سید محمد بن سید حسن بن سید محمد کریم بن سید ابو نصر بن سید ابو صالح بن حضرت شاہ عبدالرزاق بن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ۔

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری صاحبزادی خدیجہ بی بی کا عقد ملا ابراہیم مکی کالپوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ملا عبدالخالق سے ہوا تھا یہ بزرگ کوڑہ ہی میں رہ پڑے ان کے اعقاب آج بھی کوڑہ ہی میں سکونت پذیر ہیں۔ علم و فضل صلاح و تقویٰ درس و تدریس کی روایات اس خانوادہ میں بھی صدیوں تک جاری رہیں سب سے زیادہ شہرت ملا لطف اللہ کوڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی جو ملا عبدالرسول اور شاہ جمال اولیاء رحمہما اللہ کے تلمذ رشید تھے۔

اس خانوادہ کا مکمل شجرہ راقم سطور کو حاصل نہیں ہو سکا، اس بارہ میں عم گرامی مولوی سید محمد عبدالقدیر فنا بہنے جو کچھ تحریر

کیا وہ نذر ناظرین ہے۔۔۔
"شجرۂ قدیم خاندانی مکمل اور مفصل حکیم شیخ غلام زکریا مرحوم سے بمقام الہ آباد ضائع ہوا، اس لیے حضرت شیخ ابراہیم مکیؒ سے اوپر کے اسماء دوبارہ مرتب نہ کیے جا سکے۔
موجودہ شجرہ خاندانی (مقبوضہ محمد نصیر مختار مرحوم) کو بچشم خود دیکھا اور نقل کر لیا اس میں ابراہیم مکیؒ کو نواسہ اولاد حضرت ابا بکر صدیقؓ بعد از غاری تحریر کیا گیا ہے۔
واضح ہو کہ محمد بن ابی بکر صدیقؓ بعد از غار تولد ہوئے اور ان کے صاحبزادے قاسم بن محمد ہیں انھیں کی اولاد بعد از غاری مشہور ہوئی"، ۲۲۷

شیخ ابراہیم مکیؒ:- آپ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ اور خلیفہ تھے آپ کو بہ حسرت ور کثیر قادر شاہ والی کالپی نے ہندوستان بلایا تھا۔ ۲۲۸

عم گرامی مولوی سید محمد عبد القدیر نسابہ تحریر کرتے ہیں کہ:
"مولانا ابراہیم مکیؒ اور مولانا خواجگی ماموں بھانجے مشہور ہیں گنبد آپ کے مزار پر انوار کا بہت عمدہ اور پائیدار متصل گنبد مولانا خواجگی بمقام کالپی واقع ہے اور اب بھی زیارت گاہ خلائق ہے یہ احقر دو مرتبہ حاضری دے چکا ہے۔ ۲۲۹

---

۲۲۷ بحوالہ محمد نصیر مختار مرحوم یہ بزرگ مولوی حکیم غلام زکریا کے حقیقی پوتے تھے ۲۲۸ آئینہ کالپی مولفہ خواجہ عنایت اللہ صفحہ کا نمبر پڑھا نہیں جا سکا۔ اصل کتاب مل نہیں سکی۔
۲۲۹ شجرہ خاندانی صدیقیان کوڑہ۔

ملا عبدالخالق رح
شیخ ابراہیم مکی کے صاحبزادے حضرت مخدوم قطب الدین سالار بڈھ رحمتہ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور داماد تھے، فراغت کے بعد کوڑہ ہی میں رہ پڑے درس وافاضہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

ملا عبدالحئی دانشمند معروف بہ علی رح
ملا عبدالخالق رح کے صاحبزادے، حضرت شاہ علاء الدین عرف شاہ حسین رح کی صاحبزادی نصیبہ بی بی ان کو منسوب ہوئیں۔

ملا عبدالکریم دانشمند رح
ملا عبدالحئی دانشمند کے صاحبزادے حضرت شاہ قطب الدین ثانی رح کی صاحبزادی ان کو منسوب ہوئیں، یہ صاحبزادی ملا لطف اللہ کوڑدی رح کی والدہ تھیں۔ ملا عبدالکریم صدیقی دانشمند کی صاحبزادی شاہ سلیم کو منسوب تھیں۔

ملا لطف اللہ کوڑدی رح
ملا لطف اللہ کوڑدی ملا عبدالکریم صدیقی دانشمند کے صاحبزادے تھے حضرت ملا عبدالرسول رح سے تعلیم حاصل کی فراغت کے بعد حضرت شاہ جمال اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے علمی اور روحانی استفادہ کیا۔

ملا لطف اللہ کوڑدی رح کے تلامذہ میں شیخ احمد جیون امیٹھوی ملا علی اصغر قنوجی، ملا محمد زمان کاکوروی، قاضی علیم اللہ کجیدوی نامور ومعروف ہوئے۔

ابتداء عہد سلطنت میں عالمگیر شاہ شجاع سے مقابلہ کے لئے لاہور سے تابڑ توڑ کوچ کرتے ہوئے کوڑہ پہونچا، کوڑہ میں تین یوم قیام رہا

یہ وہ زمانہ تھا کہ ملا لطف اللہ کے درس و افاضہ کا شہرہ ہو چکا تھا دور دراز مقامات سے طلبہ آتے درس میں شرکت کرتے فاتحہ فراغ کے بعد علمی مشاغل میں مصروف ہو جاتے تھے، خاندانی روایات سے معلوم ہوا کہ مخدوم زادگان میں جو علماء و صلحا موجود تھے ملا لطف اللہ کی سربراہی میں، عالمگیر کے استقبال کو نکلے بادشاہ سے ملاقات ہوئی عالمگیر نے دعا کی درخواست پیش کی، ان بزرگوں نے دعا کی اور واپس آئے۔

عالمگیر نے اپنے عہد حکومت میں مخدوم زادگان اور ملا زادگان کے لئے بیش قرار وظائف مقرر کئے معافیات مدد معاش کے طور پر مرحمت کی تھیں، جس کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا فرامین کی تجدید و توثیق ہوتی رہی۔

ملا لطف اللہ کا دولتکدہ شاہ سلیم میاں کے چاہ شیریں کے شمال مشرق میں آج بھی موجود ہے، دولتکدہ کے مشرقی سمت ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی جو حوادث زمانہ سے منہدم ہو کر ناقابل استعمال ہو گئی لیکن آثار باقی ہیں۔

کوڑہ کے مغربی کنارہ پر ان کا مدرسہ تھا جس میں ایک مسجد عہد شاہجہانی کے آخری دور میں تعمیر ہوئی، مدرسہ کا وجود نہیں رہا اللہ نام کی مسجد قائم دباقی ہے۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ ملا لطف اللہ کا انتقال ۱۱۰۸ھ میں ہوا، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

فاضل تذکرہ نگار کی نظر میں

مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء

اپنی مشہور تصنیف نزہۃ الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں۔

الشیخ الفاضل العلامۃ لطف اللہ الحنفی الکوروی احد فحول العلماء کان لہ ید بیضاء فی سائر الفنون لا سیما الفقہ والاصول والعربیۃ اخذ عن الشیخ جمال الاولیاء الجشتی الکوروی واخذ عنہ الشیخ احمد بن ابی سعید الامیتھوی والقاضی علم اللہ الکجھندوی والشیخ علی اصغر القنوجی وخلق کثیر من العلماء ؎۲۳۰

فاضل بزرگ علامہ لطف اللہ حنفی کوڑوی باکمال علماء میں سے ایک تھے سارے ہی فنون میں انکو دسترس حاصل تھی خصوصاً فقہ اصول اور عربی زبان وادب میں انھوں نے شیخ جمال اولیاء چشتی کوڑوی سے تحصیل علم کی اور ان سے شیخ احمد بن ابی سعید امیٹھوی اور قاضی علم اللہ کجھندوی اور شیخ علی اصغر قنوجی کے علاوہ اور بہت سے علماء نے علم حاصل کیا۔

ملا محمد اسحاق رح

ملا محمد اسحاق رح ملا لطف اللہ کوڑوی کے صاحبزادے تھے اپنے والد گرامی ہی سے تعلیم حاصل کی بیعت وخلافت ہوئے۔ ان کی شادی ہدی بی بی بنت سید غلام جمال حسینی سے ہوئی۔

قطب عالم شیخ صبغۃ اللہ رح

ملا محمد اسحاق رح کے صاحبزادے اپنے دور میں صاحب دل اور فاضل تھے انکی شادی ماں تولا بی بی عرف کلیھو دختر شاہ محمد فیروز عرف بوب میان

؎۲۳۰ نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۲۱۹

سے ہو دی گئی۔

ملا مشہدی اصل نام جو کچھ رہا ہو شجرہ میں ملا مشہدی ہی درج ہے قطب عالم شیخ صبغتہ اللہ کے صاحبزادے تھے ان کی شادی صاحب النساء بنت خورشید علی پسر سید محمد فیض حسینی سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں صاحبزادگان میں شیخ بدیع الزمان عرف بدامیاں کی شادی عظیم النساء بنت نصرت امام حسینی سے ہوئی لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی، دوسرے صاحبزادے کا ذکر آگے آئیگا، صاحبزادیوں میں نجم النساء اور احترام النساء تھیں نجم النساء کی شادی سید تراب علی پسر سید خورشید علی حسینی سے ہوئی، جن سے ایک صاحبزادے مولوی ریاض علی اور دو بیٹیاں منیر النساء اور ممتاز النساء سید محمد حسن حسینی کو منسوب ہوئیں جن سے ایک صاحبزادے سید امتیاز حسن اور ایک صاحبزادی اعجاز النساء۔

سید امتیاز حسن مولانا سید شاہ وارث حسن رحمتہ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے اعجاز النساء حکیم سید عشرت حسین کو منسوب ہوئیں، مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹا آپ انکے نواسے تھے۔

منیر النساء کی ایک صاحبزادی سائرہ خاتون تھیں جو مولوی سید محب علی تسابہ حسینی کو منسوب ہوئیں ایک صاحبزادے عباس علی تھے جن کا ذکر آگے آئیگا منیر النساء مولوی علی حسن صدیقی پسر مولوی غلام یحییٰ صدیقی کو منسوب تھیں۔

مولوی غلام یحییٰ ملا مشہدی کے دوسرے صاحبزادے مولوی غلام یحییٰ تھے جو مفتی سید نصرت حسینی کی صاحبزادی ولایت النساء

سے منسوب ہوئے، جن کے دو صاجزادے مولوی علی حسن اور مولوی غلام ذکریا تھے۔

مولوی حکیم غلام ذکریا پسر کلاں مولوی غلام یحییٰ کے صاجزادے تھے ایک بیٹی اور دو بیٹے بیٹی معمس النساء لاولد فوت ہوئیں بڑے بیٹے محمد حسن کی پانچ بیٹیاں تھیں عفور النساء، حبیب النساء، امتیاز النساء، بتول بی بی نجیب النساء عرف.... بتول بی بی حکیم واجد حسین صدیقی کو منسوب ہوئیں۔

چھوٹے بیٹے حکیم فضل احمد مسماۃ امتیاز النساء بنت سید مخدوم بخش حسینی سے منسوب ہوئے جن سے چار بیٹیاں اور دو بیٹے پیدا ہوئے، صاجزادیوں میں مقبول النساء لاولد فوت ہوئیں، فاطمہ بی بی میر رضا علی کو فتحپور منسوب ہوئیں جن سے ایک صاجزادے سید مظہر حسین عرف علی میاں صاحب اولاد ہیں۔

تیسری صاجزادی زہرہ بی بی سید لیاقت حسین کو سید واڑہ فتحپور منسوب ہوئیں چوتھی صاجزادی تمیز النساء لاولد رہیں۔

ہر دو صاجزادگان میں محمد نصیر مختار عدالت لاولد فوت ہوئے۔ دوسرے صاجزادے حکیم واجد حسین تھے۔

حکیم واجد حسین حکیم واجد حسین کے دو بیٹے ایک بیٹی کبریٰ بی بی دارو غہ حاجی لطف اللہ مرحوم کو منسوب اور لاولد فوت ہوئیں۔ ایک صاجزادے عابد حسن عرف بھوندو میاں کا عقد عائشہ بی بی دختر زہرہ بی بی بنت حکیم فضل احمد سے ہوا، ان کے ایک صاجزادے مقبول حسن تھے۔

مقبول حسن مقبول حسن عرف ننھو میاں کی شادی مسماۃ شفیقہ خاتون سے ہوئی جو مقبول حسن کے حقیقی چچا حکیم صوفی ماجد حسن کی صاجزادی تھیں ان سے چار صاجزادے ہوئے محمود حسن لاولد فوت ہوئے ڈاکٹر محبوب احمد صاحب اولاد جمیل احمد صاحب اولاد، کمال احمد جوانی ہی میں فوت ہو گئے۔

حکیم صوفی ماجد حسن حکیم واجد حسین کے دوسرے صاجزادے کوڑہ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اپنے والد گرامی سے طب پڑھی اور اس میں حاذق ہوئے لیکن اس فن کو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش نہیں بنایا مقامی معالجین سے لوگ جب مایوس ہو جاتے تو ان سے رجوع ہوتے تھے۔ مفردات سے علاج کرتے تھے نسخہ بہت مختصر ہوتا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نفع پہونچا دیتا تھا، زیادہ وقت عبادت و ریاضت مراقبہ و مشاہدہ میں گذرتا تھا شب خیز و شب بیدار، مرنجان مرنج تھے مرحوم کی شادی مسماۃ ضمیر النساء دختر شیخ ابوالحسن فتحپوری سے ہوئی، جن سے مرحوم کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

ایک صاجزادی شفیقہ خاتون شیخ مقبول حسین عرف ننھو میاں کو منسوب ہوئیں دوسری صاجزادی زہرہ خاتون شاہ محمد احمد مرحوم کو منسوب ہوئیں جن سے ایک صاجزادے نبی احمد ایڈوکیٹ حال مقیم حیدرآباد سندھ صاجزادی انیسہ خاتون ہوئیں موخر الذکر کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

حکیم ماجد حسن مرحوم کی تیسری صاجزادی سلمیٰ خاتون تھیں جو عبدالحمید

صوفی ساکن ہسوہ کو تیسری بار منسوب ہوئیں!!

مولوی علی حسن مولوی علی حسن مولوی غلام نبی کے چھوٹے صاحبزادے تھے ان کی شادی نواب علی ولد سید خورشید علی حسینی کی صاحبزادی عنبر النسا سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے مولوی عباس علی اور ایک صاحبزادی سائرہ خاتون پیدا ہوئیں سائرہ خاتون مولوی محب علی نشابہ حسینی کو منسوب ہوئیں۔

مولوی عباس علی مولوی عباس علی بن مولوی علی حسن کی دو شادیاں ہوئیں۔

مولوی عباس علی کی پہلی اہلیہ سید نثار حسین حسینی کی صاحبزادی زبیدہ النساء تھیں جن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے شاہ محمد ابراہیم اور دوسرے محمد لطف اللہ مؤخر الذکر لاولد فوت ہوئے، شاہ محمد ابراہیم کی شادی شیخ کرامت علی وکیل اناؤ کی صاحبزادی عائشہ بی بی سے ہوئی جن سے تین بیٹیاں اور چار بیٹے پیدا ہوئے۔

صاحبزادیوں میں آسیہ خاتون، احمدی بی بی، اور رضاء بیدہ خاتون تھیں، صاحبزادگان میں ڈاکٹر محمد ابراہیم، شاہ محمد احمد، سید احمد شاہ مختار عدالت، حسن احمد شاہ ایڈوکیٹ (مقیم حیدرآباد سندھ) ہیں ہر سہ مقدم الذکر صاحبزادگان کا انتقال ہوگیا صرف حسن احمد شاہ ایڈوکیٹ بقید حیات ہیں۔

مولوی عباس علی مرحوم کی دوسری اہلیہ مولوی سید ریاض علی حسینی کی صاحبزادی لئیق النساء تھیں جن سے صرف ایک صاحبزادے

احتشام علی عرف کلّو میاں لاولد فوت ہوئے۔

شاہ محمد ابراہیمؒ کے بارہ میں معلوم نہ ہوسکا کہ صفی پور کے کس بزرگ سے بیعت و مجاز تھے۔

ان کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد ابراہیم کی تین شادیاں ہوئیں۔۔

ڈاکٹر محبوب احمد مقبول حسن عرف ننھو میاں کے دوسرے صاحبزادے ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ کے مدرسہ میں حاصل کی، پھر عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے فراغت کے بعد ہارنس فیکٹری کانپور میں ملازمت کی اسی عرصہ میں ہومیوپیتھک کا مطالعہ کرتے رہے ملازمت سے علیحدہ ہونے سے پہلے ہی انہوں نے اپنا مطب شروع کر دیا تھا [illegible] ہوتا تھا، ہارنس فیکٹری سے جب علیحدہ ہوئے تو معالجہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے، اور اب وہ بیگم گنج کانپور کے اچھے ہومیو ڈاکٹر سمجھے جاتے ہیں

ان کی شادی مولوی حاجی سید حبیب اللہ علیہ الرحمہ کی نواسی سید مشرف حسین کی صاحبزادی طاہرہ خاتون سے ہوئی۔ جن سے دو صاحبزادے حسیم احمد اور شکیل احمد نیز دو لڑکیاں ذکیہ خاتون اور طیبہ خاتون سب بقید حیات اور بعض صاحب اولاد بھی ہیں۔

جمیل احمد مقبول حسن عرف ننھو میاں کے تیسرے صاحبزادے جمیل احمد کی شادی بنارس میں ہوئی ایک لڑکا انیس احمد ہے خود کوڑہ ہی میں جائیداد کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔

حسن احمد شاہ ایڈوکیٹ راقم سطور کی اے، بی، سی، ڈی کے استاد

علیگڈھ یونیورسٹی سے ایل، ایل، بی کیا کانپور میں وکالت کرتے رہے۔

مولانا سید محمد عبدالحی رح سابق معتمد عمومی جمیعتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام سے عزیزانہ تعلق کے سوا گہرے روابط تھے۔

۱۹۳۶ء میں صوبائی جمیعتہ کی جانب سے ہیرالال گاندھی (سابق عبداللہ گاندھی) کی صدارت میں "تبلیغ کانفرنس" کی استقبالیہ کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے تھے۔

۱۹۳۹ء میں ضلع کانپور مسلم لیگ کے بھی سکریٹری منتخب ہوئے، اس دور میں انھوں نے کانپور میں مسلمانوں کی بڑی اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے۔

ہندوستان میں جب تک رہے، جمیعتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کے معتمد مال رہے جمیعتہ کے قانونی مسائل بھی سلجھاتے رہے۔

متین، سنجیدہ، باوقار، قانونی سوجھ بوجھ میں معروف، پاکستان منتقل ہونے کے بعد اپنے اثرات و رسوخ سے اعزا اور دیگر تعلق والوں کو بہت فائدہ پہونچایا، حیدرآباد کے سرکاری دفاتر میں کسی کام کے ہوجانے کی ضمانت صرف ان کا نام لے لینا ہوتا ہے کسی سفارش کی ضرورت پیش نہیں آتی کاغذات پر انکے دستخط ہی سب سے بڑی سفارش ہوتے ہیں۔

موصوف کی شادی کڑہ کے سید محمد عمر کی صاحبزادی ذکیہ بی بی سے ہوئی جن سے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تولد ہوئیں۔

ڈاکٹر حسین احمد، مسعود احمد، حسنین احمد، آصفیہ خاتون، رابعہ خاتون، قریشہ خاتون، ماشاء اللہ سب بقید حیات اور صاحب اولاد ہیں۔

نبی احمد شاہ ایڈووکیٹ محمد احمد شاہ مرحوم کے صاحبزادے ابتدائی تعلیم اناؤ ہی میں حاصل کی، پھر حیدر آباد (سندھ) چلے گئے ایل، ایل۔ بی کیا عرصہ دراز تک اپنے حقیقی چچا حسن احمد شاہ ایڈووکیٹ کی خدمت میں رہکر قانون کی مشق کی، اب وہ خود علیحدہ پریکٹس کر رہے ہیں اپنے کام میں مصروف و مشغول رہتے ہیں"۔

شادی ہوئی دو بیٹے زبیر احمد اور اقبال احمد دونوں بعد بی کام اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں، اقبال احمد ساؤتھ کوریا میں ملازم ہیں، زبیر احمد فیکٹری مینجمنٹ کا کورس کرنے جاپان گئے ہیں، امید کہ کامیاب ہو کر واپس آئینگے۔

خاندان زبیری مہاجری شیخ اشرف رح

شیخ اشرف بن شیخ حسام الدین بن شیخ محمد فخر بن شیخ فخر الدین بن مخدوم شیخ قطب الدین بن حضرت شیخ مخدوم نظام الدین بن ابوالقاسم بن قاضی نصیر الدین بن قاضی ابو حنیفہ ....بن مہاجر بن حواج بن علی بن سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ[230]

---

[230] قاضی ابو حنیفہ رح اور حضرت مہاجر رح کے درمیان اسماء دیمک نے چاٹ لئے۔ کتنی پشتیں غائب ہوئیں وثوق سے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

یہ خانوادہ بھی سید شہاب الدین سالار رومؒ اور سید حمزہ بن حامد کے ہمراہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہندوستان آیا تھا۔

سید شہاب الدین سالار رومؒ نے سلطان شمس الدین التمش کی بنگالہ کی مہم سے واپسی اور موضع برم سلہ (سلطان پور) کے دوران قیام خطیب و محتسب کے تقرر کے ساتھ ساتھ قضاء کے عہدہ پر اس خانوادہ کو منسوب کرنے کی سلطان سے درخواست کی تھی برم سلہ (سلطانپور) سے فتحپور ان خانوادوں کی منتقلی تک منصب قضا اسی گھرانہ میں رہا۔

شیخ اشرف :- جس خانوادہ کے تذکرہ کا میں آغاز کر رہا ہوں یہ خانوادہ زبیری مہاجری ہے سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے اس طرح یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے انہی کی نسل میں شیخ اشرف تھے جو حضرت شاہ جمال اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید نیز خویش (داماد) اور مجاز بھی تھے۔ حضرت شاہ جمال اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ایک صاحبزادی جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا شیخ اشرف کو منسوب تھیں جن سے ایک صاحبزادی مائی بو اور ایک صاحبزادے شاہ جلال تولد ہوئے[۲۳۱]

---

[۲۳۱] نسب نامہ صدیقی کے فاضل مرتب نے شاہ جلالؒ کو حضرت شاہ جمال اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کا بیٹا تحریر کیا ہے جس کو منظر حسین مرحوم سابق ڈائرکٹر سنی وقف بورڈ لکھنؤ نے اپنی تصنیف "اعقاب بدیع الزمان" میں بلا تحقیق نقل بھی کر دیا۔ رحمہ اللہ و غفر اللہ لہ

شاہ جلالؒ شیخ اشرفؒ اور شاہ جلالؒ کا تذکرہ حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصایا میں بھی کیا۔ اپنے مدرسہ اور خانقاہ کا نظم ونظام اپنے وصایا کی رو سے انہی دونوں کے سپرد کیا تھا۔

اعقاب شاہ جلالؒ - تین بیٹیاں (۱) حافظہ بو، زوجہ جہاؤ میاں ساکن اد گاسی حال لامعلوم (۲) لاڈو بو زوجہ سید نورالحق پسر ملا محمد واصلؒ (۳) مائی بو زوجہ سید محمد صدیق پسر غلام محمد
چار بیٹے ا۔ شاہ نظام الدین (۲) شاہ امام الدین (۳) شاہ محمد میاں (۴) شاہ غلام اولیاء ہوئے۔

۱۔ شاہ نظام الدینؒ شاہ نظام الدینؒ کی دو بیٹیاں چھوٹی بی بی بچانی بی بی۔ دونوں کا حال معلوم نہیں ہو سکا ایک صاحبزادے درویش محی الدین تھے۔

درویش محی الدین کی دو بیٹیاں ا۔ مہتاب بی بی (۲) خوشیالی بی بی ہوئیں اور ایک صاحبزادے ولی محی الدین تھے۔

ولی محی الدین کی ایک صاحبزادی ہوئیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ دو بیٹے ا۔ نظام الدین اور (۲) اتان عرف بڑے لالہ ہوئے

۲۔ شاہ امام الدین شاہ جلالؒ کے دوسرے صاحبزادے شاہ امام الدین کی ایک صاحبزادی بی بی خیر تلا زوجہ محمد عظیم تھیں
تین صاحبزادے (۱) شاہ بھیکا حال نامعلوم (۲) سعدالدین عرف منجھن میاں ان کے ایک صاحبزادے جو اتوا بی بی دختر سعیدالدین عرف سدا سے منسوب ہوئے۔

(۳) سعیدالدین عرف سدا میاں کی دو شادیاں ہوئیں پہلی شادی

کریم الدین پسر غلام اولیاءؒ کی صاحبزادی جہاںؔ بو سے ہوئی یہ لاولد فوت ہوئیں، دوسری شادی نور الدین حسن کوئی کے صاحبزادہ سید نور الہدیٰ کی دختر سے ہوئی۔ ان سے دو بیٹیاں (۱) بدیس کشائیں بی بی حال لامعلوم (۲) اتوا بی بی زوجہ دوست علی پسر سعد الدین عرف منجھن میاں، تین صاحبزادے ہوئے، ۱۔ جان بخش (۲) محمد یوسف (۳) تیسرے بیٹے شاہ بدیع الدین عرف گھوسو میاںؒ ہوئے یہ لاولد فوت ہوئے۔

یہ بزرگ شاہ جلالؒ کے پر پوتے تھے، اپنے چچا شیخ سعد الدین سے بیعت و مجاز تھے۔

حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی سلسلہ ان کے نواسگان میں شاہ بدیع الدین عرف گھوسو میاں تک چلتا رہا۔ فقیر[illegible] محلہ میں انھوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی جو آج بھی بہتر حالت میں موجود لیکن ویران ہے۔

۳۔ شاہ محمد میاں

حضرت شاہ جلالؒ کے تیسرے صاحبزادے شاہ محمد غنی یا شاہ محمد میاں تھے ان کے اعقاب میں ایک بیٹی تھی جس کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ تین بیٹے تھے، محمد دستگیر، محمد کبیر، محمد عظیم، محمد دستگیر لاولد فوت ہوئے، محمد کبیر کی دو بیٹیاں اور ایک صاحبزادے تھے، بیٹیوں کا حال معلوم نہ ہو سکا، صاحبزادے کا نام حسام الدین تھا۔

حسام الدین کی تین بیٹیاں اور ایک صاحبزادے، کفایت النساء، عصمت النساء، صدر النساء اور احمد علی عرف آغا میاں

کفایت النساء عظیم آباد منسوب ہوئیں عصمت النساء محمد امان کو منسوب ہوئیں، صدر النساء اشرف علی بن روشن علی کو منسوب ہوئیں۔

احمد علی عرف آغا میاں فاطمہ بیگم دختر محمد امان عرف مجرے لالہ کو منسوب ہوئے۔ ان کی صرف ایک لڑکی تھی جو حمایت علی پسر ہدایت علی کو منسوب ہوئی یہ لاولد فوت ہوئیں۔

۲۔ غلام اولیاء شاہ جلال کے چوتھے صاحبزادے غلام اولیاء تھے ان کی تین بیٹیاں اور چار بیٹے تھے ایک بیٹی کا نام اور حال معلوم نہ ہو سکا، دوسری بیٹی جہانا بو، تیسری دانا بو تھیں۔ جہانا بو سید محمد زاہد پسر مخدوم عالم نجیبی کو منسوب ہوئیں۔ دانا بو غلام غوث کو منسوب ہوئیں۔

۱۔ ایک صاحبزادے شاہ اچھے تھے جن کا حال معلوم نہ ہو سکا (۲) دوسرے صاحبزادے شاہ جمال الدین جن کے ایک صاحبزادے بہاء الدین تھے جو فاطمہ دختر عبدالکریم کو منسوب ہوئے (۳) تیسرے صاحبزادے نعیم الدین تھے ان کی تین بیٹیاں تھیں سہاگل بی بی جو گھسیٹے میاں پسر یار محمد سعیدی کو منسوب ہوئیں، دوسری بیٹی کا نام معلوم نہ ہو سکا یہ عبدالجلیل (پسر کریم الدین عم خود) کو منسوب ہوئیں۔ گ۲۳

چوتھے صاحبزادے شاہ کریم الدین تھے جن کی شادی ہاجو بی بی دختر نورالحق واصلی سے ہوئی جن سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے تولد ہوئے۔ جہانہ بو، مونگا بو، فاطمہ بو، صاحبزادے کا نام جلال الدین عرف عبدالجلیل مخاطب بہ شاہ عاشقان تھا، ان کی شادی نعیم الدین پسر شاہ غلام اولیاء کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی انگو بی بی اور

۲۳۲
؎ نسب نامہ صدیقی میں ان کا نام وجیہ الدین درج ہے۔ "آئینہ سالاری" میں روح الدین درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تین بیٹے میاں بخشوں میاں منجھو اور روشن علی پیدا ہوئے۔

روشن علی کی شادی اللہ یار پسر محمد حامد سعیدی کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے دو بیٹیاں اور ایک صاحبزادے اشرف علی تولد ہوئے

اشرف علی کی شادی صدر النساء دختر حسام الدین پسر محمد کبیر سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی اور تین بیٹے پیدا ہوئے، فیاض النساء حاجی ممتاز علی، محمد قلی، سرفراز علی۔

محمد قلی کا جوانعمری میں انتقال ہوا۔ سرفراز علی بڑے صاحبزادے تھے جن کی شادی مقام سمانہ (پنجاب) کے میر احمد علی رضوی کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں عالم وجود میں آئیں۔ عنایت النساء عرف بڑی بیگم، ریاض النساء عرف چھوٹی بیگم بیٹوں کے نام تصدق حسین عرف نواب میاں اور تعشق حسین عرف لالہ میاں تھے۔

حاجی محمد عبد الرؤف رح تعشق حسین عرف لالہ میاں کے بڑے صاحبزادے اصل نام اختر حسین، آزاد تخلص تھا لیکن عبد الرؤف کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم پاکر سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے زمانہ ملازمت ہی میں مولانا سید شاہ وارث حسن اور سید محفوظ علی ڈپٹی کلکٹر رحمہما اللہ کی معیت میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

ملازمت سے فراغت کے بعد کوڑہ واپس آئے جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ کے زیر انتظام مدرسہ نصرۃ الاسلام کے عرصہ تک منیجر رہے۔

بچوں کی تعلیمی دیکھ بھال اساتذہ کے پاس نشست و برخواست اکثر رہتی تعلیمی اوقات کا بڑا حصہ وہ مدرسہ ہی میں گذارتے تھے کبھی شعبۂ حفظ میں جاکر بیٹھتے کبھی شعبہ اردو دینیات میں کبھی شعبۂ عربی میں حضرات اساتذہ کو اپنی رائے اور مشورہ بھی دیتے رہتے ان کے مینجمنٹ کے زمانہ میں کوڑہ میں تنظیم و تبلیغ کے سلسلہ میں اہم شخصیتوں کی آمد ہوئی تو انھوں نے مدرسہ کی کارکردگی کا معائنہ کیا بہت اونچے الفاظ میں مرحوم کے انتظام اور سربراہی کی توصیف کی۔

بیعت مرحوم حضرت مولانا شاہ شفیع الدین مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ ان کے شب و روز کے اوقات کا بڑا حصہ مسجد و مدرسہ ہی میں تلاوت و نوافل میں گذرتا تھا۔ باوجود پیرانہ سالی رمضان المبارک کے موقع پر دسمبر و جنوری کی سرد راتوں میں خانقاہ سے چل کر میاں ٹولہ آتے نوافل تہجد اور سحر سے فارغ ہو کر واپس خانقاہ جاتے۔

اپنے معمولات کے پابند، وضعدار، شفیق و غمخوار تھے، چھوٹوں کے ساتھ بڑی شفقت و محبت سے پیش آتے قرآن کریم کی تلاوت و سماعت دونوں ہی سے ان کو ذوق تھا۔ ماموں حکیم حافظ سید احمد علی صاحب ندوی (حال مقیم کراچی) میاں ٹولہ کی مسجد میں قرآن سناتے آخری عشرہ میں حاجی عبدالروف ان کو خانقاہ آکر چند پارے سنانے کی زحمت دیتے۔ دو تین گھنٹے توقف و آرام کے بعد میاں ٹولہ آکر پھر مسجد میں قرآن سنتے۔

وفات ۔ مولانا سید محمد عبدالحیٔ اپنے مرشد گرامی حضرت

مولانا شفیع الدین مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز تعلیم تھے حاجی عبدالرؤف
جب حضرت مولانا شفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تو ان کی
تعلیم مرشد گرامی نے مولانا کے ہی سپرد کی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر دو بزرگوں
کے درمیان گہرے روابط تھے، ۱۹۳۶ء میں مولانا دعوتی سفر پر بمبئی گئے
ہوئے تھے، ایک شب مولانا نے اپنے ملازم ظہیر خاں عرف منا کو بیدار کر کے
ہدایت دی کہ سامان جلدی باندھو ابھی کوڑہ چلنا ہے معلوم نہیں رؤف
بھائی کے جنازہ کی نماز ملے گی بھی یا نہیں خود نوافل میں مشغول ہو گئے
فراغت کے بعد بمبئی سے کوڑہ کے لئے روانگی ہو گئی۔ مولانا کوڑہ اس
وقت پہونچے جب گھر گھر حاجی عبدالرؤف کے سانحہ ارتحال کی اطلاع
پہونچائی جا رہی تھی۔

اعقاب شادی ہوئی دو ہونہار فرزند تولد ہوئے جمال الدین
احمد عرف جمال رومی دوسرے عبدالجلیل عرف
جلیل حسنی غفر اللہ لہ ورحمہ۔

نمونہ کلام مرحوم آزاد تخلص کرتے تھے افسوس یہ ہے کہ انکی قلمی بیاض
مجھے دستیاب نہ ہو سکی تاہم حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ
اللہ علیہ کی منقبت میں جو اشعار چھوڑے ہیں ان میں سے چند اشعار بطور نمونہ
پیش خدمت ہیں، ؎

مظہر نور کبریا شاہ جمال اولیاء
مظہر لطف اور سخا شاہ جمال اولیاء

آپ کے علم کی ہے دھوم ہند سے لیکے تا بروم
چشمہ فیض اور عطا شاہ جمال اولیاء

اختر خستہ دل حزیں گھوم پھر کے ہر کہیں
آپ کے در پہ ہے پڑا شاہ جمال اولیاء

شاہ عبدالھادیؒ

حاجی عبدالرؤف مرحوم کے چھوٹے بھائی ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے، کوڑہ ہی کے مدرسہ میں تعلیم پائی چونکہ حاجی عبدالرؤف سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے تھے اس لئے گھر، خانقاہ، مسجد اور زمینداری کے نظم و نظام کی ذمہ داری شاہ عبدالھادی کو سپرد ہوئی جسکو مرحوم بخوبی انجام دیتے رہے۔

بیعت

مرحوم مولانا ضیاء الدین حسن آسیونی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت، اپنے معمولات کے پابند اور خوش اوقات تھے۔

مجلس وعظ و نصیحت

اکثر تو نہیں کبھی کبھی عصر کی نماز کے بعد جب مدرسہ کے طلبہ رخصت ہو جاتے صرف اساتذہ اور دوسرے بڑے افراد رہجاتے تو مرحوم کی مجلس وعظ و نصیحت ہوتی رہتی تھی۔

علمی ذوق

فارسی زبان پر عبور حاصل تھا مختلف فنون کی کتابیں زیر مطالعہ رہتی تھیں، شرفاء کے بعض خانوادوں کے سلسلہ میں خاصی واقفیت رکھتے تھے عم گرامی مولوی سید محمد عبدالقدیر نسابہ کو بھی اکثر معلومات دیتے رہتے تھے اور کاغذات بھی فراہم کرتے رہتے تھے۔

مولانا ابوسعید ایرایانیؒ نے ایک مکتوب کے ذریعہ مرحوم سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ "آپ لوگ سلطانپوری ہیں یا نہیں" معلوم نہیں کیوں اس مکتوب کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ "سپہ سالاری" انکی رسائی سے باہر نہ تھی ۲۳ ۲

حاشیہ صفحہ ۲۱ پر

یہ بات اور ہے کہ مولانا ابو سعید علیہ الرحمۃ کی یہ قلمی کاوش تبرک ہی بنکر رہگئی زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔

ملی ہسماجی بورڈ

کوڑہ میں مولانا سید محمد ہاشم جمل اللیل کی سربراہی میں ملی سماجی بورڈ بنا تھا جس کے ایک رکن شاہ عبدالہادی بھی تھے ہر مشورہ میں شریک اور مسائل کے انفصال کے موقعہ پر موجود رہتے تھے۔

تبلیغ و دعوت

مرحوم کو تبلیغ و دعوت سے بھی خاصی دلچسپی تھی انکی زمینداری گو تمانہ میں تھی اکثر و بیشتر وہ اس علاقہ میں دورہ کرتے رہتے تھے، جب کوئی دائرہ اسلام میں داخل ہونے کیلئے مدرسہ آتا تو مرحوم اس کو غسل کراتے کلمہ پڑھاتے، دو رکعت نفل پڑھاتے تعلیم و تلقین کرتے ضرورت سمجھتے تو مزید تعلیم کے لئے روک لیتے ورنہ رخصت کردیتے تھے۔

جمعیتہ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ نے حضرت شاہ جمال اولیاء رح کے مدرسہ میں عربی شاخ قائم کی تو عارضی طور پر اپنے دولتکدہ کے دو بیرونی کمرے، طلبہ کی رہائش اور خارجی اوقات میں تعلیم کے لئے خالی کرادیئے۔ جو عرصہ تک طلبہ اور اساتذہ کے استعمال میں رہے

سجادگی

چونکہ بڑے بھائی برسر ملازمت تھے اس لئے حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی دستار سجادگی ان ہی کے زیب سر ہوئی موسم گرما میں تو کم لیکن موسم سرما میں وہ اکثر اس دستار

(حاشیہ صفحہ ۴۲۰ کا) بر او ایت عم گرامی مولوی عبدالقدیر نسابہ رح

کے ساتھ دیکھے جاتے تھے

ازواج واعقاب مرحوم کی دو شادیاں ہوئیں پہلی دھئی دھمدھمہ ضلع رائے بریلی کے شیخ نذیر علی کی دختر اور برادر کلاں حاجی عبدالرؤف رح کی سالی سے ہوئی جن سے ایک صاجزادے جلال الدین احمد کی ولادت ہوئی۔

دوسری شادی ہدایت النساء بی بی دختر شیخ مظفر حسن ساکن کرن پور ضلع الہ آباد سے ہوئی جن سے ایک صاجزادے عبدالحفیظ اور چار صاجزادیاں پیدا ہوئیں۔

عبدالحفیظ دوران سفر تیز رفتار ٹرین سے گر کر جواں سال فوت ہوئے صدیقہ خاتون عبدالجلیل عموزاد بھائی کو منسوب ہیں۔ عزیزہ خاتون نعم الحق پسر عاشق حسین ساکن بندکی کو منسوب ہوئیں۔ سعیدہ خاتون یٰسین پور منسوب ہوئیں۔ رقیہ خاتون اظہر حسین ہاشمی ساکن قنوج کو منسوب ہوئیں سب ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

وفات شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کا انتقال ۱۹۴۸ھ میں ہوا رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ

جمال الدین یا جمال رومی حاجی عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے بڑے صاجزادے ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں پائی کچھ دنوں ریاست بیکانیر میں سب انسپکٹر آف پولس رہے بعد ازاں وطن واپس آکر زمین داری کے کاموں میں لگ گئے

شادی ان کی شادی قصبہ بلندہ ضلع فتحپور میں حسین فاطمہ عرف ننا بی بی دختر زاہد حسین ساکن بلندہ سے ہوئی اور غالباً اسی

وقت سے انھوں نے کوڑہ چھوڑا بلندہ میں سکونت اختیار کی گونہ آتے جاتے رہتے تھے۔

سجادگی
شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد خانقاہ کے سجادہ منتخب ہوئے۔ کوڑہ، کانپور، فتحپور میں مقیم اعزا سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ ان کے اعقاب میں ایک صاحبزادے عبدالمتین رومی دو بیٹیاں نہال فاطمہ عرف شمیم اقبال فاطمہ عرف نیم ہیں۔

انتقال
۱۹۷۵ء میں انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

جلال الدین احمد عرف مہدی میاں

شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے

۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کوڑہ ہی کے مدرسہ میں پائی آباد کے اسکول سے مڈل فرسٹ کلاس میں پاس کیا، کانپور پہنچ کر حلیم مسلم کالج میں داخلہ لیا، آٹھویں درجہ تک تعلیم حاصل کی اسی کے بعد معاشی مشکلات کا شکار ہوئے۔ کانپور ہی میں فوج کے ایک کنٹریکٹر کے یہاں کام سے لگ گئے۔ خود بھا فراغت سے زندگی گذاری والدین کی بھی مالی خدمت کرتے رہے،

اپنی اسی خدمت سے جب وہ سبکدوش ہوئے تو جمعیۃ تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ سے تعلق قائم کر کے اعزازی طور پر نومسلم افراد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی جس کا سلسلہ برسہا برس تک چلتا رہا بلکہ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ علیل ہو کر جب فتحپور گئے

تب ہی ان کی اس اعزازی خدمت کا سلسلہ موقوف ہوا۔

مرحوم بزرگانہ صفات کے حامل تھے کشادہ پیشانی روشن چہرہ کم گو، مرنجان مرنج اپنے معمولات کے پابند۔ احباب کی مجلس میں کسی بات پر بہت ہنسے تو صرف مسکرا دیے۔

مرحوم کی شادی اطہار فاطمہ دختر مولوی منیر الدین فتحپوری سے ہوئی ۱۹۹۴ء میں بمقام فتحپور وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک صاحبزادے ضیاء الدین احمد مرحوم کی یادگار ہیں

عبد الجلیل بی اے، بی ٹی (ریٹائرڈ)

حاجی عبد الروف مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے ابتدائی تعلیم کوڑہ کے مدرسہ میں حاصل کی پھر عصری تعلیم کیطرف متوجہ ہوئے، علیگڈھ یونیورسٹی سے بی، اے، بی ٹی کیا، دوران تعلیم ہی نثر نگاری کا ذوق پیدا ہوا، علیگڈھ میگزین، عالمگیر، اور دوسرے جرائد میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد بیلی بھیت میں اسلامیہ ہائی اسکول کے پرنسپل مقرر ہوئے، طلبہ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں خاصہ امتیاز حاصل تھا، انہی کی سعی و کوشش سے پیلی بھیت کا ہائی اسکول کالج بنا، مرحوم پیلی بھیت کے سرسید کہے جاتے تھے۔

سنجیدہ، بردبار، اور وضعدار تھے، عمر کے جس حصہ میں جس سے بھی تعلق قائم ہوا وہ تمام عمر قائم و برقرار رہا، لکھنؤ جب کبھی آتے راقم سطور کے پاس ندوہ ضرور تشریف لاتے۔ انکی تہذیب و شرافت شفقت و محبت کے نقوش راقم سطور کے قلب پر آج بھی مرتسم ہیں جن کو بھلایا اور مٹایا نہیں

جا سکتا۔

ایک وضاحت عم محترم مولوی سید محمد عبدالقادر نسابہ علیہ الرحمہ کے نام جب وہ کوئی خط لکھتے تھے تو اختتام پر خود کو جلیل حسنی لکھا کرتے تھے، حالانکہ وہ نسباً حسنی نہیں تھے، بلکہ شیخ زبیری مہاجری تھے۔

شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کے تذکرہ میں لکھ آیا ہوں کہ مولانا ضیاءالدین حسن آسیونی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ اپنے بھتیجے عبدالجلیل کو اعلیٰ تعلیم کے لیے جب وہ علیگڑھ لے گئے تو بروقت داخلہ انھوں نے محسوس کیا کہ یہاں "عبدالجلیل" نام کے بہت لوگ ہیں، محض امتیاز کے پیش نظر اپنے مرشد گرامی کے نام کے آخری جزو "حسن" کی جانب منسوب کرکے داخلہ فارم پر "حسنی" لکھدیا اسطرح وہ "جلیل حسنی" ہو گئے اس تبرک کو انھوں نے تاحیات برقرار رکھا۔ [۲۳۴]

بیعت غالباً اسی انتساب کی برکت تھی کہ جلیل بھائی حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی سلسلہ میں پھلواری شریف کے معروف بزرگ مولانا شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ اپنے معمولات کے پابند اور خوش اوقات تھے

عقد ازدواج و اعقاب صدیقہ خاتون دختر شاہ عبدالہادی سے عقد ہوا دو بیٹے اور چار بیٹیاں تولد ہوئیں نسیم اختر، ضمیر اختر، شاہدہ خاتون، راشدہ خاتون، عذرا خاتون

---

[۲۳۴] بروایت مولوی عبدالقادر نسابہ رح

زہرا خاتون

دونوں بیٹے علیگڑھ یونیورسٹی سے گریجویٹ ہوئے، اپنے والد گرامی کے پیدا کردہ زرعی فارم کی دیکھ بھال اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ [235]

جلیل بھائی کا ۱۹۷۹ء میں انتقال ہوا رحمہ اللہ و مغفولہ

وفات

عبدالمتین رومی

حاجی عبدالرؤف علیہ الرحمہ کے پوتے جمال رومی کے صاحبزادے ہیں۔ سال ولادت معلوم نہیں ہو سکا عصری تعلیم حاصل کی بی، اے کیا کانپور یونیورسٹی میں ڈپٹی رجسٹرار کے عہدے پر فائز ہیں۔

کانپور یونیورسٹی سے متعلق اپنے اعزا، و احباب کی مشکلات میں مدد کرتے ہیں، خلیق، ہنس مکھ، متواضع اعزا، کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

مانک پور کے رہنے والے خادم حسین عرف بدل میاں کی صاحبزادی محسنہ بی بی سے عقد ہوا تین بیٹیاں تولد ہوئیں۔

ضیاءالدین احمد عرف ضیاء حسنی

جلال الدین احمد عرف مہدی میاں کے اکلوتے صاحبزادے شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کے پوتے، دادا نے اپنے پیر طریقت مولانا "ضیاءالدین حسن" کے نام پر تبرکاً ان کا نام ضیاءالدین احمد رکھا۔

---

[235] حسب روایت جناب ضیاء حسنی صاحب

ضیاء حسنی صاحب راقم سطور کے نام اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر کرتے ہیں :-

میرے جد شاہ عبدالہادی مرحوم نے اپنے پیر طریقت کے مبارک نام پر مجھے ضیاء الدین احمد کہنا شروع کیا تاریخی نام "سید محمد ظفر" قلم چلانے لگا تو اختصار کی سوجھی "ضیاء حسنی" کے قلمی نام سے دنیائے رسائل میں داخل ہوا"

تعلیم و ملازمت

قرآن کریم اور ابتدائی کتابیں مولانا محمد ظہور اللہ مرحوم و مغفور سے پڑھیں گلستاں، بوستاں اور دیوان حافظ کی تعلیم اپنے حقیقی ماموں مولانا محمد صادق علیہ الرحمہ سے حاصل کی پھر عصری تعلیم کیطرف متوجہ ہوئے جس سے فراغت کے بعد حکومت کے محکمہ سیل ٹیکس میں ملازم ہو گئے اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔

ادب و انشاء کا ذوق

دادیہال و نانیہال دونوں ہی جگہ کا ماحول دینی علمی، ادبی تہذیبی ماحول تھا، علماء و فضلاء کے ساتھ ساتھ اردو کے معروف اُدباء کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں، میلان طبع اسی جانب تھا، جس کی وجہ سے مختلف ادبی جرائد میں موصوف کے انشائیے شائع ہونے لگے خاص طور پر رسالہ "سب رس"، حیدر آباد "نیا دور" لکھنؤ" ادب لطیف" لاہور" قومی آواز" لکھنؤ"، "نیج ویکلی" دہلی کے نام لئے جا سکتے ہیں موصوف کے دو افسانوی مجموعے "دفن والی مرک" "چاندی کے تار" نامی مجموعہ پر انعام بھی ملا۔ اور اردو اکیڈمی کے تعاون سے شائع ہوئے۔

اسی طرح طنزیہ مضامین کا مجموعہ "آگے آپ" فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے مالی تعاون سے شائع ہوا۔ نوشت وخواند کا یہ سلسلہ اس پیرانہ سالی میں بھی جاری ہے

نام ونسبت

شرفاء کا دستور رہا ہے کہ وہ اپنے اعقاب کا نام علماء ومشائخ کے ناموں پر تبرکا رکھتے تھے۔ یہی صورت نسبت کی ہے لیکن "حسنی" اور "حسینی" کی نسبت، موہم نسب ہوتی ہے، سادات اگر اپنے ناموں کے آگے "حسنی" یا "حسینی" تحریر کریں تو بجا، لیکن شیوخ صدیقی، فاروقی، عثمانی اور زبیری اگر اپنے ناموں کے آگے "حسنی" یا "حسینی" تحریر کریں تو یہ نسبت موہم نسب ہوگی، جس کی وضاحت ضیاء صاحب کرچکے ہیں ان کے اس طویل مکتوب کا اقتباس اوپر درج کر آیا ہوں:

اپنے اسی طویل مکتوب میں انھوں نے اپنے نسب کے سلسلہ میں بھی تحریر کیا ہے:-

"دادھیال والوں کا نسب نامہ بھیج رہا ہوں اسمیں غلطیاں ہیں حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبزادہ ظاہر کیا گیا ہے جبکہ آپ بزرگ موصوف کے نواسے تھے اور آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ شاہ محمد اشرف تھے"

اس طرح موصوف نے "نسب نامہ صدیقی" (مطبوعہ کراچی)، اور "اعقاب بدیع الزماں" (مطبوعہ لکھنؤ) کے مصنفین کی تحریروں کی تردید کردی جنھوں نے حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ جمال

اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا صاحبزادہ تحریر کر کے ان کے اعقاب کو سادات جعفری عریضی کے زمرہ میں شامل ہونے کا موقع فراہم کیا تھا جس کی جانب حضرت شاہ جمال اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں راقم سطور اشارہ کر چکا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

اعقاب

موصوف کی شادی سابق پرنسپل الحاج ریاض احمد مرحوم (خال خود) کی صاحبزادی نفیس فاطمہ سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادے راشد ضیاء اور پانچ صاحبزادیاں تسنیم، یاسمین، ناہید، نسرین اور سلمیٰ پیدا ہوئیں۔ بیٹے ارشد ضیاء اور بیٹیوں میں تسنیم و ناہید کی شادی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی نا کتخدا صاحبزادیوں کے فرض سے سبکدوش فرمائے۔ آمین۔

نسیم اختر و ضمیر اختر صاحبان

ہر دو صاحبان عبدالجلیل حسنی مرحوم کے صاحبزادگان ہیں مستقل قیام پیلی بھیت میں ہے، علیگڈھ یونیورسٹی سے گریجویشن کر چکے ہیں اپنے والد گرامی کی پیدا کردہ جائیداد کی دیکھ بھال کرتے اور اس سے نفع اندوز ہوتے ہیں، دونوں کی شادیاں ہو چکی ہیں، کوڑہ بہت کم آتے جاتے ہیں۔ اس لئے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

جعفری عریضی گھرانہ
مولانا سید محمد ہاشم جمل اللیل

محمد ہاشم نام سید شاہ ابو القاسم کانپوری ؒ کے صاحبزادے، مخدوم زادے تو نہیں تھے لیکن مخدوم زادوں سے خونی رشتہ تھا، اس کے علاوہ مولانا محمد ہاشم کو اپنی دینی، ملی سرگرمیوں کے لیے کوڑہ ہی کی سرزمین راس آئی تھی۔ سب سے پہلے تو ریشمی رومال کی تحریک میں ایک امین اور فرستادہ کی حیثیت میں نظر آئے، پھر خلافت تحریک میں ابھرے پھر تبلیغ و تنظیم کی تحریک میں انھوں نے سرگرم حصہ لیا انکی دینی، ملی سرگرمیوں اور ان کی خدمات کا تقاضہ ہے کہ راقم سطور ان کو خراج عقیدت پیش کرے پہلے مخدوم زادگان کوڑہ سے انکے خونی رشتہ کی وضاحت کر دوں،

وضاحت (۱) عیسیٰ نقیب رومی (بن محمد بن علی عریضی بن جعفر صادقؒ) کے تین بیٹوں میں سے ایک بیٹے حسن نامی تھے جن کی نسل میں مخدوم زادگان کوڑہ ہیں، دوسرے بیٹے احمد نامی تھے جن کی نسل میں مولانا محمد ہاشم تھے (۲) مولانا سید محمد ہاشم کی والدہ (یعنی اہلیہ سید ابو القاسم ؒ) حکیم سید واجد حسین کوڑوی کی دختر نیک اختر تھیں جن کا کبریٰ بی بی نام تھا اسی تعلق سے کبریٰ بی بی مولانا حکیم سید نصرت حسین شہید مالٹا کی پھوپھی ہوئیں اور مولانا سید محمد ہاشم مولانا حکیم سید نصرت حسین کے پھوپھی زاد بھائی ہوئے۔

شجرہ محمد ہاشم بن سید ابو القاسم بن شاہ عبد الحق بن سید احمد (عرف شاہ غلام رسول، رسول نما ؒ) بن سید محمد دانیال بن سید محمد جمل اللیل بن سید حسن الجعفری بن سید محمد العذری

بن سید سالم بن سید عبد اللہ بن سید محمد العذری بن سید سالم بن سید الدین
سید عبد الرحمن بن سید علی بن سید محمد جمل اللیل بن سید حسن المعلم بن
سید محمد بن سید حسن بن سید علی بن سید محمد بن سید علی بن سید محمد صاحب مرباط
بن سید علی (خالع قسم) بن سید علی بن سید محمد بن سید علی بن سید عبد اللہ بن
سید احمد بن سید عیسیٰ النقیب رومی بن سید محمد بن سیدنا علی عریضی رح بن
سیدنا جعفر صادق رح بن سیدنا محمد باقر رح بن سیدنا علی زین العابدین رح
بن سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جمل اللیل

مولانا سید محمد ہاشم کے اجداد میں ایک بزرگ نے مکہ مکرمہ سے اتنے فاصلے پر اقامت اختیار کی تھی جہاں سے تیز رفتار اونٹ کے ذریعہ ہی شب میں سفر کر کے صبح فجر کی نماز حرم مکی میں پڑھی جا سکتی تھی، لیکن یہ بزرگ اپنی قیام گاہ سے عشاء کی نماز پڑھکر پیدل چلتے اور فجر کی نماز حرم میں پڑھتے فارغ ہوکر پیدل ہی واپس ہو جاتے لوگ ان کی تیز رفتاری دیکھکر ان کو "جمل اللیل" کہنے لگے اس طرح جمل اللیل کا یہ خطاب ان کے گھرانے کا امتیازی نشان بن گیا۔

والد گرامی علیہ الرحمہ عام طور پر انکو ہاشم بھائی کہا کرتے تھے لیکن تسوید وتحریر کے موقع پر ان کے نام کے آگے "جمل اللیل کا اضافہ ضرور کرتے تھے۔

ہندوستان آمد

مولانا محمد ہاشم کے پردادا حضرت شاہ غلام رسول رسول نما رح کے پردادا سید حسن الحضرمی حضرموت سے سید شہاب الدین رح سالار روم کی ہندوستان آمد کے تقریباً پانچ سو سال کے بعد وارد ہند ہوئے،

حیدر آباد سے تعلق

مولانا سید محمد ہاشم علیہ الرحمہ کے دادا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کا ایک حلقہ حیدر آباد میں بھی تھا اسی کے علاوہ مولانا کے حقیقی چچا سید احمد رح کی ایک شادی حیدر آباد کے حضرمی سادات گھرانے میں لولوٗ بیگم بنت سید علی عرب سے ہوئی یوں مولانا کا تعلق حیدر آباد سے قائم ہوا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد زندگی کا بیشتر حصہ انھوں نے حیدر آباد ہی میں گذارا۔

تعلیم

مولانا سید محمد ہاشم رح کے دادا حضرت شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن ہی میں ان کو تعلیم و تربیت کے لئے حضرت مولانا احمد حسن محدث رح کانپوری کے سپرد کرا دیا تھا۔ از ابتداء تا انتہاء مولانا نے ان ہی سے تعلیم حاصل کی فراغت کے بعد حیدرآباد جاکر اپنے حقیقی چچا سید احمد رح کے پاس مقیم ہوئے یہ بزرگ مولانا محمد ہاشم علیہ الرحمہ کے خسر بھی تھے

سفر حج اور تحریک ریشمی رومال

جنگ عظیم کے زمانہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمہ اسلامی ممالک کا وفاق قائم کرنے اور ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے نقطۂ نظر سے حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہوئے تو مولانا حکیم سید نصرت حسین نے بھی سفر حج کا ارادہ کیا ان کی رفاقت میں مولانا سید محمد ہاشم بھی روانہ ہوئے۔ مولانا حکیم سید نصرت حسین رح (شہید مالٹا) حضرت شیخ الہند کی استخلاص وطن کی تحریک اور ان کی جدوجہد سے بڑی حد تک واقف تھے۔ وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت و معیت میں رہنا چاہتے تھے۔ لیکن حجاز مقدس کے لئے انکی روانگی میں تاخیر ہوگئی اور اسی

ملت میں شریف مکہ نے ترکوں کے حکمراں طبقہ کے خلاف بغاوت کرادی اس کے علاوہ روس نے برطانیہ کی شہ پاکر اپنی فوجیں ایران میں داخل کردیں تاکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا دفاعی منصوبہ ناکام ہو جائے

اسی درمیان ریشمی رومال کی گرفتاری سے ہندوستان کے حالات مزید سنگین ہو گئے بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں حکومت برطانیہ ان آزادی کے سربراہوں سے مزید خطرات محسوس کر رہی تھی اس لئے اس نے ان باہر جانے والے علماء اور زعماء کو اندرون ہند تحریک آزادی میں شرکت سے روکنے کے لئے ایک آرڈیننس جاری کیا، تاکہ یہ لوگ ہندوستان میں داخل نہ ہو سکیں۔

ہندوستان واپسی

مولانا حکیم سید نصرت حسین رحمۃ اللہ علیہ نے خطرات کے بادل منڈلاتے دیکھ کر اپنے بچوں اور اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کے لئے مولانا سید محمد ہاشم علیہ الرحمۃ کو کوڑہ روانہ کر دیا جو حکومت کے آرڈیننس کے تحت الہ آباد میں گرفتار کر لئے گئے۔

ریشمی رومال سازشی کیس ۵۹ افراد پر چلایا گیا تھا مولانا محمد ہاشم کا نام چھیالیسویں نمبر پر تھا[۳۶] لے

اس سلسلہ میں حکومت کے انٹیلیجنس ڈپارٹمنٹ کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔

رپورٹ اور حلیہ

ہاشم: یہ شخص عرب سے دسمبر ۱۹۱۶ء میں

---

۳۶ ریشمی رومال سازشی کیس ص ۱۸۷

ہندوستان آنیوالا تھا مگر رتھیڑی کے سید نورالحسن سے وہ فرمان لیکر کابل پہونچا دیے جو الیزڈی حسین ایس ایس نامی جہاز کے ذریعہ لائے تھے۔ ہندوستان میں اس شخص کو نہیں دیکھا گیا نہ ہی ٹھیک سے اس کی شناخت کی جاسکی ہے محمد مسعود کی ملاقات اسی سے مکہ میں ہوئی تھی جہاں کہ وہ مولانا محمود الحسن سے ملاقات کرنے اکثر آیا کرتا تھا اسے حیدرآباد (غالباً دکن) کا باشندہ بیان کیا گیا ہے وہ ترکی ٹوپی پہنتا ہے تقریباً تیس سال کا ہے درمیانہ قد ہے گٹھا ہوا بدن گندمی رنگ ہے ملبوترا چہرہ ہے چھوٹی سی داڑھی ہے نئے فیشن کا لباس پہنتا ہے اور اردو خوب بولتا ہے،، ۲۳۷

سی، آئی، ڈی ڈپارٹمنٹ کی یہ رپورٹ غلط ہے کہ مولانا محمد ہاشم سید ہادی حسن سے فرامین لیکر کابل پہنچانے کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ سید ہادی حسن ستمبر ۱۹۱۶ء کو بمبئی پہنچ گئے تھے جہاں وہ گرفتار کرلئے گئے اور ڈیڑھ ماہ بعد رہا ہوئے۔ سید ہادی حسن لکڑی کے صندوق کی دیوار میں یہ فرامین لیکر آئے تھے اور یہ صندوق ان سے بمبئی میں ان کی گرفتاری سے پہلے ہی حضرت شیخ الہند کے نمائندہ نے لیکر خان جہاں پور بک کر دیا تھا جسکو رتھیڑی کے رہنے والے سید نورالحسن نے چھڑایا اور سارے فرامین نکالکر کابل روانہ کردیئے یہ ساری کارروائی سید ہادی حسن کی رہائی اور مولانا

---

۲۳۷ ریشمی رومال سازش کیس ص۱۵۵

محمد ہاشم کی حجاز مقدس سے واپسی سے پہلے ہی مکمل ہو گئی تھی۔[۲۳۹]

اصل واقعہ

مولانا حکیم سید نصرت حسین (شہید مالٹا) کی تجویز کے مطابق مولانا سید محمد ہاشم رح کی ہندوستان واپسی اور کوڑہ کا قیام طے پا گیا تو حضرت شیخ الہند رح نے ڈبل چادر کے دو کنستر تیار کرائے، ایک کنستر کی دونوں چادروں کے درمیان کابل جانے والا خطر رکھ دیا اور شہد بھر دا کر دونوں کنستر مولانا سید محمد ہاشم رح کے سپرد کر دیئے۔

بہاء الدین سی، آئی، ڈی، انسپکٹر کو جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں آتا جاتا تھا صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ کوئی خط مولانا محمد ہاشم لے جا رہے ہیں اس نے بمبئی پولیس کو تار کے ذریعہ مولانا محمد ہاشم کی خط کے ساتھ روانگی کی اطلاع کر دی، مولانا کے جہاز سے اترنے سے پہلے ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نمائندہ نے وہ دونوں کنستر حاصل کر لیے، مولانا جب جہاز سے اترے تو وہ پولیس کے محاصرہ میں آگئے، سامان کی تلاشی ہوئی، کچھ نہ نکلا تو چھوڑ دیئے گئے۔

بمبئی پولس نے بہاء الدین سی، آئی، ڈی، انسپکٹر کو بحری تار کے ذریعہ اطلاع دی کہ محمد ہاشم کے پاس کچھ نہیں نکلا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔

بہاء الدین نے پھر تار دیا کہ خط محمد ہاشم ہی کے پاس ہے پھر

---

۲۳۹ ریشمی رومال سازشی کیس ص۱۵

تلاشی لو اور گرفتار کر لو، مولانا تاج ہوٹل میں مقیم ہوئے تھے لیکن بمبئی پولیس کے چھاپہ مارنے سے پہلے ہی وہ الہ آباد کے لیئے روانہ ہو چکے تھے، مجبوراً بمبئی پولس نے الہ آباد ریلوے پولیس کو تار دیا کہ اس اس حلیہ کا آدمی محمد ہاشم نام فلاں ٹرین کے فرسٹ کلاس سے اترے گا اس کو گرفتار کر لو۔

گرفتاری

مولانا بمبئی پولیس کی اس کارروائی سے بے خبر تھے ٹرین کے الہ آباد پہونچتے ہی ان کو محاصرہ میں لیکر تلاشی لی گئی اور جیل پہونچا دیا گیا، مذکورہ آرڈیننس کے تحت ان پر مقدمہ قائم کیا گیا جسکی سماعت فتحپور میں دس بارہ ۱۲ دن تک ہوتی رہی۔

معززین کوڑہ کے وفد کی آمد رہائی کیلیئے سعی

معززین قصبہ کوڑہ کا ایک وفد فتحپور جاکر ڈی، ایم، سے ملا ضمانت پر رہائی کی درخواست دی جو مسموع نہ ہو سکی مجبوراً مولانا کی گرفتاری کی اطلاع سید احمد عید روس کمانڈر انچیف ریاست حیدر آباد کو کی گئی، جنھوں نے ریاست کے معززین کا ایک ڈپوٹیشن ان کی رہائی کے لئے نظام حیدر آباد کے سفارشی خط کے ساتھ بھیجا، لیکن عدالت نے اپنی کارروائی جاری رکھی،

ہرچند حضرت شیخ الهند رحمۃ اللہ علیہ اور انکی تحریک کے سلسلہ میں مولانا سے کچھ اگلوانے کی کوشش کی گئی، لیکن حکومت کو ناکامی ہوئی۔ ایک موقعہ تو ایسا بھی آیا کہ مولانا نے جھنجھلا کر عدالت سے کہا "آپ کیا بار بار محمود حسن کا نام لیتے ہیں

چھوٹے سے قد کے دبلے پتلے نحیف و کمزور چار پسلی کے آدمی کہیں بغاوت کر سکتے ہیں"؟

مجسٹریٹ بھی مقدمہ کی ہمہ جہت کارروائی اور ناکامی سے جھلایا ہوا تھا اس نے جواب دیا کہ:-

"ان کو چار پسلی کا آدمی کہتے ہو جس نے ہندوستانی حکومت اور لندن تک کو ہلا ڈالا۔"

غرض عدالت نے اپنی کارروائی مکمل کی اور مایوس ہو کر رہا کر دیا، مولانا پورے قافلہ کے ساتھ کوڑہ تشریف لائے۔[۲۳۹]

خلافت تحریک

یہ زمانہ خلافت تحریک کے شباب کا زمانہ تھا جس میں مقامی طریقہ سے مولوی حاجی سید حبیب اللہ، مولوی حکیم سید وجاہت احمد، شاہ عبدالہادی، مولوی سید اخلاق احمد پہلے ہی سے سرگرم تھے، مولانا سید محمد ہاشم کے آجانے کے بعد ان سرگرمیوں میں اضافہ ہوا، لیکن یہ ساری کوششیں قصبہ کوڑہ جہان آباد اور اس کے مضافاتی علاقوں تک ہی محدود تھیں، مولانا سید محمد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نجیب فوجی ملازمت سے استعفا دیکر کوڑہ آئے، تو ان دونوں بزرگوں نے خلافت تحریک کے کاز کو تقویت پہونچانے کے لئے مختلف شہروں کے دورے شروع کر دیئے۔

وارنٹ گرفتاری

مولانا سید محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ ریشمی رومال تحریک میں ماخوذ ہو چکے تھے مقدمہ

---

۲۳۹ بروایت مولوی حاجی سید حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ

چلا تھا مولانا سید عبدالحیؒ نے فوجی ملازمت سے استعفا دیا تھا ڈی، ایم،
نے دوسری معمول ملازمتیں ان کو پیش کی تھیں لیکن انھوں نے انکار کردیا
تھا، اس پس منظر میں خاندان کے ایک بزرگ نے جنکو ان دونوں حضرات
کی حکومت کے خلاف سرگرمیاں ناگوار گذر رہی تھیں، ڈی، ایم سے شکایت
کی جسکی بنا پر دونوں کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے اتفاق
کہ سب انسپکٹر پولیس وارنٹ لیے ہوئے داروغہ بسم اللہ رحمۃ اللہ جد
گرامی مولوی حکیم افہام اللہ صاحب سے ملا، وارنٹ گرفتاری کی اطلاع دیکر
مشورہ کا طالب ہوا، داروغہ بسم اللہ مرحوم نے ان دونوں کے باغی ہونے
کی تردید کی اور فائنل رپورٹ لگانے کی رائے دی اس کے چلے جانے
کے بعد انھوں نے مولانا سید محمد عبدالحی کو بلاکر مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے
لئے کوڑہ چھوڑدیں چنانچہ یہ حضرات آگرہ چلے آئے، ایک ماہ کے بعد واپس
کوڑہ آئے۔

شدھی سنگھٹن

۱۹۲۳ء میں شدھی سنگھٹن کی تحریک شروع ہوئی تو اس کے دفاع
کیلئے جمعیتہ مرکزیہ تبلیغ الاسلام کا قیام عمل میں آیا، اس کی ایک شاخ جمعیتہ
تبلیغ الاسلام صوبہ متحدہ قائم ہوئی، دونوں جماعتوں کے بنیادی اور
متحرک ذمہ دار مولانا سید محمد عبدالحیؒ تھے، اور مولانا سید محمد ہاشم اس
کے شعبہ تعلیمات کے معتمد تھے، جمعیتہ مرکزیہ یا صوبائی جمعیتہ کے جو وفود ملک
کے مختلف مقامات کا دورہ کرتے تھے، ان کے ایک ممتاز رکن مولانا بھی
ہوتے تھے۔

بیعت

مولانا سید شاہ ابوطاہر رحمۃ اللہ علیہ کانپور مولوی حاجی

حبیب اللہ علیہ الرحمۃ کوڑہ شاہ عبدالہادی علیہ الرحمۃ کوڑہ کی طرح مولانا
محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا شاہ ضیاء الدین حسن آسیونی رحمۃ اللہ
علیہ سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت تھے، یہ معلوم نہیں یہ سب
حضرات اجتماعی طور پر بیعت ہوئے تھے یا انفرادی طور پر، چونکہ یہ سب
حضرات دینی، ملی اور سیاسی حیثیت سے متحد الفکر اور متحد الرائے تھے اس
لئے گمان غالب ہے کہ سب ایک ساتھ ہی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ
میں داخل ہوئے واللہ اعلم بالصواب

محبوبیت

کوڑہ جہان آباد کے مسلمانوں میں مولانا کو بڑی
محبوبیت حاصل تھی، بعض وجوہ کی بنا پر کوڑہ
چھوڑ کر وہ حیدرآباد چلے گئے اور مسلسل چھ ماہ تک نہ آئے، کوڑہ جہان آباد
کے عقیدتمند مسلمان بے چین ہو گئے، مولوی حاجی سید حبیب اللہ، مولوی
سید اخلاق احمد مولوی حکیم سید وجاہت احمد رحمہم اللہ کے پاس
مسلمانوں کے وفود آنا شروع ہو گئے، جنھوں نے مولانا کو کوڑہ بلانے کی
التجا کی، یہ واقعہ کئی بار پیش آیا تو مولوی سید اخلاق احمد علیہ الرحمہ نے
سب کے مشورے سے مولانا سید محمد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کو آگرہ اطلاع دی مرحوم
خود حیدرآباد گئے اور کوڑہ جہان آباد کے مسلمانوں کی درخواست پیش کی
وہ کوڑہ تشریف لائے، تو ان کا شاندار استقبال ہوا، مولانا کی محبوبیت
اور ان کے استقبال کی کم و بیش جزئیات راقم سطور کے ذہن میں
آج بھی محفوظ ہیں۔

دوسری خصوصیات

مولانا شعلہ بیان مقرر نہیں تھے
اور نہ اس حیثیت سے ان کی

کوئی شہرت تھی وہ "سحربیان" تھے انکو کسی بڑے مجمع، کسی اسٹیج کسی شامیانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ان کے پاس اگر دو آدمی بھی پہونچ جاتے تو سلام و مصافحہ کے بعد رسمی طور پر خیر خیریت معلوم کرتے اور تقریر شروع ہوجاتی جس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا تھا اور مجمع کی کوئی قید کھڑے ہیں تو تقریر جاری ہے چل رہے ہیں تو تقریر جاری ہے بیٹھے ہیں تو تقریر جاری ہے، پڑھے لکھے افراد ہی نہیں علماء بھی انکی سحربیانی سے مسحور ہوجاتے تھے، اور تو اور جس سی، آئی، ڈی کی رپورٹ پر ریشمی رومال تحریک میں ان پر مقدمہ چلا تھا وہ بھی انکی گفتگو سے متاثر ہوا، اور اسکو اپنی رپورٹ میں ان کے متعلق یہ جملہ لکھنا پڑا " اردو خوب بولتا ہے"۔

کوڑا جہان آباد کے مسلمانوں میں انکی محبوبیت کا ایک عامل انکی سحربیانی تھی، آنکھوں دیکھے کانوں سنے واقعات تو بہت لیکن یہاں ان کے تذکرہ کی گنجائش نہیں غرض مولانا " اِنّ من البیان لسحرا" کا صحیح مصداق تھے۔

قبولیت دعاء

زمانہ تو بارش کا تھا لیکن آسمان پر بادل نام کی کوئی چیز نہ تھی دن گزرتے گئے پریشانیاں بڑھتی گئیں بعض کنوئیں خشک ہو گئے صرف کیچڑ رہ گیا بعض کنوؤں کی سطح آب بہت نیچی ہو گئی رسی ڈول کا پہونچنا محال ہو گیا، سب سے زیادہ پریشانی کاشتکاروں کو تھی جتائی، بوائی کا زمانہ آہستہ آہستہ رخصت ہو رہا تھا، ایسے میں ایک دن عم محترم مولوی سید اخلاق احمد علیہ الرحمہ کے دروازے مخدوم زادگان بیٹھے باہم موسم

کی شدت کا تذکرہ کر رہے تھے کہ کسی صاحب کو "صلوٰۃ استسقاء" کا خیال آیا، اور پھر فوراً ہی مخدوم زادے لنگیاں لے لیکر پہونچ گئے مولانا محمد ہاشم علیہ الرحمۃ کی سربراہی میں یہ قافلہ تالاب کی جانب روانہ ہوا جہاں آباد کے مسلمانوں کو بھی خبر ہو گئی وہ بھی تالاب پر آ گئے۔
غسل اور وضو سے فارغ ہو کر جھلستی جھلساتی دھوپ میں یہ قافلہ ایک جگہ پہونچا تو صفیں بنائی گئیں راقم سطور صغر سنی کی وجہ سے سب سے پیچھے کھڑا کیا گیا مولانا نے نماز پڑھائی فارغ ہوئے تو سفید بادلوں کے چند ٹکڑے آسمان پر نظر آئے، جو آہستہ آہستہ گمبھیر ہوتے گئے گھر پہونچتے پہونچتے تیز بارش شروع ہو گئی اللہ کی مخلوق کی پریشانی رفع ہوئی کسان کھیتوں کی طرف دوڑ پڑے۔
راقم سطور نے اس کے بعد بھی بعض بزرگوں کی امامت میں استسقاء کی نمازیں پڑھی ہیں لیکن بعجلت قبولیت دعاء کا جو منظر اس موقعہ پر نظر آیا وہ بعد میں کبھی نہ دیکھا قبولیت دعاء میں تاخیر کا سبب یقیناً ہم لوگوں کے گناہ ہیں جو بڑھتے ہی جا رہے ہیں ان کے گھٹنے کے آثار نہیں۔ اللھم اغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار

کشف قبور مولانا کو کشف قبور میں بھی دخل تھا، مخدوم زادوں کے درمیان ایک دن بات چلی کہ برم سلہ (سابق سلطانپور) میں سید شہاب الدین سالار روم (مورث اعلیٰ ہندوستان) کی قبر کی کوئی شناخت نہیں وہاں کئی قبریں ہیں کس قبر کو انکی قبر سمجھا جائے۔
اس مسئلہ پر دیر تک باہم گفتگو ہوتی رہی آخر میں یہ طے پایا کہ سب لوگ مولانا محمد ہاشم رح کے ساتھ برم سلہ چلیں چنانچہ یہ قافلہ برم سلہ پہونچا

ایصال ثواب کے بعد مولانا قبروں کے پاس مراقب ہو گئے، مراقبہ سے فارغ ہو کر انھوں نے سید شہاب الدینؒ کی قبر کی نشاندہی کی جہاں فوراً ہی کوئی نشان قائم کر دیا گیا اللہ جانے اب بھی وہ نشان باقی ہے یا نہیں؟[۲۴]

دست غیب

مولانا کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کو دست غیب حاصل ہے، اس سلسلہ میں واقعات تو میں نے بہت سنے لیکن خوش فہمی پر محمول کیا، مولیٰ بخش قلعی گر مولانا کے عقیدت مند اور بڑے مداح تھے انھوں نے بھی مجھے بعض واقعات بتائے، لیکن میں نے مبالغہ سمجھ کر یاد نہیں رکھا اور نہ توجہ دی، لیکن والد صاحب علیہ الرحمہ سے ایک واقعہ سنکر مجھے یقین ہوا کہ مولانا کے دست غیب کی روایتیں غلط نہیں ہیں، اس فن میں بھی ان کو کمال حاصل تھا،

علم جفر

علم جفر میں بھی مولانا کو ملکہ حاصل تھا انھوں نے جفر کے دو ایک حساب حافظ محمد ولی فتحپوری عرف حافظ اچھو رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سکھاتے تھے حافظ صاحب مرحوم سے راقم سطور نے بڑی کوشش کی کہ وہ اپنا علم مجھے دیدیں لیکن مرحوم نے بھول جانے کا عذر کیا۔

مولانا کے "جفر" کے سلسلہ کا ایک واقعہ عم گرامی مولوی حاجی حبیب اللہ علیہ الرحمہ نے مجھے سنایا تھا طوالت کیوجہ سے نظر انداز کر رہا ہوں۔

آخر عمر میں مولانا ریاست حیدر آباد میں دینی تعلیمات کے ڈپٹی

---

[۲۴] بروایت مولوی سید محمد عبد القدیر لسابہ

ڈائرکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے کچھ ہی عرصہ کے بعد ڈائرکٹر کے عہدہ کی بات چلنے لگی مولانا نے حساب لگا کر نتیجہ نکالا کہ جس دن ڈائرکٹر کے عہدہ کا شاہی فرمان ملیگا وہ ان کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔

فرمان جب ان کو ملا، تو دفتر سے اٹھ کر اپنے دولتکدہ تشریف لے گئے اسی دن چہرہ پر فالج کا حملہ ہوا...... لہ۲۴

وفات ماہ رجب یوم پنجشنبہ سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۵ء میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

اعقاب مولانا کی شادی حقیقی چچازاد بہن (دختر شاہ سید احمد رح) مسماۃ فاطمہ بی بی سے ہوئی پانچ بیٹے سید محمد مسلم، سید محمد عقیل، سید خالد، سید زبیر، سید عزیر اور ایک صاحبزادی آمنہ بی بی کی ولادت ہوئی، سید محمد عقیل کا جوان عمری میں انتقال ہوا، بقیہ صاحبزادگان پاکستان منتقل ہو گئے جہاں وہ اچھے اچھے عہدوں پر ہیں۔

صاحبزادی آمنہ بی بی کا عقد سید مصلح الدین واسطی عرف بادشاہ میاں ساکن ہیرپور سے ہوا تھا جن سے ایک صاحبزادے سید جمیل الدین عرف شہزادے میاں ایک بیٹی شمیم فاطمہ کتخدا اور بقید حیات ہیں۔ آمنہ بی بی کا چند سال قبل انتقال ہوگیا،

لہ۲۴ بروایت جناب حکیم مولوی احتشام اللہ بحوالہ مولانا فضل اللہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

ضمیمہ

راجہ بجلی خاں سابق بجے سنگھ

بجلی خاں کے قبول اسلام کے محرکات پر شروع صفحات میں لکھ چکا ہوں کہ بجلی خاں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوئے اور ان کو کوڑہ سے ارگل تک پوری ریاست اور کوڑہ کا قلعہ شاہ فیروز کی جانب سے مرحمت ہوا ۔ سرہی کے مقام پر انھوں نے خام قلعہ بنا کر ارگل کے اجڑے ہوئے دوسرے عزیزوں کو آباد کیا اور خود اپنے گھرانہ کے ساتھ کوڑہ کے قلعہ میں آباد ہوئے ۔

اسی ضمن میں بجوالہ بحر ذخار یہ واقعہ بھی لکھا جا چکا ہے ، کہ حضرت مخدوم صاحب رح جب فتحپور سے کوڑہ تشریف لائے تو قلعہ میں آباد بجلی خاں کے اعقاب نے حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پرجوش استقبال کیا ، بزرگوں کے اس قافلہ کی میزبانی کی ۔

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلعہ کے اندر رہتے ہوئے بجلی خاں کی تعمیر کردہ مسجد میں دو حجروں کا اضافہ فرمایا ، کچھ عرصہ رہائش پذیر رہ کر محلہ میاں ٹولہ کی موجودہ جگہ پر منتقل ہو گئے ۔

یہ واقعہ نو مسلموں اور مخدوم زادوں کے درمیان تعلقات کا نقطۂ آغاز تھا جس کا سلسلہ آج تک قائم و برقرار ہے آج بھی وہ مخدوم زادوں کے ساتھ اکرام و احترام کا ..... معاملہ کرتے ہیں اور مخدوم زادے بھی ان کا لحاظ و خیال کرتے ہیں ۔

ﻫ ﻫ ﻫ
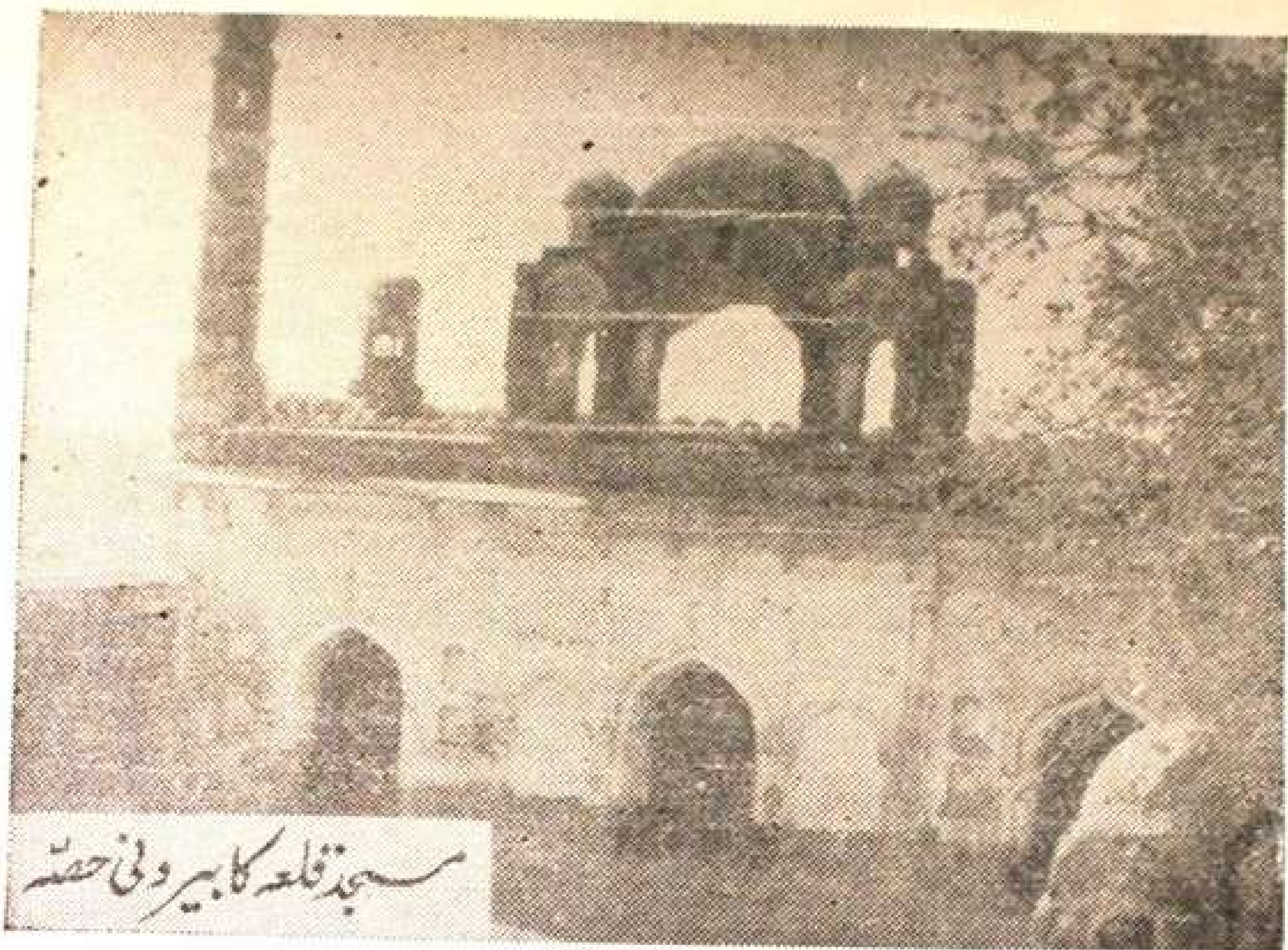
مسجد قلعہ کا بیرونی حصّہ
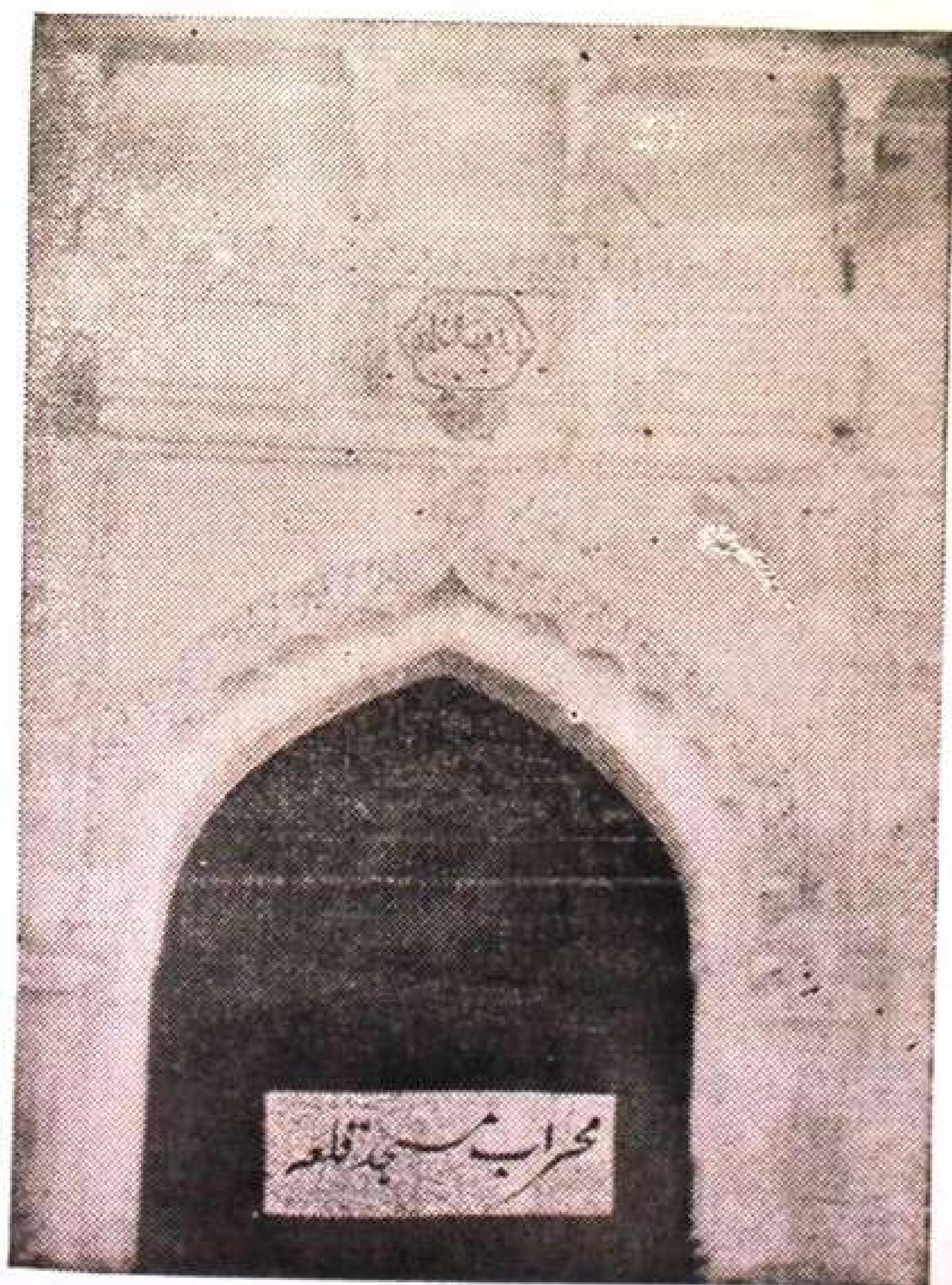
محراب مسجد قلعہ

مجھے یاد ہے کہ "شدھی سنگھٹن" تحریک کے زمانہ میں ضلع فتحپور کے بہ مسلمان گوتم راجپوت بھی "شدھی" کا نشانہ بنائے جانیوالے تھے، جمنا کے کنارے قصبہ للولی (ضلع فتحپور) کی مشرقی سمت میں بعض مسلم اقلیتی مواضعات پر "شدھی" والوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا اس موقعہ پر والد گرامی علیہ الرحمہ نے ان مواضعات کا دورہ کر کے کئی صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ ڈی، ایم کو پیش کی تھی جس کے بعد یہ دباؤ ختم ہوا "شدھی" کے مبلغین پر پابندی لگادی گئی کہ وہ ان مواضعات کا رخ نہ کریں۔

زیر نظر کتاب کی تحریر و تسوید میں بجلی خاں کے اعقاب میں جلال الدین خاں رح نے جن کو آج مرحوم لکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے مواد کی فراہمی میں دلچسپی کے ساتھ جد و جہد کی تھی گیا پرشاد لائبریری کانپور اقبال لائبریری کانپور مولانا آزاد لائبریری علیگڈھ سے طویل مطالعہ کے بعد ضروری ضروری مواد کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں فراہم کی تھیں نیز چند کتابیں بھی انھوں نے میرے حوالہ کی تھیں۔

صرف یہی نہیں میری علالت کی مجبوری کی وجہ سے ندوۃ العلماء کے کتبخانہ میں بیٹھکر میری ہدایت کے مطابق کتابوں کا مطالعہ کرتے اور نوٹ لے کر میرے حوالہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس تعاون کو قبول فرمائے، انکی مغفرت فرمائے۔

بجلی خاں وغیرہ کے اعقاب کے سلسلہ میں زیر نظر سطور مرحوم کی یادداشتوں سے مرتب کر کے پیش کر رہا ہوں

جن افراد کا تذکرہ ضروری سمجھا شجرہ میں ان پر نمبر لکھدیئے ہیں تاکہ مطالعہ میں سہولت ہو۔

شجرہ اعقاب راجہ بجلی خاں سابق بجے سنگھ

۱۳۸۰ء میں مشرف باسلام ہوئے

راجہ شیر شاہ ← بہادر خاں ← مصطفی خاں ← زین خاں ← سبحان خاں (۱)

جلال خاں ← خان جہاں خاں (۲) ← منا خاں

سعد اللہ خاں آواز خاں (۳) پاج خاں (۴) مصطفی خاں ← مظفر خاں ← تاتار خاں

لاولد

مقیم خاں مبارک خاں نصرت خاں (۵) سرمست خاں دلاور خاں یعقوب خاں (۶)

لاولد اولاد لاپتہ وزیر خاں

دریا خاں دائم خاں عبدل خاں ہمت خاں (۶)

لاولد

گوا علی (۷) دیندار خاں داراب خاں عبد اللہ خاں

دریا خاں (۸)

علی محمد خاں اللہ بخش علی بخش

صابر حسین خاں فرزند حسین خاں

مشتاق حسین عشاق حسین عاشق حسین معشوق حسین نثار حسین فدا حسین

جواد حسین واجد حسین

عبد الہادی عبد الحلیم خاں

رضوان عثمان فاروق الگلی (۹) عشرت احمد خاں سجاد حسین مصطفی حسین عرف بجی میاں

مختار حسین آفتاب احمد محمد جرار حسین (۱۰) محمد جلال الدین (۱۱) انصار حسین ابرار حسین مجتبی حسین

لاولد لاولد

پرویز عالم

ظفر الملک (۱۱) ضیاء الملک (۱۲)

شفاء الملک (۱۴) عطاء الملک (۱۳)

(۱) زین خاں :۔ زین خاں کے دور میں یہ علاقہ ان کے ہاتھ سے نکلکر پھر راجہ ارگل کے ہاتھ لگ گیا۔ اس جنگ میں راجہ ارگل کی رفاقت راجہ ریواں نے کی تھی جسکی وجہ سے زین خاں کی فوج کمزور پڑ گئی اور وہ شکست کھا گئے۔

(۲) خان جہاں خاں :۔ خان جہاں خاں نے شہنشاہ ہند شاہجہاں سے مدد حاصل کر کے ارگل کے راجہ ہمیر دیو کو شکست دی۔ اور پوری ریاست پر قبضہ کر لیا۔ منت شناسی کے طور پر سرہی سے کچھ دور پورب کی سمت شاہجہاں آباد نامی بستی بسائی جس کے دو محلوں کے نام شاہجہاں کے دو بیٹوں کے نام پر داراگنج، اور اورنگ آباد رکھے۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد راجہ ہمیر دیو کے بیٹے بھگونت دیو نے جوار کے راجاؤں سے مدد حاصل کر کے خانجہاں کو سرہی میں قتل کرا دیا۔ جسکی اطلاع شاہجہاں کو ہوئی تو اس نے فوج روانہ کر کے بھگونت دیو کو قتل کرایا اور پوری اسٹیٹ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بھگونت دیو کی اولاد نیز خانجہاں کی اولاد میں تقسیم کر دیا، کوڑہ اور ارگل کا نصف حصہ جلال خاں پسر خانجہاں کو دیا کوڑہ کی چودھراہٹ بھی دی بقیہ نصف حصہ مقتول راجہ ارگل کی نابالغ اولاد کو دیا، یہ تقسیم اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں بھی برقرار رہی۔

(۳) آواز خاں اور تاج خاں پسران جلال خاں سے موضع آوازی پور آباد ہوا اور تاج خاں سے موضع گوری آباد ہوا

(۴) نصرت خاں پسر تاج خاں کے اعقاب موضع گوری میں آباد ہیں

(۵) لگرا علی پسر دریا خاں یعنی سرمست خاں کے پرپوتے سبھدرا

ضلع باندہ میں آباد ہوئے۔

(۶) دریا خاں پسر عبداللہ خاں یعنی ہمت خاں کے پوتے نے قلعہ کوڑہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

بہ زمانہ آئین داودھ کے علاقہ میں نوابان اودھ کی حکمرانی کا تھا جن کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ انھوں نے کوڑہ کے علماء و مشائخ کی معافیات ضبط کرلیں شرفاء بجبار معاشی اعتبار سے پریشان ہو گئے، مدارس اجڑ گئے، خانقاہیں ویران ہوگئیں حکومت نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کردی شرفاء کے جن گھرانوں نے شیعیت قبول کرلی ان کو کچھ جاگیریں دیدی گئیں لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ گوتم راجپوتوں کی جائیدادیں جو ان کی ذاتی ملکیت یا موروثی تھیں کیوں ضبط کی گئیں۔

دریا خاں اس صورت حال سے پریشان ہو کر موضع بھینسولی میں جا آباد ہوئے، جن کے قبضہ میں صرف آٹھ مواضعات بھینسولی، شجاول پور، مصافہ، مومن پور، ککربیا وغیرہ رہ گئے۔

الماس علی خاں چکلہ دار کوڑہ کی نظر کوڑہ کے قلعہ پر بھی تھی دریا خاں نے قلعہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھا اور ایک مقدمہ الماس علی خاں کے خلاف منصف جہان آباد کی عدالت میں دائر کردیا جس میں دریا خاں کامیاب ہوئے، الماس علی خاں کوشش کے باوجود قلعہ حاصل نہ کرسکے۔

(۷) فرزند حسین خاں :- علی محمد خاں بن دریاں خاں کے بڑے بیٹے فرزند حسین خاں اپنے دادا دریا خاں کی طرح موضع بھینسولی میں مقیم رہے لیکن کوڑہ کے قلعہ پر قبضہ نہیں رکھ سکے

ازروئے بندوبست قلعہ سرکاری ملکیت قرار پایا گیا۔

یہ قلعہ پہلے تو سرکاری تحصیل بنا، ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی میں بعض مجاہدین کی شہادت کے بعد سلاٹر ہاؤس بنا دیا گیا جس کا سلسلہ ۱۹۸۷ء تک جاری رہا۔

(۸) فاروق الر گلی :- مشہور صحافی کئی ادبی کتابوں کے مصنف کئی رسالوں کے مدیر رہ چکے ہیں، اردو موجودہ دہلی کے کنوینر اور دہلی میں مقیم ہیں،

(۹) محمد جرار حسین :- عشتاق حسین کے صاحبزادے ریٹائرڈ انجینئر آج کل فتحپور میں مقیم دیندار اور باوضع ہیں۔

(۱۰-۱۱) ضیاء الملک اور ظفر الملک :- ہر دو محمد جرار حسین صاحب (ریٹائرڈ انجینئر) کے صاحبزادگان ہیں ضیاء الملک فتحپور میں قانون کی پریکٹس کرتے ہیں اچھے لائر ہیں، ظفر الملک سلطان ٹینری جاجمؤ میں ٹکنیشین ہیں۔

(۱۲) عطاء الملک نجلال الدین مرحوم کے صاحبزادے لیدر میں ڈپلومہ کیا اب زمزم ٹینری اناؤ میں شفٹ انچارج ہیں (۱۳) پرویز عالم :- آفتاب احمد کے صاحبزادے لیدر میں ڈپلومہ کیا زمزم ٹینری اناؤ میں ٹینر ہیں،

(۱۴) محمد جلال الدین :- ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہوئے، ۱۹۸۷ء میں کوڑہ کے قلعہ پر اپنی آبائی وراثت ثابت کرنے کے لئے خود اور اپنے دونوں بھائیوں کی جانب سے مقدمہ دائر کیا جو

۲۱ر اگست ۱۹۸۹ءکو تینوں کے حق میں فیصل ہوا قلعہ پر ان کا قبضہ ہو گیا مرحوم قلعہ مذکور کی آراضی کو ایک دینی مدرسہ کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی کینسر کے مرض میں مبتلا ہوئے، اور ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۳ءکو بمقام کانپور وفات پائی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

شجرہ خاندان بہادر خاں سابق بریار سنگھ بہُرراؤ

(۱)

بہادر خاں سابق بریار سنگھ بہُرراؤ

منصور خاں (لاولد فوت) بھیکم خاں سرمست خاں (لاولد فوت)

عبد اللہ خاں

(۲)

شہباز خاں نصیر خاں عالم خاں

فتح خاں انعام خاں خان خاناں خان دریا خاں (۳) عظمت خاں

لاولد لاولد

کمال خاں محمد خاں فیروز خاں بابو خاں

خاں بہادر خاں نصرت خاں بہادر خاں ہمت خاں کلمبر خاں عاقل خاں نواز خاں سرور

حیات خاں نواز خاں دیانت خاں بہادر خاں منور خاں

لاولد

منعم خاں خانجہاں خاں خان زماں خاں

لالچ خاں نظیر خاں

اعظم خاں

اکرم خاں

(۳)

رحمت خاں (لاولد) عبد الرحیم خاں جمعیت خاں مستی

برخوردار خاں

(۴)

لال خاں روشن خاں خان محمد خاں منور خاں

شخصیات قصبہ کوڑہ

(۱) راجہ دھرپونیر دیو کے بیٹوں میں ایک بیٹا راؤ بھوپال سین تھا جسکو اس کے بڑے بھائی سول راج دیو نے ارگل کا راج پاٹ سنبھالنے کے بعد "کوبھا" کا علاقہ جاگیر میں دیکر راؤ کا خطاب دیا تھا راؤ بھوپال سین کے لڑکے سومان سین کے پاس اسی خطاب کے ساتھ یہ جاگیر برقرار رہی، راؤ سومان سین کے دو لڑکے تھے بھوسنگھ اور بریار سنگھ بہر راؤ یہ عہد شاہان دہلی میں فیروز شاہ تغلق کا تھا اور ارگل کا راجہ دیوپال دیو تھا جس کے خلاف اس کے بڑے بھائی بجے سنگھ (بجلی خاں) نے فیروز شاہ تغلق سے اپنی حق تلفی کی فریاد کی تھی اور فیروز شاہ تغلق نے اپنی فوج کے ذریعہ ریاست ارگل پر اسکو قبضہ دلایا تھا،

بریار سنگھ بہر راؤ کے قبول اسلام کا واقعہ یا تو بجے سنگھ کے قبول اسلام سے پہلے پیش آیا یا بجے سنگھ کے قبول اسلام اور ارگل اسٹیٹ پر قبضہ پا جانے کے بعد پیش آیا اس بارہ میں وثوق کے ساتھ کوئی بات کہی نہیں جاسکتی۔

ان کا اسلامی نام بہادر خاں قرار پایا، حکومت کی جانب سے ان کو وسیع جاگیر دی گئی، موضع "کوبھا" سے ترک وطن کر کے موضع کھونڈھا میں آباد ہوئے۔

(۲) بہادر خاں کی تیسری پشت میں شہباز خاں نصیر خاں اور عالم خاں پیدا ہوئے، شہباز خاں کی نسل گیارہ مواضعات میں آباد ہے جو شہبازخانی کہلاتے ہیں نصیر خاں کی اولاد دو مواضعات میں آباد ہیں جو نصیر خانی کہلاتے ہیں۔

عالم خاں نے رند ندی کے کنارے قصبہ گڈھی آباد کیا، عالم خاں شاہان دہلی کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور لڑائیوں میں مدد بھی دیا کرتے تھے کسی جنگ میں شہید ہو کر گڈھی میں مدفون ہوئے ان کے اعقاب چھ مواضعات میں آباد ہیں

(۳) بہادر خاں کی دسویں پشت میں جمعیت خاں ہوئے گڈھی سے ترک سکونت کر کے موضع مستی میں آباد ہوئے، ان کے پوتے عبداللطیف نے بی، اے تک تعلیم حاصل کی خوش اخلاق و خوش گفتار تھے حکومت کی جانب سے آنریری مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز ہوئے کھجوہ کی تحصیل میں ان کی علیحدہ بنچ تھی جہاں مقدمات کا تصفیہ کرتے تھے، ۱۹۶۶ء میں انتقال ہوا، ان کے صاحبزادے محمد شمیم فوج میں کرنل ہیں۔

(۴) جمعیت خاں کے پوتے لال خاں نے موضع کھونسر چھوڑ کر موضع بہبہٹ آباد کیا، یہ ذہین و زمانہ شناس تھے آبائی جائیداد کے سوا متعدد مواضعات خرید لیے اپنے وقت میں گوتم برادری میں ان سے بڑا کوئی زمیندار نہ تھا، ان کی تیسری پشت میں محمد علی خاں اور محمد ولی خاں پیدا ہوئے، محمد ولی خاں ذی علم تھے انھوں نے اپنے دادا بہادر خاں کا شجرہ تیار کیا تھا جسکی نقول جوار کے گوتم خانوادوں میں موجود ہے، ان کے ایک صاحبزادے قمر الہدیٰ ہیں جنہوں نے اس خاندان سے مقدمہ لڑا کر نصف جائیداد تقسیم کرائی۔

محمد علی خاں کے دو بیٹے تھے محی الدین خاں اور معین الدین خاں

اول الذکر انٹر میں زیر تعلیم تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا وطن واپس آکر زمینداری کا کاروبار سنبھالا، ڈی ایم فتحپور ان کے اخلاق و شمائل سے متاثر ہوا سفارش کر کے اسسٹنٹ کلکٹر کے عہدے پر انکوفائز کیا انھوں نے اپنے موضع میں کچہری کے لئے عمارت تعمیر کرائی جہاں وہ مقدمات کرتے تھے۔

ان کے دوسرے بھائی معین الدین خاں میونسپل بورڈ فتحپور کے چیرمین رہے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔

محی الدین خاں کے ۲ پسر مقیم الدین اور نعیم الدین خاں ہوئے، مقیم الدین خاں ندوہ میں زیر تعلیم تھے کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم ادھوری چھوڑ کر وطن واپس آئے زمینداری کا کام سنبھالا ۱۹۷۷ء میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۹۰ء بروز جمعہ انتقال کیا، اپنے آبائی قبرستان بہیٹہ میں مدفون ہوئے۔

مرحوم نے پانچ بیٹے چھوڑے محمد شمیم الدین خاں، راشد الدین خاں سلیم الدین خاں شاکر الدین خاں، اور ناظر الدین خاں، محمد شمیم الدین خاں خفیہ پولیس میں سب انسپکٹر ہیں، سروجنی نگر میں مکان تعمیر کرا کر لکھنؤ میں مقیم ہیں بقیہ دو بھائی زمینداری کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ۲ بھائی ملازم ہیں محمد شمیم الدین خاں کے پسر سہیل ظفر خاں اور معراج الدین خاں ہیں، سہیل ظفر گریجویشن کر کے طیبہ گروپ آف کمپنیز کے صدر ہیں معراج الدین زیر تعلیم ہیں۔

خانزادے

جلال الدین گوتم مرحوم اپنی یادداشت میں راجہ لبشن دھر دیو کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اور دو بھائی راجہ کے ضلع گورکھپور و اعظم گڈھ مشرف باسلام ہو کر بخطاب خانزادہ مشہور ہوئے" جو بھائی گورکھپور گئے ان کے بارہ میں تو کچھ معلوم نہ ہو سکا، اعظم گڈھ جانے والے بھائی کے متعلق تاج التواریخ میں درج ہے۔

"چندر سین سنگھ بعہد جہانگیر اعظم گڈھ آئے ان کا بیٹا بھمن سنگھ مسلمان ہوا بائیس پرگنے چکلہ اعظم گڈھ کے مالک مع خطاب راجہ و خلعت فاخرہ اور ایک لاکھ پچیس ہزار روپے عطیہ سالانہ سے مشرف ہوئے۔" ؎

اعظم گڈھ میں ٹونس ندی کے کنارے قلو میں جو لوگ آباد ہیں وہ گوتموں کے اسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خانوادہ اپنے مقام پر ممتاز اور ذی عزت ہے۔ نیر اعظم صاحب کو خط لکھ کر راقم سطور نے شجرہ طلب کیا تھا جو تا ایندم نہ پہونچا اس لئے جس قدر معلوم ہو سکا وہ درج کر دیا۔

؎ تاج التاریخ حصہ سوم بلا صفحہ نمبر ردیف الف

خاتمۂ کلام

قصبہ کوڑہ کے جعفری، عریضی خانوادہ کی پانچ یا آٹھ سو سالہ داستان بحمد اللہ کہ ختم ہوئی۔

اس ضمن میں زیادہ تر عم گرامی مولوی سید محمد عبد القدیر نسابہ رحمہ اللہ کی کتابوں، تحریروں، سے راقم سطور کو خاص مدد ملی اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے۔

کتاب کے صفحہ ۷۶ پر شاہجہان آباد خالصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ عبد الہادی علیہ الرحمہ کے مضمون شائع شدہ ماہنامہ "عرفان" کوڑہ کا حوالہ غلط ہو گیا ہے اس کے بجائے "اسرار جہانی" کے مقدمہ نگار ڈپٹی خلیل الرحمن مرحوم کا حوالہ دینا چاہئے تھا ناظرین درستگی کرلیں۔

کتاب میں اضافہ کی گنجائش ہے بعض قدیم کتابیں فرامین دستاویزیں راقم سطور کو نہیں مل سکیں اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو شرف قبول بخشے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

والسلام بخیر الختام
محمد عبد السمیع ندوی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
۳۱ اگست ۱۹۹۴ء